الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون
اولیائے لاہور
مؤلفہ
محمد لطیف ملک (ایم اے)
سید علی مخدوم ہجویری ....
شاہ اسمٰعیل محدث ....
سید یعقوب زنجانی ......
شاہ ابوالمعالی قادری ...
سید میراں بادشاہ ......
شیخ طاہر بندگی ......
شیخ موسیٰ آہن گر ......
حضرت میاں میر لاہوری ...
حضرت ایشاں ....
شاہ جمال لاہوری ....
شاہ بلاول ...
سید مٹھا لاہوری ...
شاہ ستر ربانی چشتی ....
بی بی پاک داماناں ......
پیر مکی ....
شاہ چراغ گیلانی ......
شاہ ابو اسحاق قادری ...
سید موج دریا بخاری ...
شاہ شمس الدین قادری ..
حسین لاہوری ......
شاہ گدا لاہوری ......
عبدالرزاق مکی
شیخ سعدی بخاری ......
شاہ خیر قادری ......
رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

پبلشرز ، سنگ میل پبلیکیشنز

طباعت ، نقوش پریس، لاہور

پرنٹر ، ارشاد احمد

قیمت ، چھ روپے

خوشا لاهور و فیض آب لاهور
بطاعت میل شیخ و شاب لاهور

گمانم نیست اندر هفت کشور
بود شهری بآب و تاب لاهور

کنم زان رو مر بدآسا شب و روز
کرامت ها بیان در باب لاهور

که پیر دستگیر و مرشد من،
یکی قطب است از اقطاب لاهور

طالب آملی

فہرست مضامین

اولیائے لاہور

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

سرزمینِ لاہور زمانہ قدیم سے محبانِ خدا کی نظرِ التفات کا مرکز رہی ہے۔ ان میں سے اکثر بزرگ دُور دراز کی مسافتیں طے کر کے اس عروس البلاد میں وارد ہوئے، شبانہ روز کے مجاہدوں اور ریاضتوں کے درمیان انہوں نے رُشد و ہدایت کے سلسلے جاری کیے اور بالآخر یہیں پیوندِ خاک ہُوئے، چنانچہ آج لاہور کا گوشہ گوشہ زبانِ حال سے ان کے قدومِ میمنت لزوم کی شہادت دے رہا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے گزشتہ دو صدی سے اسلامی معاشرے پر مادیّت کے رجحانات طاری ہو جانے کی وجہ سے رُوحانیت کے علمبرداروں کے حالات و کمالات نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

یہاں تک کہ اگر آج ہم ان کی مقدس زندگیوں کی تفصیلات کا سراغ لگانا چاہیں تو سوائے حسرت و یاس کے کچھ ہاتھ نہیں آتا، اور محض ان کی آخری خوابگاہوں اور اُن علمی یادگاروں میں جو دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہی ہیں تسکینِ قلب کا کچھ سامان نظر آتا ہے۔ یہی باقیاتِ صالحات ایک طالب و محقّق کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہیں اور اس کے ذوقِ تجسّس کی آبیاری کرتی ہیں۔

مدینۃ الاولیاء لاہور کے قدیم تذکروں میں تحقیقاتِ چشتی کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ کتاب مصنّف کی وفات کے بعد پہلی بار ۱۲۸۶ھ میں منظرِ عام پر آئی اور اس کا دُوسرا ایڈیشن ۱۳۲۴ھ میں طبع ہُوا۔ اس کے مصنّف مولوی نور احمد چشتی (المتوفی ۱۲۸۴ھ) گزشتہ صدی میں لاہور کے ایک نامور اہلِ قلم اور مؤرّخ گذرے ہیں۔ انہوں نے لاہور کی قدیم تاریخ، عمارات و باغات و مساجد وغیرہ اور یہاں کے بزرگانِ طریقت اور ان کے مقابر و مزارات پر تحقیقاتِ چشتی کے نام سے ایک ضخیم کتاب تالیف کی جو لاہور کی قدیم مقامی تاریخ کی حیثیت سے بنیادی اہمیت کی حامل ہے اور اس کا شمار تاریخِ لاہور کے قدیم مآخذ میں ہوتا ہے۔ مصنّف نے اس کتاب کی تیاری میں جن تالیفات سے مدد لی آج ان میں سے بعض نایاب ہو چکی ہیں، نیز انہوں نے اکثر حالات بچشمِ خود دیدہ اور مذکرہ مقابات کے مجاوروں اور سجادہ نشینوں کی زبانی نقل کیے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ اس کد و کاش کے باوجود مصنّف نے مواد کی ترتیب و تہذیب کی طرف کوئی توجّہ نہیں دی اور رطب و یابس کو بہت عجلت سے قلم بند

کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعض بیانات محلِ نظر ہیں۔

انقلابِ زمانہ سے آج اس کتاب کا وہ مواد جو اہلِ ہنود اور غیر مسلم اقوام کے مراسم اور معابد و مقامات سے تعلق رکھتا ہے فرسودہ اور از کارِ رفتہ ہو چکا ہے اور اب ان مقامات کی حیثیت محض تاریخی عجائبات سے زیادہ نہیں۔ لہٰذا راقم الحروف کو خیال پیدا ہوا کہ خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدِرَ۔ اس کتاب کے اُن اجزاء کو ایک کتابی شکل میں مرتب کر دیا جائے جو لاہور کے بزرگانِ کرام کے احوال و کرامات پر مشتمل ہیں تو وقت کی ایک اہم ضرورت پوری ہو جائے گی۔

"اولیائے لاہور" میں لاہور کے ممتاز اولیائے کرام کے صرف ذاتی حالات و کرامات جمع کیے گئے ہیں اور ان کے مزارات و مقابر کی تفصیل، سجادہ نشینوں کے طویل شجرے اور ان کے باہمی تنازعات کو "جو تحقیقاتِ چشتی" کے اکثر صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں قلم انداز کر دیا گیا ہے کیونکہ اہلِ دل کے نزدیک جن کو اولیاء اللہ کے احوال کی جستجو ہوتی ہے یہ چیزیں کچھ اہمیت نہیں رکھتیں۔

اصل کتاب کے متن کی تہذیب و تنقیح کے ساتھ ساتھ حواشی میں دیگر مستند و قدیم تذکروں کی مدد سے ضروری تصریحات و معلومات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ایک تو اصل کتاب کا متن محفوظ ہو گیا ہے اور اس کا دلکش اسلوب نکھر کر سامنے

آ گیا ہے۔ دُوسرے یہ کہ دیگر اہم ماخذوں سے، جو ایک عام قاری کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں، ضروری مواد فراہم ہو گیا ہے، کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ کرنے کی غرض سے حضرات صُوفیہ کے مزارات کے موجُودہ محلِ وقوع کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے۔

توضیحات و حواشی کی تحریر میں مفتی غلام سرور لاہوری معاصر مُصنّف "تحقیقاتِ چشتی" کی تصنیفات "خزینۃ الاصفیاء" (فارسی) اور حدیقۃ الاولیاء (اُردو) سے خاص طور پر مدد لی گئی ہے۔ ان کے علاوہ منشی محمد الدّین فوق کی کتاب "یادگارِ رفتگاں" جو خاص کر لاہور کے صُوفیا کرام کے حالات پر مشتمل ہے اور اسی مصنّف کی ایک اور تالیف "مآثرِ لاہور" (جو اسی سال ماہنامہ "نقوش" کے "لاہور" نمبر میں شائع ہوئی ہے) اور دیگر کتب سیر و تراجم مثلاً سفینۃ الاولیاء، دارا شکوہ، تاریخ جلیلہ، غلام دستگیر نامی، تحفۃ الابرار وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔

لاہور کے چند مشاہیر صُوفیا ایسے بھی ہیں جن کا تذکرہ "تحقیقاتِ چشتی" میں نہیں کیا گیا، ان میں سے سید مٹھا لاہوری، پیر زکی شہید، پیر بلخی، شاہ عنایت قادری، اور مستان شاہ مجذوب لاہوری رحمۃ اللہ علیہم کے حالات خزینۃ الاصفیاء اور دیگر

تذکروں سے اخذ کر کے شامل کر دیے گئے ہیں۔

امید ہے کہ لاہور کے بزرگان کرام کا یہ تذکرہ جمیل شائقین کے روحانی سرور و انبساط کا موجب ہو گا۔ ؎

معدہ را بگزار و سوئے دل خرام
تا کہ بے پردہ ز حق آید سلام

(مولانا رومؒ)

لاہور
۲۴ر اکتوبر ۱۹۶۲ء

لطیف ملک

چون شوی دور از حضورِ اولیا
در حقیقت گشتہ دور از خدا

(مولانا رومؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیّد علی مخدوم ہجویری

غزنوی جلابی المشہور داتا گنج بخش، یہ حضرت اولیائے عظام میں بڑے مشہور بزرگ ہیں۔ حضرت کے والد کا نام حضرت عثمان ابنِ علی جلابی غزنوی ہے۔ یہ حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلیؒ کے مرید ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب رکھتے تھے اور مجتہد کامل اور جامع علومِ ظاہری و باطنی تھے۔ سلسلہ ان کا جنیدیہ ہے۔

ہجویر اور جلاب شہر غزنین کے محلات میں سے دو محلے ہیں۔ وہاں سے ان کی تشریف آوری کا حال یہ ہے کہ اوّل یہاں لاہور میں ان کے پیر بھائی حضرت حسین زنجانی[1] قطب لاہور تھے۔ بعد ازاں حضرت کے پیر نے ان کو ارشاد فرمایا کہ تم لاہور[2] میں جاؤ۔ حضرت نے

---

[1] داتا صاحبؒ نے اپنے معاصرین میں اس نام کے کسی بزرگ کا ذکر نہیں کیا۔ آئینِ اکبری نیز بعد کے بعض تذکروں میں خواجہ معین الدین اجمیری سے ان کی ملاقات اور سالِ وفات ۶۰۰ھ یا کچھ بعد تحریر کیا ہے (آثار ابو تالیف [illegible]) ([illegible])

[2] آپ حضرت شیخ ابوالفضل بن ختلیؒ کے ارشاد کے مطابق تینتیس چالیس سال کی عمر میں ۴۳۱ھ میں غزنی سے لاہور تشریف لائے۔ یہ زمانہ سلطان مسعود بن سلطان محمود کا تھا۔ (ماخذ لاہور مؤلفہ منشی محمد الدین فوق) (باقی بر صفحہ [illegible])

عرض کی کہ وہاں میرے پیر بھائی حسین زنجانی موجود ہیں، میرے جانے کا کیا فائدہ ہوگا۔ تب انہوں نے فرمایا کہ تم کو چون وچرا سے کیا غرض ہے، بلا توقف چلے جاؤ۔ الغرض یہ حضرت لاہور میں بوقتِ شب تشریف لائے اور شہر کے باہر شب باش ہوئے۔ جب صبح کو شہر میں داخل ہونے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ حضرت حسین زنجانی کا جنازہ اٹھائے ہوئے لیے آتے ہیں۔ حکمتِ الٰہی کو دیکھ کر جنازہ میں شامل ہوئے اور تکفین و تدفین فرمائی۔ بعدازاں اسی جگہ پر جہاں خانقاہ شریف ہے۔ اقامت اختیار کی، اور ایک مسجد بصرفِ زرِ خود تیار کرائی، چنانچہ اب تک اسی مسجد کی زمین پر مسجدِ ثانی تو تیار موجود ہے، اور اب ۱۲۷۹ھ میں ایک شخص گلزار شاہ نامی سادھو نے معرفت مسمی نور محمد سادھو کے اس مسجد کو اسی بنا پر از سرِ نو تعمیر کرا کے بلند کیا۔

داراشکوہ اپنی کتاب سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت مرحوم نے یہ مسجد بنوائی تو بہ نسبت اور مسجدوں کے اس مسجد کا رُخِ قبلہ ذرا سا مائل بسمتِ جنوب تھا۔ عُلمائے لاہور نے اس پر اعتراض کیا، حضرت سُن کر خاموش تھے۔ جب تعمیر مسجد سے فراغت پائی تو آپ نے تمام علماء و فضلاء کی ضیافت فرمائی اور خود امام ہو کر اس مسجد میں نماز پڑھائی۔ اس کے بعد سب حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اس مسجد کے قبلہ پر اعتراض کرتے ہو، اب دیکھو کہ قبلہ کِس طرف ہے۔ جب انہوں نے دیکھا تو یکبارگی قبلہ بالمشافہ بچشمِ ظاہر نظر آیا۔ حضرت نے کہا کہ دیکھو قبلہ کدھر ہے۔ حضرت کی یہ کرامت دیکھ کر سب نے تسلیم کیا اور اپنے اعتراض سے نادم ہوئے۔ حضرت کا شہرۂ کرامت مشہور ہونے لگا اور آپ قطب الاقطاب مشہور ہوئے۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ (۱۶): پیر روشن ضمیر نے بعد تکمیل ان کو ہند کے لوگوں کی ہدایت کے لیے رخصت کیا۔ انہوں نے لاہور میں آکر ہنگامہ فضیلت و مشیخت گرم کیا۔ دن کو طالب علموں کی تدریس اور رات کو طالبانِ حق کی تلقین ہوتی، ہزاروں جاہل ان کے ذریعے سے عالم، ہزاروں کافر مسلمان، ہزاروں گمراہ رہبراہ، ہزاروں دیوانے صاحبِ عقل و ہوش، ہزاروں ناقص کامل اور ہزاروں فاسق نیکوکار ہوئے۔ تمام زمانہ نے ان کی غلامی کو اپنا فخر تصور کیا۔ (حدیقۃ الاولیاء مفتی غلام سرور لاہوری)

حضرت کے اسمِ مبارک گنج بخش کی وجہ شہرت یہ ہے کہ عقائدِ اہلِ اسلام میں یہ دستور مروّج ہے کہ بہر حال و ہر وقت ایک فقیر ہر ملک و ہر شہر کا حاکم و محافظ ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ حکومتِ ظاہری تو حاکمانِ ظاہری کے سپرد ہوتی ہے اور حکومتِ باطنی فقیروں کے سپرد ہوتی ہے۔ چنانچہ اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ کوئی شہر اور کوئی ملک حکومتِ قطب کے بغیر نہیں ہے، چنانچہ جو حکمِ الٰہی ہوتا ہے ان لوگوں کی معرفت جاری ہوتا ہے، اور سلطنتِ ظاہری کا تقرر و تبدل بھی انھیں کے تفویض ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہ حضرت بڑے کامل اور شہنشاہِ اولیاء ہیں اسی لیے اب تک جو کوئی فقیر ملکِ ہند و پنجاب کا حاکمِ باطنی مقرر ہوتا ہے ان کے حکم کے سوا اس کا تقرر نہیں ہوتا، چنانچہ سنہ ۵۸۰ھ میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری قدس اللہ سرہٗ ان حضرت کے مزار پر آئے اور چلہ ادا کیا۔ چلہ کا دستور یہ ہے کہ اکثر بزرگ چند روز ایک بند مکان میں بیٹھ کر خور و خواب اور عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، اور جس بزرگ کی قبر پر چلہ بیٹھتے ہیں۔ اس بزرگ کی روح سے استمداد کرتے ہیں، چنانچہ حضرت کے مزار کے جنوب رویہ اندرون چار دیواری حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا مکانِ چلہ اب تک موجود ہے۔ حضرت موصوف اس عبادت خانہ میں مدت بھر تشریف فرما رہے اور پھر حضرت کو ہندوستان جنت نشان کی حکومت عطا ہوئی۔ ان کا مزار پُر انوار اجمیر شریف میں مشہور و معروف ہے اور ہزارہا خلقت دور و نزدیک سے وہاں حاضر ہوتی ہے اور کروڑوں روپیہ کا اسباب ان کے مزار پر موجود ہے (رحمۃ اللہ علیہ) جب یہ حضرت تشریف فرمائے ہند ہونے لگے تو پائنتی کی طرف دست بستہ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا :۔ شعر

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا

ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

اُس روز سے حضرت کا نام مبارک "گنج بخش" مشہور ہوا[۵۱]۔ اور اب تک ہر ملک و دور و نزدیک سے ہزارہا مخلوقات حضرت کی زیارت کے لیے آتی ہے اور حصولِ مرادات ہوتی ہے، اور ہمیشہ جمعرات اور خاص ہر جمعہ کے دن ہجومِ زائرین ہوتا ہے، بلکہ ہر ایک جمعہ کو آٹھویں دن میلا ہو جاتا ہے۔ شہر اور باہر کی خلقت مزار پر جمع ہوتی ہے اور مزار کے شرقی رویہ قوالی بھی ہوتی ہے۔

دارا شکوہ اپنی کتاب سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ جو کوئی چالیس روز یا چالیس جمعرات آپ کے مزار مبارک پر حاضر ہو تو جو مراد چاہے خدا سے پائے۔ اور اپنی نسبت لکھتا ہے کہ میں چالیس روز برابر حضرت کے مزار پر حاضر ہوتا رہا اور جو مطلب چاہا مجھ کو حضرت کے طفیل جنابِ الٰہی سے حاصل ہوا۔

حضرت کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال مسموع ہوتے ہیں۔ چنانچہ عارفِ نامی مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ مصنف نفحات الانس ۴۶۵ ہجری، اور صاحبِ تذکرۃ الاصفیاء ۴۶۴ ہجری اور حضرت دارا شکوہ صاحبِ سفینۃ الاولیاء ۴۶۴ ہجری تحریر فرماتے ہیں اور خانقاہ کے اندرونی دروازہ پر یہ تاریخ تحریر ہے:۔ شعر

چونکہ سردارِ ملکِ معنی بود　　سالِ وصلش بر آید از سردار[۵۲]

۴۶۵

---

[۵۱] لیکن آپ کی تصنیف کشف الاسرار سے ظاہر ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں آپ کا یہ نام مشہور ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ اس کتاب میں خود لکھتے ہیں "اے علی! خلقت تجھے گنج بخش کہتی ہے حالانکہ تیرے پاس ایک حبّہ بھی نہیں۔ اس بات کو اپنے دل میں جگہ مت دو کیونکہ یہ پندار و غرور کی بات ہے، گنج بخش اور رنج بخش ذاتِ حق ہی ہے جو کہ بے چون و بے چگون ہے" (مآثر لاہور مؤلف فوق در ترجمہ کشف الاسرار از سید میرک شاہ)

[۵۲] پورا قطعہ تاریخ یہ ہے:۔

خانقاہِ علی ہجویری است	خاکِ جاروب از درش بردار
طوطیا کن بدیدۂ حق بین	تا شوی واقفِ ویراسرار
چون کہ سردارِ ملکِ معنی بود	سالِ وصلش بر آید از سردار

اس میں مادۂ تاریخ لفظ سردار ہے اور سردار کے عدد ۴۶۵ ہوتے ہیں، اور مفتی غلام سرور
نے حضرت کے جو قطعاتِ تاریخ بامیدِ اندراج کتاب ہٰذا ارسال کیے ہیں وہ یہ ہیں :- شعر

علی غزنوی آں شاہِ ہجویر — سراپا نورِ روشن ماہِ ہجویر
چو در زید آخر از دنیائے فانی — مکاں از در مکانِ لامکانی
عیاں تاریخِ او چوں ماہ گفتم — "علی ہجویری عالیجاہ" گفتم

اس کے عدد ۴۶۵ ہوتے ہیں۔ ایضاً

چوں آں شاہِ جہاں از در جہاں شد — ز سرور سالِ وی سرور عیاں شد
۴۶۶

اس میں مادۂ تاریخ لفظ سرور ہے اور سرور کے عدد ۴۶۶ ہوتے ہیں۔ ایضاً

بسالِ رحلتِ آں عارفِ دیں — ندا آمد ز رضواں کاشفِ دیں
۴۶۵

اس تاریخ سے ۴۶۵ برآمد ہوتے ہیں کہ مادۂ تاریخ لفظ کاشفِ دین ہے۔ اور جناب
والدم حضرت مولوی احمد بخش صاحب چشتی یکدل یوں فرماتے ہیں۔ شعر

بشیخ عالی علی ہجویری — بود مخدومِ ہر صغار و کبار
ہست سردار زبدۂ لاہور — طرفہ تاریخِ وصل آں سردار
۴۶۵ ۴۶۵ ۴۶۵

ہست۔ سردار اور زبدۂ لاہور تینوں لفظوں سے علیحدہ علیحدہ ۴۶۵ نکلتا ہے۔ مقبرہ
مبارک لاہور شہر میں بھاٹی دروازہ کے باہر واقع ہے اور صدیوں سے زیارت گاہِ خلق ہے۔
مزار گوہر بار سنگِ مرمر سفید کے چبوترہ پہ ہے۔ حضرت کا مزار سب سے پہلے سلطان محمود غزنوی کے
برادر زادے ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی نے بنوایا تھا۔ بعد میں ہر زمانے
میں آپ کی خانقاہ و مسجد کی مرمت، تعمیر و تزئین کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ کے احاطۂ مزار کے اندر
حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے حجرۂ اعتکاف اور مسجد کے علاوہ آپ کے معتقدین کی

مریدین کی کئی اور قبریں ہیں"۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

چونکہ اصل کتاب میں شیخ علی ہجویریؒ کی تصنیفات کا کوئی ذکر نہیں اس لیے یہاں آپ کے علمی کارناموں پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

زمانے کی دستبرد سے حضرت شیخ علی ہجویریؒ عرف داتا گنج بخش (المتوفی ۴۶۵ھ) کی ایک ہی تصنیف بچی ہے یعنی کشف المحجوب، جو علم تصوف کا ایک نادر جواہر پارہ ہے اور فارسی زبان میں تصوف کی مستند ترین اور قدیم ترین موجود کتاب شمار کی جاتی ہے۔ ہر زمانے میں اکابر صوفیا اور محققین نے اپنے ملفوظات و تحریرات میں اس کتاب کی عظمت و شوکت کا صاف اعتراف کیا ہے۔ دارا شکوہ کے الفاظ میں "اس کتاب کی شہرت و عظمت میں کسی کو کلام نہیں، یہ ایک مرشدِ کامل کی حیثیت رکھتی ہے اور فارسی میں تصوف کے موضوع پر اس پائے کی کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی"۔ (سفینۃ الاولیاء)

حضرت شیخ ہجویریؒ نے سلوک و معرفت پر متعدد کتابیں تصنیف کیں لیکن آج کشف المحجوب کے سوا سب ناپید ہیں اور اس کتاب میں صرف ان کے نام ہی باقی رہ گئے ہیں مثلاً ا۔ منہاج الدین (اہلِ صُفّہ کے بیان میں) ۲۔ کتاب الفناء والبقاء ۳۔ اسرار الخرق والمئونات ۴۔ کتاب البیان لاہل العیان ۵۔ بحر القلوب ۶۔ الرعایۃ لحقوق اللہ ۷۔ کشف الاسرار ۸۔ وجدان۔ (دیوان اشعار)۔ علاوہ ازیں منصور حلاج اور ایمان پر بھی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

کشف المحجوب کے قلمی نسخے مشرق و مغرب کے اکثر کتب خانوں کی زینت ہیں۔ لاہور میں گزشتہ صدی عیسوی کے اواخر سے یہ کتاب متعدد بار طبع ہو چکی ہے اور یہیں سے کئی اردو تراجم بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ انگلستان سے پروفیسر نکلسن نے گب میموریل سیریز میں انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کے مخطوطوں کی مدد سے ۱۹۱۱ء میں اس کا ایک انگریزی

ترجمہ شائع کیا تھا۔ رُوس میں پروفیسر ژوکوفسکی نے وی آنا، لینن گراڈ اور تاشقند کے چند قدیم مخطوطوں کی بنا پر ایک نسخہ ایڈٹ کیا تھا جو ۱۹۲۶ء میں لینن گراڈ میں طبع ہوا۔ اس نسخے کا عکسی چھاپ ایران میں آقائے محمد عباسی کے زیرِ اہتمام شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ سمرقند میں ملا سید عبدالمجید مفتی نے ۱۹۱۴ء میں ایک نسخہ طبع کیا تھا جو متن کے اختلافات کے علاوہ کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی منفرد ہے۔

مخدوم سید علی ہجویری کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ اُن کے ایک رفیق ابوسعید ہجویری نے عرض کیا کہ "مجھ سے طریقِ تصوف کی حقیقت اور مقاماتِ صوفیہ کی کیفیت اور ان کے مذاہب و مقالات کا حال بیان فرمائیے۔ اور مجھ پر ان کے رموز و اشارات، اور خدائے عزّوجل کی محبت کی نوعیت اور دلوں میں اس کے ظاہر ہونے کی کیفیت، اور اس کی ماہیت کے ادراک سے عقل کے حجاب، اور اس کی حقیقت سے نفس کی نفرت، اور اس کی برگزیدگی و پاکیزگی سے رُوح کی تسکین اور دُوسرے متعلقہ اُمور کا اظہار فرمائیے۔"

حضرت مخدوم نے ساری کتاب اسی سوال کے جواب میں تصنیف فرمائی اور اس میں تصوف کی اصل تاریخ اور مختلف فرقوں اور گروہوں کے عقائد، اکابرِ صوفیہ کے حالات، سلوک و طریقت کے مصطلحات، تصوف کے عملی مسائل اور راہ سلوک میں حجابات کی تشریح کی ہے۔

پانچویں صدی ہجری کے اس عالم و عارف کی علمی استعداد کی تفصیلات بہت کم معلوم ہیں مگر کشف المحجوب کے مطالعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اس کا مصنف علومِ ظاہری و باطنی میں یدِ طولیٰ رکھتا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے بہت سے اساتذہ

کے نام لیے ہیں جن سے وقتاً فوقتاً تحصیلِ علم کی۔ اس کے علاوہ بے شمار آئمہ ومشائخ کی تصانیف وتعلیمات سے مستفید ہوئے۔ حضرت امام ابوالعباس احمد اشقانی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "اندر بعضی علوم اُستادِ من بود" شیخ ابوالقاسم بن علی گرگانی کو بھی اپنا معلم تسلیم کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ ان سے عجز و نیاز کی تعلیم پائی۔ طریقت کی تعلیم ابوالفضل محمد بن حسن الختلی سے پائی جو سلسلہ جنیدیہ سے نسبت رکھتے تھے۔ اور تفسیر و حدیث کے زبردست عالم تھے۔ شیخ علی ہجویری نے منازلِ سلوک طے کرنے کے لیے بڑے بڑے مجاہدے کیے اور اپنے عہد کے تمام اسلامی ممالک کی سیاحت کی اور دور دراز ممالک کے شیوخ و علماء سے ملاقاتیں کیں، صرف خراسان میں وہ تین سو مشائخ سے ملے اور ان سب سے کسبِ فیض کیا۔ کشف المحجوب میں ان تمام علمی روحانی صحبتوں کا تذکرہ کیا ہے اور اس ضمن میں بہت سے پُر لطف اور عجیب و غریب واقعات بیان کیے ہیں۔ کتب بینی اور مطالعہ سے غیر معمولی شغف کا یہ عالم تھا کہ جب مرشد کے حکم سے لاہور میں آئے تو ایک موقع پر نہایت افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں، کہ "میری کتابیں تمام غزنین میں رہ گئی تھیں اور میں لاہور میں ناجنسوں کے درمیان گرفتار تھا۔"

(اقتباس از مقالۂ مؤلف بعنوان "کشف المحجوب کا ایک ورق"

ہفت روزہ "لیل و نہار" لاہور مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۶۱ء)

شاہ اسمٰعیل محدثؒ

مجاہدان کا حال بیان کرتا ہے کہ یہ حضرت سیّد بخاری عربی ہیں[۵۱]۔ اور جب یہاں ہوڈی اور سرداران بادشاہ تھے تب یہ حضرت یہاں آئے[۵۲]۔ اس وقت یہاں ہرگز مسلمانی نہ تھی۔ اُن کے وعظ سے لوگ مسلمان ہوئے۔ اوّل روز جو انہوں نے بروز جمعہ وعظ کیا تو دو سو پچاس اور دوسرے جمعہ تین سو پچاس اور تیسرے جمعہ پانچ سو ہنود مسلمان ہوئے[۵۳]۔

---

۵۱ : حدیقۃ الاولیاء میں ان کا نام "شیخ محمد اسمٰعیل محدث و مفسر لاہوری" لکھا ہے (مؤلف)

۵۲ : رائے بہادر کنہیا لال مصنف تاریخ لاہور کے بیان کے مطابق ۴۱۲ھ میں، اور صاحب خزینۃ الاصفیاء کے بیان کی رُو سے آپ ۳۹۵ھ میں بعہد سلطان محمود غزنوی لاہور آئے۔ بہت ممکن ہے کہ مولانا شاہ اسمٰعیل محمود غزنوی کی فوج کے ہمراہ لاہور آئے ہوں۔ کیونکہ بادشاہی افواج کے ساتھ علماء و فضلا کی ایک کثیر تعداد بھی ہوتی ہے۔ (مآثر لاہور ــــــ فوق)

۵۳ : صاحب خزینۃ الاصفیاء بحوالہ تحفۃ الواصلین لکھتے ہیں کہ "اوّل کسے از واعظانِ اسلام در لاہور تشریف آورد و خلق را بہ نورِ اسلام روشن کردہ او بود۔ ۔ ۔ ۔ واز کتبِ معتبرہ وافرادِ صحیحہ ثابت شدہ کہ شخصے کہ اوّل در لاہور کلامِ مجید خواند شیخ اسمٰعیل بود۔" حدائق الحنفیہ میں ہے "بخارا کے ساداتِ عظام میں سے تھے جو سلطان مسعود غزنوی کے وقت اواخر ۳۹۵ھ میں شہر لاہور میں آ کر سکونت پذیر ہوئے۔ اپنے وقت کے علوم فقہ و (باقی حاشیہ بر صفحہ ۲۶)

یہ حضرت بڑے پرانے ولی ہیں۔ ۴۴۸ھ میں فوت ہوئے اور مہتاب کا لفظ کہ حاصل اعداد اس کا ۴۴۸ ہے ان کا مادۂ تاریخ ہے۔ ان کے مزار پر رات کو کوئی شخص نہیں رہتا۔ اگر رہتا ہے تو خوف آتا ہے اور اعضا شکنی ہونے لگتی ہے، اس لیے کوئی شخص یہاں شب باشی نہیں کر سکتا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

"مال روڈ کی جانب سے ہال روڈ میں داخل ہوں تو کانفیڈرل سکول کی عمارت شروع ہونے سے پہلے (جو در حقیقت اسی مزار کی زمین ہے) سڑک کے بائیں طرف ایک بلند چبوترہ پر آپ کا مزار ہے۔ مزار بہت معمولی حالت میں ہے۔ سنگِ مرمر کہیں نہیں۔ اسلامی سلطنت کے وقت مقبرہ کے ساتھ ایک بہت بڑا باغ تھا لیکن آج اس کا نام و نشان بھی نہیں۔" (مآثر لاہور، مؤلفہ فوقؔ)

بقیہ حاشیہ ———————— صفحہ نمبر ۲۵

حدیث و تفسیر میں امام اور جامع علومِ ظاہری و باطنی تھے۔ واعظانِ اہلِ اسلام میں سے آپ ہی سب سے پہلے لاہور میں تشریف لائے اور آپ کے وعظ و نصائح کی تاثیر سے ہزاروں کفار مشرف باسلام ہوئے۔ یہاں تک کہ جو شخص آپ کی مجلسِ وعظ میں حاضر ہوتا بغیر پڑھے کلمۂ توحید کے واپس نہ جاتا۔"

شاہ حسین زنجانیؒ

یہ حضرت ۴۵۵ھ میں حضرت صدر دیوان صاحبؒ کے ہمراہ لاہور میں وارد ہوئے۔[1] کرامات اِن کی ہزارہا مشہور ہیں۔ ان کی وفات ۴۳۱ھ میں ہوئی۔[2]

"آپ کا مزار موضع چاہ میراں میں واقع ہے اور میراں شاہ کے نام سے مشہور ہے۔ روضہ کے باہر تختی پر "حضرت سید میراں حسین شاہ زنجانیؒ" لکھا ہوا ہے۔ مزار کا گنبد صحنِ مسجد میں ہے۔ ایک گوشہ میں حجرہ چلّہ مبارک حضرت معین الدین چشتیؒ ہے۔"

حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ "قدیمی بزرگوں میں یہ بزرگ صاحبِ ہدایت و ارشاد زہد و تقویٰ و شرافت و نجابت و سیادت تھے۔ ان کا شجرہ حضرت جنید بغدادیؒ کے ساتھ ملتا ہے۔ یہ سید یعقوب زنجانی کے ساتھ لاہور میں آئے اور ہنگامۂ مشیخت گرم کیا۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں گذاری۔ آخر ۴۶۱ھ میں وفات کی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ"

---

[1]: ملاحظہ ہو سید یعقوب زنجانیؒ۔

[2]: سب مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جس دن آپ کی وفات ہوئی اسی دن حضرت علی ہجویریؒ اپنے مرشد کے ارشاد کے مطابق لاہور پہنچے اور آپ کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ سلطان

(باقی صفحہ ۲۸ پر ملاحظہ ہو)

بقیہ حاشیہ ـــــــــــ صفحہ نمبر ۲۷

محمود نے ۳۹۵ھ کے چند سال بعد راجہ لاہور کو شکست دے کر پنجاب کو غزنی کا ایک صوبہ بنا لیا۔ لہذا قیاس یہ ہے کہ سید حسین زنجانی ۳۹۵ھ یا اس کے بعد تشریف لائے اور ۴۳۱ھ میں آپ کا وصال ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سلطان محمود کے فرزند سلطان مسعود کی حکومت اپنے آخری لمحے گذار رہی تھی۔ شاہ حسین زنجانی قریباً ۳۶ - ۳۷ سال لاہور میں رہے اور اس طویل عرصہ میں ہزاروں غیر مسلم ان کے علم توحید کے نیچے آئے اور ہزاروں تشنگانِ حقیقت جامِ توحید سے سرشار ہوئے۔ (مآثرِ لاہور۔ فوق)

فوائد الفواد میں ان کو داتا گنج بخشؒ کا لاہور میں پیش رو پیر بھائی کہا گیا ہے۔ ثمرات القدس تالیفِ لعل بیگ میں اسی کتاب کے حوالے سے یہ روایت نقل ہوئی ہے۔ داتا صاحبؒ اپنے معاصرین میں اس نام کے کسی بزرگ کا ذکر نہیں کرتے۔ آئینِ اکبری نیز بعد کے تذکروں میں خواجہ معین الدین اجمیری سے ان کی ملاقات اور سالِ وفات ۶۰۰ھ یا کچھ بعد تحریر کیا ہے۔

(مآثرِ لاہور تالیف سید ہاشمی فرید آبادی)

سید یعقوب زنجانیؒ

المشہور صدر دیوان صاحب، حال ان کا جناب داراشکوہ کتاب سفینۃ الاولیا میں یوں تحریر کرتے ہیں کہ یہ حضرت مع تین اشخاص کے باہم دیگر مل کر ولایت زنجان سے ملک ہند میں تشریف لائے۔ ایک شیخ المشائخ سید حسین زنجانی جن کا مزار چاہ میراں نواح لاہور میں موجود ہے، دوسرے یہ حضرت سید یعقوب زنجانی المشہور بہ شاہ صدر دیوان زنجانی، تیسرے شیخ المشائخ سید اسحٰق زنجانی اور چوتھے حضرت شیخ علی لاحق جن کا مزار پُرانوار سیالکوٹ میں زیارت گاہِ خلق اللہ ہے اور یہ حضرت کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ اُن کے نام کے ساتھ لاحق کی وجہ تسمیہ اس لیے ہوئی کہ یہ تین صاحب اوّل ولایتِ زنجان سے روانہ ہوئے۔ بعد ازاں یہ حضرت راہ میں آکر ان کے لاحق ہوئے، اس سبب سے ان کا نام علی لاحق مشہور ہو گیا۔[1]

یہ چاروں حضرات ۵۰۰ھ میں واردِ لاہور ہوئے۔ بعد ازاں جناب حضرت خواجہ

---

[1] : تاریخ کی چھان بین کی جائے تو یہ واقعہ سرتا پا غلط نظر آتا ہے اس لیے کہ سیالکوٹ کی تاریخوں میں امام علی الحق کی آمد کا ذکر سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ حکومت (۱۳۵۲ء - ۱۳۸۹ء) سے تعلق رکھتا ہے۔ (مآثر لاہور - نوٹ)

معین الدین سنجری رحؒ لاہور میں تشریف لائے اور جناب پیر علی گنج بخش ہجویری رحؒ کے مزار پہ چلّہ کاٹا اور ان سے ملاقاتیں کیں اور باہم صحبتیں رہیں، پھر وہ یہاں سے متوجہ دار الخیر اجمیر ہوئے[۵]

وفات ان حضرت کی سنہ ۵۷۱ھ میں واقع ہوئی۔ چنانچہ تاریخ وفات یہ ہے۔

قطعۂ تاریخ :

سیّد اشرف ز اولادِ علی، صدر دیوان سیّد یعقوب پیر

گفت ہاتف بود طالب متقّی، جست سرور سالِ وصلش از خرد

عمارت خانقاہ و مسجد حضرت کے خادمین نے بنوائی "مزار پُر انوار شاہ عالمی دروازہ کے باہر لیڈی ایچیسن ہسپتال کے متّصل واقع ہے" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

۵ ؎ حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ سیّد یعقوب زنجانی لاہور کے بزرگوں میں سے جامع علومِ ظاہری و باطنی و مجمع شرافت و نجابت تھے۔ زنجان سے بارادۂ سیر لاہور میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ ہزاروں طالبان ان کی بیعت میں آکر منازلِ قرب تک پہنچے۔ ان کے باپ کا نام سیّد محمود سعدی حسینی زنجانی تھا اور انہیں کے ہاتھ پر ان کی بیعت ہوئی۔ ان کا توسّل سلسلہ شبلویہ کے ساتھ تھا۔ طغرل جو بہرام شاہ غزنوی کی طرف سے لاہور کا حاکم تھا ان کا مرید تھا۔ اس سبب سے ان کو قبولِ عظیم حاصل ہوا۔ وفات سولھویں ماہِ رجب سنہ ۶۰۱ھ میں واقع ہوئی۔

شاہ ابو المعالی قادریؒ

شاہ خیر الدین المتخلص بہ غربتی[۵۱] حضرت شاہ ابو المعالی صاحب سید کرمانی ہیں سان کا حال سید مراد دین شاہ وغیرہ اُن کی اولاد کی زبانی اس طرح ظاہر ہوا کہ حضرت کے والد سید رحمت اللہ بن میر سید فتح اللہ کرمانی تین بھائی تھے۔ ایک سید رحمت اللہ دوسرے شیخ داؤد بندگی جن کا مزار شیر گڑھ میں ہے[۵۲]۔ اور تیسرے سید جلال الدین جن کا مزار کوٹھاں سید جلال علاقہ سندھ میں واقع ہے۔

۵۱: آپ کا اصل نام شاہ خیر الدین محمد اور مشہور شاہ ابو المعالی تھا۔ سلسلہ قادریہ کے نامی بزرگ تھے۔ غربتی اور معالی تخلص تھا۔ فارسی اور عربی میں شعر کہتے تھے۔ صوفیانہ عقائد کی کئی کتابوں کے مصنف اور صاحبِ دیوان تھے۔ رسالہ غوثیہ حضرت غوث الاعظمؒ کی منقبت میں اور تحفہ قادریہ ان کی کرامتوں کے اظہار میں لکھا۔ حلیہ سرورِ دو عالم۔ گلدستہ باغِ ارم۔ مونسِ جاں اور زعفران زار بھی آپ کی یادگار ہیں۔ علاوہ ازیں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک قلمی نسخہ "ہشتِ محفل" نام موجود ہے جس میں آپ کے وہ ملفوظات ہیں جو آپ کے صاحبزادے محمد باقر نے جمع کیے تھے۔ (مآثر لاہور، مؤلفہ ذوقی)

۵۲: حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ یہ بزرگ برادر زادہ حقیقی شیخ داؤد کرمانی شیر گڑھی کے ہیں اور انہیں کے مرید تھے تیس سال تک اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت میں رہ کر تکمیل کو پہنچے اور بعد عطائے خرقہ خلافت (باقی حاشیہ بر صفحہ ۳۲)

ان کا عہد اکبر و جہانگیر و شاہ جہان کا عہد تھا، اور میاں میر صاحب اور یہ حضرت ہم عہد ہوئے ہیں۔ حضرت نے ستر برس کی عمر پائی اور ان کی وفات جہانگیر بادشاہ کے عہد میں وقوع میں آئی۔ اُس وقت اکبر بادشاہ کی وفات کے بعد گیارہ سال گذرے تھے، ان کی صدہا کرامات مشہور ہیں۔ اُن میں سے جو صاحب سفینہ و تذکرۃ العارفین نے درج کتاب کی ہیں، بجنسہ لکھی جاتی ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ ایک روز ملّا نعمت اللہ اور حضرت ملّا شاہ صاحب مُرشد دارا شکوہ حضرت شاہ ابوالمعالی کی خدمت میں تشریف لائے۔ اسی وقت حضرت کا ایک خادم ان کی خدمت میں ایک بہت عمدہ تسبیح لے کر حاضر ہوا اور حضرت کو بطور نذر دی ملّا نعمت اللہ شاہ صاحب کے دل میں خیال گذرا کہ اگر یہ حضرت ولی کامل صاحب کشف ہیں تو یہ تسبیح مجھ کو عطا کریں گے۔ چنانچہ وقتِ رخصت حضرت نے ان کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ یہ تسبیح لے تمہاری نذر ہے، اور اس پر درود شریف پڑھا کرو کہ ثوابِ عظیم پاؤ گے۔

دُوسرے یہ ملّا شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز میرے دل میں خیال گذرا کہ میں حضرت غوث الاعظمؓ صاحب کا دل و جان سے معتقد ہوں، آیا حضرت غوث الاعظمؓ بھی میرے اس اعتقاد سے واقف ہیں یا نہیں۔ اس پر میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بیابانِ لق و دق ہے، اور اس میں میں اکیلا سر برہنہ کھڑا ہوں۔ اتنے میں حضرت غوث الاعظمؓ تشریف لائے اور مجھے ایک دستارِ سفید عنایت فرمائی۔ اور فرمایا کہ اے ملّا شاہ ہم تمہارے حال سے بے خبر نہیں بلکہ تمہاری اس وقت کی برہنگی سے بھی واقف تھے اس لیے ہم نے تم کو دستار عطا کی۔ جب صبح ہوئی اور میں گھر سے نکلا تو حضرت شاہ ابوالمعالی کا خادم میرے پاس آیا اور کہا کہ تم کو حضرت شاہ

بقیہ صہ ۳۱ | لاہور کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں یہ جس جس مقام پر منزل گزیں ہوئے چاہ و باغیچہ تالاب پختہ بنوائے۔

ابو المعالی بلاتے ہیں۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ کو ایک دستار
سفید عطا فرمائی، اور فرمایا کہ یہ وہی دستار ہے جو رات کو غوث الاعظمؒ نے تم کو بخشی تھی۔

دارا شکوہ صاحب سفینۃ الاولیاء نے حضرت شاہ خیر الدین ابو المعالی کی وفات اور
تولید یوں لکھی ہے کہ حضرت بتاریخ دہم ماہ ذی الحجہ بروز عید اضحیٰ روز دوشنبہ ۹۶۰ھ میں
تولد ہوئے اور حضرت کی وفات سولھویں ماہ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو وقوع میں آئی[51] کہ حضرت
کا مادہ تاریخ تولید بزبانی سید مراد دین شاہ کہ ایک شخص حضرت کی اولاد سے ہیں ——
گدا نے شیخ داؤد (۹۶۰ھ) معلوم ہوا۔ اور مفتی غلام سرور نے جو اشعار تاریخ اس کتاب میں اندراج
کے لیے ارسال کیے وہ بجنسہٖ درج کتاب کیے جاتے ہیں،

بوالمعالی خیر دین احمدی — بود ذاتش معدن صدق و یقین
سال تولید و وفاتش چوں زدل — جستم سرور بندہ بس کمترین
گفت نیکو خیر دیں تولید او (۹۶۰ھ) — رحلتش گفتا معالی خیر دیں (۱۰۲۵ھ)

حضرت شاہ ابو المعالی نے اپنا مقبرہ عین حیات ہی میں بنوانا شروع کیا تھا۔ ہنوز
باتمام نہیں پہنچا تھا کہ حضرت فوت ہو گئے، چنانچہ گنبد مقبرہ حضرت کی وفات کے بعد تعمیر
ہوا۔ گنبد کی وضع ہشت پہلو روضۂ جناب پیر دستگیر قدس سرہ العزیز کے ہم شکل ہے۔ مقبرہ
کے اندر چبوترہ پہ چار قبریں پختہ موجود ہیں، ایک تو حضرت شاہ ابو المعالی مرحوم کی، دوسری
حضرت شاہ محمد باقر صاحبزادۂ کلاں[52] کی، تیسری قبر حضرت شاہ محمد رضا خلف شاہ محمد فاضل آپ کے

---

۵۱ : حدیقۃ الاولیاء مفتی غلام سرور لاہوری میں سال وفات ۱۰۲۴ھ دیا ہے۔

۵۲ : شاہ محمد باقر ہی نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے مقبرے کی تکمیل کی اور آپ کے مزار کا گنبد
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے روضۂ مبارک کی طرز پر تعمیر کرایا۔ (مآثر لاہور۔ ذوقی)

پوتے کی، اور چوتھی قبر حضرت شاہ محمد فاضل کی۔ اس سے علیحدہ ایک چار دیواری ہے جس میں حضرت کے عزیزوں کی قبریں ہیں۔

مقبرہ کے غرب رویہ ایک عالیشان مسجد ہے۔ پہلے وہ حضرت نے خود بنوائی تھی۔ پھر سکھوں کے زمانہ میں غوثی خان توپ خانہ والے نے دوبارہ تعمیر کرائی۔

اس مقبرہ میں ہمیشہ سے کبوتر رہتے ہیں چنانچہ اب بھی ہزارہا کبوتر موجود ہیں کہتے ہیں کہ اوّل یہاں شاہ محمد درویش مرقع پوش نے جو حضرت کے ایک صاحبزادے تھے اور جن کا مزار شیر گڑھ میں ہے کبوتر رکھتے تھے۔

* مقبرہ مبارک شہر لاہور میں شاہ ابوالمعالی روڈ پر واقع ہے" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

سید میراں بادشاہ[1]

ساکنانِ لاہور اگرچہ اس مزارِ پُر انوار کا بجان ادب و آداب کرتے ہیں اور کرامات و خوارقِ عادات تاحال جاری ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کا مفصل حال چنداں کسی کو معلوم نہیں[2] کمترین کو ان کے حالات کے دریافت کی طرف بدرجۂ کمال خیال تھا۔ مشفقی مفتی غلام سرور صاحب مؤلف خزینۃ الاصفیاء کی مہربانی سے یہ آرزو پوری ہوئی۔ انہوں نے بنابرِ تمام ان کا حال رسالہ تحفۃ الواصلین سے اس طرح ارقام فرمایا ہے کہ ان کا وطن اصلی شہر گازرون تھا جو فارس میں واقع ہے۔ اور بیعت عبدالمغیث گازرونی جیلانی کی خدمت میں کی تھی۔ بعد خرقۂ خلافت حضرت کو لاہور روانہ ہونے کا حکم ہوا[2]۔ جب اپنے پیر کے حسب الحکم یہاں وارد ہوئے تو لاہور کے محلہ رتہ[3] میں سکونت اختیار کی۔ چونکہ یہ ایک عالم فاضل اور شیخ کامل تھے اکثر اشخاص فیضانِ ظاہری و باطنی سے مستفید ہونے لگے۔

آپ کی وفات سنہ [illegible]ھ میں واقع ہوئی۔ چنانچہ مفتی صاحب نے آپ کا مادہ تاریخ

---

[1] : آپ کا اصل نام سید ابو اسحٰق بن شہریار ہے۔ (سفینۃ الاولیاء)

[2] : مفتی غلام سرور صاحب حدیقۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ "اصل ان کی شہر گازرون سے تھی اور شیخ اوحدالدین اصفہانی کے مرید تھے۔ وہاں سے بطریق سیر و سیاحت ہند میں آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ سید محمد لطیف کی ہسٹری آف لاہور (انگریزی) میں ہے کہ آپ لاہور میں تغلق بادشاہوں کے زمانے میں آئے۔ (تاریخ لاہور۔ فوقی)

[3] : اب اس کا نام چوک مہاں نواب وزیر خاں ہے۔ (فوقی)

وفات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نکالا ہے۔ آپ کی وصیت کے مطابق مزار آپ کا خام بنایا گیا۔ چند سے بعد آپ کے مزار پرانوار پر ایک ایسا تھا لچہ خود بخود نمودار ہوا کہ اس نے خام مزار کو اپنی بیل سے ڈھانپ لیا۔ پھر اس سے ایسا فیضانِ عام جاری ہوا کہ ہر مریض کو اس کے کھانے سے شفا ہو جاتی تھی۔ اس وجہ سے نام نامی آپ کا پیر سبز مشہور ہو گیا۔

عملداری لودھیاں میں ایک شخص مسمّی نادر خاں امیرالامراء نے حضرت کے مزار کے متصل اپنی حویلی تعمیر کرائی۔ اگرچہ اس نے مزار حضرت کو اپنی حویلی میں لے لیا مگر پھر بھی اس کے گرد ایک حجرہ خشتی بنوا دیا۔ اس وقت ہوا نہ لگنے کے باعث وہ تھا لچہ خشک ہو گیا۔

وہ حویلی تاشروع عمارت مسجد وزیر خاں موجود تھی۔ نواب وزیر خاں ناظم لاہور نے اس حویلی کو خرید کر مسجد ہٰذا میں داخل کیا اور حضرت کا مزار زمین دوز بعمارت موجودہ تعمیر کرایا[1]۔

مفتی صاحب موصوف نے آپ کا یہ مادہ تاریخ اپنی کتاب میں درج فرمایا ہے تاریخِ وفات سیّد ابواسحاق میراں بادشاہ لاہوری۔

سیّدِ اسحاق ولی بادشاہ	گشت چو زیں دہر بجنّت مقیم
سالِ وفاتش عجب آمد ز دل	بِسمِ اللہ الرّحمٰن الرّحیم

---

[1]: آپ کا مزار مسجد نواب وزیر خاں کے صحن کے اندر ایک تہ خانے میں ہے۔ سیّد سیار صوف جو آپ کے ایک ہم عصر بزرگ تھے ان کا مزار چوک مسجد وزیر خاں میں مسجد وزیر خاں کے صدر دروازے کے بالکل سامنے ہے۔ ان کا سالِ وفات بھی ۸۷۶ھ ہے۔ ایک اور بزرگ سیّد بلند یا سر بلند جن کی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ سیّد میراں بادشاہ کے بھائی تھے ان کا مزار مسجد وزیر خاں سے باہر سفید دروازہ کے متصل ایک کٹڑہ جو اب طویلہ سکھاں کے نام سے مشہور ہے اس کے اندر ہے۔ (مؤلف)

شیخ محمد اسمٰعیل لاہوری المشہور میاں وڈا

یہ حضرت حافظ محمد اسمٰعیل صاحب بڑے ولی کامل صاحبِ تاثیر مشہور ہیں، خاندان ان کا سہروردیہ، وطنِ قدیمی موضع ڈرکراں علاقہ پوٹھوہار، اور قوم کے کھوکھر زمیندار ہیں، والد کا نام فتح اللہ بن عبداللہ خاں بن سرفراز خاں جس کا بھائی شہ نواز خاں بڑا معزز منصب دار تھا۔ میاں وڈا صاحب کے آباؤ اجداد موضع ڈرکراں میں زراعت کا کام کیا کرتے تھے۔ مگر ان کے والد میاں فتح اللہ صاحبِ علم ظاہری و باطنی ہو گذرے ہیں اور ان کا مزار موضع جبہ میں برلبِ دریائے چناب زیارت گاہِ خلق اللہ ہے۔

میاں وڈا صاحب ۹۹۵ھ میں تولد ہوئے[1]، بعدازاں ان کے والدین موضع ڈرکراں میں نقل مکان کر کے بمقام موضع لنگر مخدوم عبدالکریم صاحب (جو لبِ دریائے چناب موجود ہے) آ رہے۔ جب میاں وڈا صاحب پانچ سال کے ہوئے تو حسبِ رسمِ شرعی ان کو تحصیلِ علمی کی

---

[1] : تاریخِ ولادت میاں صاحب نعتفہ مفتی غلام سرور جو انہوں نے حسبِ تحقیقات فقیر موزوں فرمائی یہ ہے۔ قطعۂ تاریخ

جناب شیخ اسمٰعیل مقبول — ولی حق قبول لایزالی

چو جستم سالِ تولیدش ندا شد — خلیل اللہ اسمٰعیل والی

غرض سے حضرت مخدوم عبدالکریم (جو عارفِ کامل اور متشرّع فاضل تھے) کے سپرد کیا۔ جب وہ بالغ ہوئے اور شوقِ علمی زیادہ ہوا تو انہوں نے اپنے اُستاد کی ازحد خدمت کی اور اُستاد کی طرف سے ان کے لیے آسیاسائی یعنی چکّی پیسنے کی خدمت مقرر ہوئی، ایک روز کا ذکر ہے کہ بوقتِ معمول اُستاد کے پاس آٹا نہ پہنچا۔ اُنھوں نے ایک طالب علم کو ان کے پاس بھیجا کہ آٹے کی دیررسی کی وجہ معلوم کرے۔ جب وہ درویش میاں وڈا صاحب کے قیامِ مسکونہ میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ میاں وڈا صاحب قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہیں اور چکّی قدرتِ الٰہی سے بلا امدادِ غیری بنمونہ قدرتِ لایزالی ہے کہ خود بخود چل رہی ہے۔ اس درویش نے یہ واقعۂ نادرہ دیکھ کر حضرت مخدوم عبدالکریم صاحب کو اطلاع پہنچائی، وہ خود وہاں تشریف لائے اور دیکھ کر متعجب ہوئے۔ اور میاں وڈا صاحب کو فرمانے لگے کہ آج سے خدمتِ آسیاسائی جو تمہارے سپرد تھی موقوف کی گئی کیونکہ تم کو تکلیف دینے سے تکلیفِ عالم الغیب متصور ہے۔ اس روز سے ان کے لیے یہ خدمت مقرر ہوئی کہ تمام روز تحصیلِ علوم میں مشغول رہا کرو اور فقط دو وقت ہمارے مویشیوں کا دودھ دوہ کر ہمارے یہاں پہنچایا کرو، وہ چند سے اس خدمت کو بھی بجا لاتے رہے۔ بعدازاں مخدوم صاحبؒ کے ہمسایوں نے ان حضرت کو امین و صالح و ہردلعزیز تصوّر کر کے استدعا کی کہ ہمارے یہاں کا دودھ بھی تم ہی دوہ لایا کرو۔ وہ ان کا دودھ بھی دوہ لایا کرتے۔ اُن کی عادت تھی کہ تمام ظروفِ شیر کو ایک مجمع میں رکھ کر سر پہ اُٹھا لایا کرتے تھے۔

ایک روز ایسا معاملہ ہوا کہ مخدوم صاحب اپنے کوٹھے پر بیٹھے ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ ظروفِ شیر کا مجمع میاں وڈا صاحب کے سر پہ سے قدرے بلند اٹھا ہوا چلا آتا ہے۔ اس سے ان کو یقین ہوا کہ وہ ولیِ کامل ہو گئے ہیں، اُسی وقت ان کو باعزاز تمام بلا کر فرمایا

کہ آپ ولی کامل ہو گئے ہیں۔ اور یہاں رشتۂ شاگردی و اُستادی میں آپ کے حال تکلیف عاید ہوتی ہے، مناسب ہے کہ تم یہاں سے تشریف لے جاؤ۔ انہوں نے ہر چند حاضر باشی کی استدعا کی مگر اُنہوں نے قبول نہ فرمایا، انہوں نے مقام و طرفِ روانگی پوچھی تو آپ نے اشارہ لبِ دریائے چناب فرمایا۔ چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہو کر بر لبِ دریائے چناب جہاں ایک شیشم کا درخت سایہ فگن تھا آ کر بیٹھ گئے۔ دو تین روز کے بعد چند طالب علم ان کے پاس آ کر شاگرد ہو گئے۔ بعد ازاں تھوڑے عرصے میں ان کے پاس ایک سو چالیس طالب علم جمع ہو گئے۔ زاں بعد قدرتِ الٰہی سے وہاں قحط پڑ گیا حتیٰ کہ آپ کے شاگرد بھی گرسنگی سے تکلیف پانے لگے۔ ایک روز کوئی ضعیفہ ایک روٹی پکا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت نے اس سے روٹی لے کر اس طالب علم کو جو آپ کے نزدیک بیٹھا ہوا تھا عنایت کی اور اس نے دوسرے کو دی، القصہ اثنا تسلسل واقع ہوا کہ وہ روٹی پھر حضرت کے پاس آ پہنچی، آپ محبتِ باہم دیگر کا یہ حال دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اگر تم میں یہ محبت پیدا ہو گئی ہے تو تم بیشک علائقِ جسمانی سے آزاد ہو گئے ہو۔ اب اگر تم چاہو تو بطورِ طیور اُڑ سکتے ہو، اس حالت میں آپ کو حالت ہو گئی اور حالت حالت میں بول اُٹھے کہ تم سب کے سب اُڑ جاؤ۔ یہ سنتے ہی وہ تمام اُڑ گئے اور اپنے اپنے مقاماتِ متوطنہ میں پہنچ کر عارف کامل ہو گئے۔ بوقتِ ظہر آپ نے ایک طالبعلم کو کہ جس کا نام محمد فاضل تھا عصا سے تبارک مار کر کہا کہ تُو تو ہمارے پاس رہ، وُہ گر پڑا مگر ضربِ عصا کے صدمہ سے لنگڑا ہو گیا۔ واضح ہو کہ پنجابی زبان میں لنگڑے کو "لنگا" کہتے ہیں اسی وجہ سے اب جو موضع وہاں درختِ شیشم کے مقام پر آباد ہے اس کا نام موضع لنگے مشہور ہے۔ اب تک وہاں تدریس ہوتی ہے اور وہیں محمد فاضل لنگے کی قبر زیارت گاہِ خلائق ہے۔

اس کے بعد میاں وڈا صاحب کو مخدوم صاحب سے ارشادِ باطنی ہوا کہ لاہور چلے جاؤ، آپ نے تینتالیس برس کی عمر میں یہاں پہنچ کر بمقام نبل پورہ[1] (جو ایک محلہ بوقتِ آبادی شہر آباد تھا) آکر ایک غیر آباد مسجد میں قیام کیا۔ اب وہیں آپ کی قبر ہے۔ چندے بعد حضرت کا دل اُداس ہوا اور آپ نے ارادہ کیا کہ یہاں سے چلے جائیں، اس وقت ایک سید بزرگ محمود صاحب (جن کا مقبرہ غربِ رویہ درس میاں وڈا صاحب موجود ہے) اس محلہ میں سکونت پذیر تھے، اُنہوں نے آپ کا ارادہ دریافت کر کے فرمایا کہ آپ کو لازم ہے کہ آپ ایک چلّہ یعنی چالیس روز حضرت پیر علی گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُر انوار پر معتکف رہیں۔ اس سے آپ کو تسکینِ کلّی عطا ہو گی، آپ نے ویسا ہی کیا، پھر تو صفائی کلّی حاصل ہو گئی اور چند روز میں طالب علموں کا مجمعِ کثیر آپ کی خدمت میں جمع ہو گیا اور فتوحات بدرجۂ کمال ہو گئیں حتّٰی کہ اس مسجد میں طالب علم نہ سما سکے، آپ اس مسجد سے اُٹھ کر اس مسجد میں جو اب بھی غرب رویہ خانقاہ موجود ہے، آکر سکونت پذیر ہوئے۔ اتفاقاً اس مسجد میں اس وقت ایک جوگی فقیر رہتا تھا، حضرت نے اس کو کہا کہ یہ عبادت خانہ اہلِ اسلام ہے، تُو یہاں سے چلا جا۔ اُس نے انکار کیا۔ جب تین دفعہ اس نے انکار کیا تو آپ نے چوتھی دفعہ نہایت خفگی سے کہا کہ تجھ کو یہاں سے ضرور جانا ہو گا۔ اُس نے کہا کہ اگر میں یہاں سے چلا جاؤں گا تو یقین ہے کہ یہ مسجد بھی میرے ہمراہ چلے گی، آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر تیرے ساتھ جاتی ہے تو لے جا۔ اُس نے اپنا بستر کندھے پر رکھ کر مسجد کو کہا کہ اے مسجد میرے ساتھ چل، بمجرد کہنے کے وہ مسجد اپنی جگہ سے چل پڑی۔ آپ نے غصہ میں آکر دیوارِ مسجد کو ایک عصا مار کر فرمایا، کہ اے مسجد

---

[1] محلہ نبل پورہ زمانہ قدیم میں اسی جگہ آباد تھا جہاں اب آپ کا مزار ہے (مآثر لاہور از فوق)

تجھ میں تا قیامت تا درس و عبادتِ حق ہوتی رہے گی تو اس کے ساتھ نہ جا۔ وہ مسجد ٹھہر گئی۔ الغرض جوگی چلا گیا اور آپ نے وہاں درس پڑھانا شروع کیا۔ جب عالمگیر نے تختِ شاہی پر قدم رکھا تو اس نے ان کی مددِ معاش کے لیے خانقاہ کے گرد و نواح میں سات چاہانِ مزروعہ معاف و عطا کیے۔ کہتے ہیں کہ غربی حصہ سے جنوب روبہ دیوارِ مسجد قدرے پھٹ گئی تھی چنانچہ بعہدِ شاہجہانی پھر اس کی مرمت ہوئی۔

میاں وڈا صاحب علمِ فقہ میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے، مگر تعجب یہ ہے کہ انھوں نے سوائے قرآن شریف اور کتاب فرائضِ بابو کے اور کوئی کتاب نہ پڑھی ہوئی تھی[۱] - ان کا فیضان بہت جاری تھا یعنی جو کوئی قرآن شریف پڑھنے کا خواہش مند آپ کی خدمت میں حاضر ہوا بسرعتِ تمام قرآن پڑھ کر فیض یاب ہو گیا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک شخص میاں وڈا صاحب کے پاس آ کر کہنے لگا کہ یا حضرت میری جورو حافظِ قرآن ہے اور میں بالکل ناخواندہ ہوں اور وہ مجھ کو قربت سے مانع ہو کر کہتی ہے کہ جب تک تو قرآن خوان نہیں ہو گا میں تیرے ہم بستر نہ ہوں گی۔ آپ مہربانی کیجیے اور ایک روز میں مجھے قرآن مجید پڑھا دیجیے۔ آپ نے کہا کہ اُمّی شخص کو قرآن کا ایک روز میں پڑھانا ممکن نہیں البتہ ہم چھ مہینے کے عرصہ میں پڑھا سکتے ہیں۔ اس نے نہایت آزردہ ہو کر مکرر عرض کی تو فرمایا کہ اچھا آج کی رات تو یہاں رہ اور صبح کو جب ہم نماز سے فارغ ہوں گے تو ہمارے داہنے ہاتھ کی طرف بیٹھنا، جب ہم سلام پھیریں گے تو تجھ پر نظرِ عنایت کریں گے انشاء اللہ تو حافظِ قرآن ہو جائے گا، دوسرے روز بعد سلام آپ کی نظرِ عنایت اوّل بطرفِ راست جس طرف وہ سائل حاضر تھا پڑی اور بعد ازاں بطرفِ چپ پس

---

[۱] کتاب فرائض بابو بزبان پنجابی فقہ کی مشہور کتاب ہے جس کو اب بھی اکثر مستورات پڑھتی ہیں۔ (رنجیت)

جس قدر نمازی لوگ بطرفِ راست تھے وہ سب حافظِ قرآن اور جو بطرفِ چپ تھے وہ سب ناظرہ خوان ہو گئے۔ یہ کرامت دیکھ کر تمام خلقت معتقد ہو گئی۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ ہماری قبر سے بھی یہ فیض جاری رہے گا۔ چنانچہ اب تک جس کسی کا ذہن کند ہوتا ہے تو وہ جا کر ان کی قبر کی گھاس کھاتا ہے اس کو قرآن شریف جلدی آجاتا ہے۔

حضرت حامد قادری صاحب[۱] اپنے اُستاد حافظ تیمور کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ جب حضرت میاں وڈا صاحب بحالتِ خورد سالی اُستاد کے پاس پڑھنے بیٹھے تو اتفاقاً کوئی لفظ قرآن میں ایسا آیا کہ اُستاد اس لفظ کو مفتوح یعنی زبر کے ساتھ پڑھنے کو کہتا تھا اور وہ مکسور یعنی زیر کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اس معاملہ میں اُستاد شاگرد کے مابین تکرار واقع ہُوا۔ زاں بعد اُستاد نے حسبِ عادت قیلولہ کیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ آیا اور اُستاد و شاگرد دونوں کو لوحِ محفوظ پر لے گیا اور وہاں جا کر وہ لفظ کہ جس پر تکرار تھا اُستاد کو دکھایا۔ جب اُستاد نے وہ لفظ دیکھا تو نادم ہُوا کہ حضرت میاں وڈا صاحب حق پر ہیں۔ جب اُٹھا تو حضرت کو بہت پیار کیا اور آپ کے والدین کو بُلا کر کہا کہ تمہارا یہ لڑکا صاحبِ کمال اور ولی کامل ہے مجھ کو طاقت نہیں کہ اس کو پڑھاؤں بلکہ ہم کو لازم ہے کہ اس سے استفادہ کریں۔ تم اس کو کسی اُستادِ کامل کے پاس لے جاؤ پھر ان کو تمام حالِ گزشتہ کہہ سُنایا۔

بعدہٗ حضرت کے والد نے ان کو حضرت عبدالکریم صاحب کی خدمت میں حاضر کیا۔ وہاں ان کا یہ معمول تھا کہ ایک شخص میاں نور محمد صاحب[۲] سے کہ وہ حضرت کے دودھ بھائی نیز پیر بھائی اور اُستاد بھائی بھی تھے، باہم مل کر حضرت اُستاد صاحب کی گائیں چراتے تھے،

۱؎ : ان کا مفصل حال علیٰحدہ تحریر ہے۔ (مؤلف)

۲؎ : ان کی قبر حضرت کے مزار کے شرق رویہ ہے (چشتی)

اور اُستاد کا معمول تھا کہ ایک چوبدستی پر چند آیات قرآن شریف تحریر کر کے فرمایا کرتے کہ جاؤ گائیں بھی چراؤ اور سبق بھی یاد کرو، غرض وہ اسی طرح سبق یاد کراتے تھے اور طعام کے بجائے ان دونوں کو او گرای جواری ملتا تھا اور وہ ایسا پتلا ہوتا تھا کہ بغیر جرعہ نوشی کے کھایا نہ جاتا تھا۔

بعد چندے جب وہ دونوں حضرات اُستاد سے رخصت ہو کر موضع لنگے میں پہنچے تو وہاں ایک مسجد تھی جس کا شہتیر شکستہ و بوسیدہ تھا۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ اس میں نیا شہتیر ڈالیں اس نیت سے انہوں نے ایک بڑا شہتیر طلب کیا، جب اس کو اُٹھانے لگے تو بہت لوگ جمع ہو گئے مگر وہ نہ اُٹھ سکا۔ تب حضرت نے کہا تم سب لوگ ہٹ جاؤ میں اکیلا اُٹھاؤں گا۔ یہ کہہ کر حضرت اُٹھے اور اپنا عصا اُس شہتیر پر مارا۔ وہ عصا اُس شہتیر میں گھس گیا۔ چنانچہ اب تک ضربِ عصا کا وہ سوراخ موجود ہے، اور وہ شہتیر خود بخود چھت پر چڑھ گیا۔

یہ بھی مشہور ہے کہ میاں صاحبؒ کے پاس سے تین سو ساٹھ طالب علم حافظ ہو کر اس طرح اپنے اپنے ملکوں میں پہنچ گئے کہ بمجرد رخصت اُن کو پَر لگ گئے اور وہ اُڑ کر اپنے اپنے وطن میں پہنچ گئے۔

میاں وڈا صاحب کے ایک حقیقی بھائی محمد خلیل[۱] تھے۔ وہ حضرت سے رخصت لے کر حج کو گئے۔ جب حضرت میاں صاحب کو خبر ملی کہ وہ بمقام ملتان جا پہنچے ہیں تو حضرت نے جنابِ الٰہی میں عرض کی کہ یا الٰہی محمد خلیل صاحبِ استغراق ہے تو اُس کو میرے ساتھ پہنچا دے۔

---

[۱]: میاں وڈا صاحب چار حقیقی بھائی تھے، ایک محمد اسمٰعیل المشہور میاں وڈا، دوسرے محمد خلیل تیسرے محمد ابراہیم (ان کی قبر محمد خلیل کی قبر کے پاس ہے) اور چوتھے حضرت محمد حسین (ان کی قبر کسی کو معلوم نہیں مگر گورستان بی بی صاحباں میں ہے) یہ چاروں بھائی تارک الدنیا تھے حتیٰ کہ تمام عمر مجرد رہے۔ چشتی

اس سے اُن کو بمقام ملتان ایسی کشش ہوئی کہ صبح اُٹھ کر لاہور روانہ ہونے لگے اور مسجد مسکونہ کو حالتِ استغراق میں کہنے لگے کہ اے مسجد ہمارے ساتھ چل۔ قدرتِ الٰہی سے وہ مسجد ان کے ساتھ روانہ ہوئی۔ جب ملتانیوں کو خبر ہوئی تو تمام شہر میں غلغلہ پڑ گیا کہ ایک لاہوری درویش مسجد کو اپنے ساتھ لیے جاتا ہے۔ یہ سُن کر اکثر زاہدانِ ملتان نے آکر بزورِ کرامت مسجد کو روکنا چاہا مگر وُہ نہ رُکی۔ اس پر ان میں سے ایک شخص نے جو بڑا صاحبِ کمال تھا مراقبہ کر کے دیکھا تو معلوم ہو گیا کہ یہ محمد اسمٰعیل کا حقیقی بھائی ہے جو لاہور کے محلہ گنج پورہ میں رہتے ہیں۔ ناچار اس نے بزورِ باطن میاں وڈا صاحبؒ کی خدمت میں عرض کی اور مسجد کو وہاں رکھا۔ ان کی قبر موضع چھنی واچک ضلع سیالکوٹ میں موجود ہے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ نماز میں کھڑے ہوئے تھے، ہاتف مانع ہوا کہ ادب کر۔ حضرت نادم ہو کر رونے لگے اور پھر توبہ کر کے مستعد ادائے نماز ہوئے۔ ہاتف پھر مانع ہوا کہ اے محمد اسمٰعیل تیری پشت کی طرف قرآن شریف کی ایک رحل ہے اس کو سنبھال۔ یہ سُن کر حضرت نے درویشوں کو کہا کہ تلاش کرو۔ ایک درویش نے عرض کی کہ یا مولا توت کے اس درخت میں جو مسجد کے اندر کھڑا ہے فلاں درویش نے رحل رکھی تھی۔ آپ نے کہا کہ اس کو اُٹھا لاؤ۔ اس کے بعد آپ نے نماز ادا کی۔ اب توت کے بجائے اس مسجد میں وَن کا درخت کھڑا ہے۔" آپ کی خانقاہ شالامار باغ سے جنوب کی طرف شالامار لنک روڈ پر واقع ہے۔ اور "دربار میاں وڈا" کے نام سے مشہور ہے۔ خانقاہ کے بیرونی دروازے پر ایک کتبے پر لکھا ہے "بتاریخ ۱۰۴۸ھ حافظ محمد اسمٰعیل عرف وڈے میاں صاحب یہاں سکونت پذیر ہوئے۔ درس دینیات قرآن مجید و لنگر جاری کیا۔" ایک احاطہ میں چبوترہ پر چار غیر مسقّف خام قبریں ہیں، حضرت میاں وڈا صاحب کی قبر پر سبز گھاس اُگی ہوئی ہے" باقی تین مشہور قبریں اور

صاحبان کی ہیں جو انہی کے خادم تھے، ایک حضرت جان محمد صاحب کی ۔ دوسری حضرت نور محمد صاحب کی اور تیسری میاں حافظ محمد صالح کی ۔

حضرت میاں وڈا صاحب پانچویں شوال ۱۱۸۰ھ کو راہگرائے عالم بقا ہو گئے چنانچہ یہ تاریخ وفات خانقاہ کے جنوبی دروازے پر رنگ کاشی تحریر ہے ۔ قطعہ تاریخ

شنو تاریخ آں دریائے معنی — کہ عمرش گشتہ در عشقِ خدا صرف
دل و جان کرد قربانِ الٰہی — کہ "اسمٰعیلؑ ثانی بود بے حرف"

اِن کے بعد حضرت کے سجادہ نشین حضرت محمد صالح ہوئے وہ بھی بدستورِ قدیم تدریس فرماتے رہے ۔

محمد صالح :

ان کی قبر میاں وڈا صاحب کے تھڑے پر ہے ۔ ان کی بابت میاں احمد الدین سجادہ نشین یوں بیان کرتا ہے کہ یہ محمد صالح صاحب میاں شاہ نواز خاں برادر میاں سرافراز خاں جدِ کلاں میاں وڈا صاحب کی اولاد سے ہیں اور نیز کہتا ہے کہ حضرت کے آباؤاجداد ان غا کر کے مشہور تھے ۔ جب محمد صالح نے اپنے وطن میں میاں وڈا صاحب کا چرچا سنا تو وہاں سے تحصیلِ علمی کے لیے یہاں لاہور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ جس روز کہ محمد صالح نے یہاں داخل ہونا تھا اس روز میاں وڈا صاحب مسجد سے بار بار اٹھ کر باہر آتے تھے ۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ یا حضرت آج اس تردد اور بے کلی کا کیا باعث ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ آج ہمارا مالکِ ورثہ یہاں آئے گا ۔ چنانچہ ایک ساعت کے بعد محمد صالح آ پہنچے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل میں مصروف رہے اور تھوڑے

عرصہ میں بڑے صاحبِ کمال اور قابل ہو گئے۔ حضرت میاں وڈا صاحب نے ان کی شادی بھی یہاں کرائی، اس سے اولاد نہ ہوئی، پھر دوسری شادی کرائی مگر بیوی بقضائے الٰہی مر گئی۔ جب میاں وڈا صاحب نے تیسری شادی کا تردد کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں غریب درویش مفلس ہوں اور آپ میری شادی صرف اولاد کے لیے کراتے ہیں، اگر اولاد ہوئی تو اوقات گذاری کہاں سے کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ تم ہماری قبر پر بیٹھے رہنا رزق کی کچھ پروا نہ رہے گی بلکہ تمہاری اولاد سے بھی جو کوئی سجادہ نشین ہو گا خوش و خرم رہے گا اور یہ ان کی کرامت ہے کہ یہاں کے سجادہ نشین ہمیشہ مرفہ الحال ہیں۔

حضرت جان محمدؒ لاہوری:

یہ حضرت مقام پرویز آباد[۱] میں تھے جو متصل مدرسہ خواجہ سعید منڈی شاہزادہ پرویز میں ہے اور میاں عبدالحمید کی خدمت میں پڑھا کرتے تھے۔ میاں عبدالحمید، میاں وڈا صاحب کے جو اس وقت گنج والے مشہور تھے اور اس شہرت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ محلہ گنج پورہ ملحقہ محلہ نیل پورہ تھا) مرید و خادم تھے، اور اکثر افادہ تحصیل علم باطنی کے لیے آیا کرتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ میاں عبدالحمید صاحب اپنے شاگرد میاں جان محمد کو اپنے ساتھ حضرت میاں وڈا صاحب کی خدمت میں لے آئے۔ جب حضرت کے پاس پہنچے تو آپ نے جان محمد کو فرمایا کہ اے لڑکے اگر اللہ تعالیٰ تجھے عالم و فاضل کرے تو تو ہم کو بھی علم پڑھائے گا۔ وہ ادب کے باعث خاموش رہا۔ میاں عبدالحمید صاحب نے اس کو کہا کہ اے لڑکے تو آپ کی خدمت میں عرض کر کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو صاحبِ علم کرے گا تو میں آپ کو ضرور پڑھایا کروں گا۔ اس کے

---

۱ : محلہ پرویز آباد بیرون لاہور کی آبادی کا ایک مشہور محلہ تھا۔ (مآثر لاہور۔ فوق)

بعد حضرت میاں وڈا صاحب نے ان کے سر پر مہربانی سے ہاتھ پھیرا۔ اس دن سے ان کو ترقی علم ہونے لگی۔ بعد ازاں جب میاں عبدالحمید نے دیکھا کہ یہ لڑکا قابل ہو چلا ہے تو اس کو اپنے اُستاد میاں تیمور کے پاس لے جاکر سپرد کیا۔ قدرت الٰہی سے وہ چند عرصہ میں فاضل کامل ہو گئے اور علم فقہ و حدیث میں یدِ طولیٰ حاصل کیا حتیٰ کہ میاں تیمور صاحب نے اِن کو اپنا قائم مقام کر کے عہدۂ تدریس عنایت کیا۔ اُنہوں نے یہ عہدہ اس شرط پر قبول کیا کہ بوقتِ تدریس آپ میرے پاس بیٹھا کریں تاکہ اگر کوئی عقدہ درپیش ہو تو عرض کر کے حل کر لیا کروں۔ انہوں نے یہ امر قبول کیا۔

ایک شب کا ذکر ہے کہ میاں وڈا صاحب بمقام گنج پورہ یادِ الٰہی میں مصروف تھے کہ یکایک ان کے دل میں خطرہ ہوا کہ میاں جان محمد نے ہم سے اقرار کیا تھا کہ اگر خدا اس کو علم عطا کرے گا تو وہ ہم کو عنایت کرے گا، اب خدا نے اس کو صاحبِ علم کیا مگر اس نے اپنا وعدہ فراموش کر دیا ہے۔ اس وقت میاں جان محمد صاحب بمقام پرویز آباد یادِ الٰہی میں مصروف تھے کہ ان کو الہام ہوا کہ میاں صاحب کو تمہاری کشش ہے۔ وہ وہاں سے اُٹھ کر اُن کی خدمت میں بمقام گنج پورہ حاضر ہوئے اور دروازہ کے باہر کھڑے ہو کر عرض کی کہ یا حضرت بندہ حاضر ہے۔ میاں صاحب نے اُٹھ کر دروازہ کھول[1] دیا۔ جب میاں جان محمد صاحب اندر آئے تو آپ نے اُن سے معانقہ کیا۔ اس معانقہ سے ان کو بہت فیض حاصل ہوا۔ بعد ازاں آپ نے ان سے کہا کہ وہ اقرار پورا کرو۔ میاں جان محمد نے عرض کی کہ یا حضرت بندہ حاضر ہے۔ آپ ہفتہ میں دو دن مقرر فرمائیے کہ ہم کو پڑھا جایا کرو۔ ہم علم حدیث پڑھا کریں گے۔ پھر آپ نے آنکھیں بند کر لیں۔ میاں جان محمد صاحب اپنے تذکرے

---

[1] وہ حجرہ جس میں اس وقت میاں صاحب بیٹھے ہوئے تھے اب تک متصل مسجد موجود ہے۔ (چشتی)

میں لکھتے ہیں کہ بعض لاینحل عقدے جو مجھ کو حضرت استادی میاں تیمور صاحب سے حل نہیں ہوئے تھے آنحضرت کی برکتِ صحبت سے خود بخود حل ہو جاتے تھے۔ غرض اس صحبت سے ان کو صفائی کلّی حاصل ہو گئی۔

متفق اللفظ مشہور ہے کہ ان ایّام میں پرویز آباد اور گنج پورہ کے مابین ایک فقیر رہا کرتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ جب کوئی صاحبِ کمال فقیر ادھر سے آیا جایا کرتا تو وہ باآوازِ بلند کہا کرتا تھا کہ اللہ غنی، جب وہ فقیر اُس کی طرف دیکھتا تو وہ آنکھ ملاتے ہی اس کی برکت کھینچ لیتا تھا۔ ایک روز میاں جان محمد صاحب سے بھی یہی معاملہ درپیش آیا۔ وہ خالی ہو کر میاں وڈا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُنھوں نے یہ حال دیکھ کر براہِ مہربانی اُن کو اپنے ہمراہ لیا اور اس فقیر کرامت کش کی خدمت میں تشریف لا کر اس کو کہا کہ بھائی بیگانی دولت پر فخر کرنا درویش کو لازم نہیں ہوتا اس بیچارے کا سرمایۂ حیات یعنی برکتِ اندوختہ واپس دے دو۔ اس نے ان کے بپاسِ خاطر کرامتِ مغصوبہ واپس دے کر کہا کہ اچھا یہ اپنی دولت بے شک لے جا مگر ہمارا اثر بھی تجھ پر جاری رہے گا۔ ایک تو تیری اولاد نہ ہوگی اور دوسرے تیری قبر ایک جگہ سے اُکھڑ کر دوسری جگہ بنے گی۔ چنانچہ آخر کار ایسا ہی ہوا۔ یعنی جب ۱۱۲۰ھ میں وہ فوت ہوئے تو منڈوی پرویز آباد میں مدفون ہوئے۔ چند سے بعد نمبردارِ موضع کو خواب میں دوستانہ فرمایا کہ اے مقدم نمبردار ہمارا صندوق یہاں سے نکال کر خانقاہ میاں وڈا صاحبؒ کے متصل دفن کر، اگر اس میں فرق کرے گا تو شہر پر بلائے عظیم پڑے گی۔ چونکہ لوگ ان کو بزرگ جانتے تھے اس لحاظ سے دوسرے روز نمبردار نے ان کا صندوق وہاں سے نکال کر حضرت میاں وڈا صاحبؒ کی قبر کے متصل بطرفِ غرب دفن کیا مگر ان کی قبر کو بلحاظِ ادب ذرا اچھا دیا گیا۔ دوسرے روز رات گذرنے کے بعد وہ قبر میاں وڈا صاحب کی قبر کے برابر ہو گئی۔

اس سے تمام لوگوں کو یقین ہوا کہ ان کا رتبہ جنابِ الٰہی میں میاں وڈا صاحبؒ کے رتبہ کے برابر ہے ۔

میاں جان محمد صاحب کی تاریخِ وفات جو چار دیواری خانقاہ ہذا کی مشرقی دیوار پر تحریر ہے، یہ ہے :

قطعہ

جہانِ معنی و جانِ محمد،
کہ از عشقِ محمد گشتہ محمود؛
خرد از فضلِ حق تاریخ سالش
وصالِ عاشق و معشوق فرمود،

۱۱۲۰ ھ

شیخ طاہر بندگی ؒ

کتاب تذکرہ مجددیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ طاہرؒ حضرت شیخ احمد سرہندی کابلی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، اور اوّل شیخ احمد سرہندی کے ہر دو صاحبزادگان شیخ محمد معصوم اور شیخ احمد سعید کو تعلیم فرماتے تھے[1]

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے تمام مریدوں کو فرمایا کہ آج ہم کو الہام غیب سے معلوم ہوا ہے کہ ہماری مجلس کے حاضرین میں سے ایک شخص مردِ مسلمان شقی ہو جائے گا۔ یہ ذکر سُن کر حضرت کے تمام مریدانِ باِعتماد دم بخود رہ گئے۔ اور ہر ایک کو یہی غم ہوا کہ شاید وہ شخص میں نہ ہوں، ہر ایک اس اندیشہ و غم میں حیران و پریشان تھا۔ حتیٰ کہ سب نے آپ کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کی کہ یا مولانا و لیا! وہ شخص کون مردود الحق ہوگا کہ ایمان چھوڑ کر کفر اختیار کرے گا۔ اس شخص کا نام فرمائیے اور یا ہم سب کے سر سے غم اور فکر اٹھائیے کہ ہم سب کے سب اس اندیشہ جانکاہ سے مغموم ہیں۔ تب حضرت مجدد صاحبؒ نے حضرت شیخ طاہر کا نام لے دیا۔ حتیٰ کہ عرصئہ قلیلہ کے بعد یہ حضرت بمقام سرہند ایک کھتر انی ماہ پیشانی پر عاشقِ شیدا ہو گئے اور عشق یہاں تک پہنچا کہ حضرت نے زنّار پہنا اور قشقہ کھینچ کر بُت خانہ میں جا بیٹھے اور

---

[1]: مآثر لاہور مؤلفہ فوقؔ میں ہے کہ شیخ محمد طاہر ۹۶۴ھ میں بعہد اکبر بادشاہ پیدا ہوئے۔

کہتے تھے کہ : شعر

کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

اور باعث اس کا یہ تھا کہ وہ کھتزانی ماہ پیشانی بُت خانے میں ماتھا ٹیکنے کو جایا کرتی تھی جب حضرت کو دیدارِ دلدار کا کوئی وسیلہ بہم نہ پہنچا تو اپنی صورت بدل کر اور ہندو ہو کر بُت خانے میں مقیم ہوئے۔ جب یہ خبر مجدد صاحب کے صاحبزادگان کو جو اُن کے شاگرد تھے پہنچی تو انہوں نے بہت غم کھایا اور کہتے تھے کہ افسوس ہمارا اُستاد کافر ہو گیا۔ آخر کار بصد عجز و نیاز اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر استمداد چاہی اور عرض کی کہ ہمارا استاد برباد ہو گیا ہے برائے خدا امداد فرمایئے اور بیچارہ سرگشتہ کو بجائے خود لایئے کیونکہ ہماری گردن پر ان کا حقِ اُستادی ہے، چنانچہ حضرت مجدد نے ان کے حق میں دُعا کی، دُعا مستجاب ہوئی۔ شیخ طاہر اپنے ہوش میں آئے اور حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے اور مرید ہو کر بہرطول پایا، یہاں تک کہ ولی کامل مکمل ہو گئے۔ اور ان کو پیش گاہِ حضرت مجدد سے لاہور کی قطبیت عطا ہوئی۔

جب لاہور میں آئے تو ہزارہا لوگ ان کے خادم ہوئے اور ان کی بدرجۂ غایت مشہوری ہوئی، اور دستور ان کا یہ تھا کہ یہ حضرت کسی شخص سے کچھ نقد و جنس بطورِ نذرانہ قبول نہ کرتے تھے، اور ہمیشہ کتبِ احادیث و تفسیر بدستِ خود تحریر کر کے بعد تصحیح فروخت کرتے اور جو آمدنی اس محنتِ شاقہ سے حاصل ہوتی تھی اس سے اپنی اوقات بسری فرماتے تھے[۵]

---

[۵] : رُوحانیت کے مدارجِ اعلیٰ پر پہنچ کر حضرت مجدد سے جو آپ کی عقیدت تھی اس میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ چنانچہ صاحبِ تذکرہ آدمیہ (شیخ آدم بنوری) آپ کا ایک خط نقل کرتے ہیں جو آپ نے لاہور آ کر ان کی خدمت میں لکھا تھا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ جب میں سرہند سے لاہور آیا تو اپنے آپ سے (باقی حاشیہ بر صفحہ ۵۲)

ان کی وفات بروز پنج شنبہ ہشتم ماہِ محرم سنہ ۱۰۴۰ھ کو وقوع میں آئی اور بمقام میانی مدفون ہوئے۔[۵۱] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

مفتی غلام سرور نے ان حضرت کے دو قطعۂ تاریخ اس کتاب میں درج کرنے کے لیے بھیجے، سو ان کی بجنسہ نقل کی جاتی ہے۔ قطعہ

شہِ شیخ طاہر سراپا ظہور ۔۔۔ کہ در شہر لاہور مسکلش کم است

خرد بعد ترحیل آں شاہِ دیں ۔۔۔ بگفتا کہ سالِ وفاتش غم است (۱۰۴۰)

چنانچہ بحساب ابجد لفظ "غم" سے ایک ہزار چالیس برآمد ہوتے ہیں[۵۲]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱) کہ تا خفا ے نادان منقصود را در سرِ ہند گذاشتہ کجا می روی، اما از غیب ندا شد کہ راہی شو و توقف مکن اخر کشاں کشاں در لاہور آمدہ و بگوشۂ مسجد سے حیران و پریشان نشستم۔ (مآثر لاہور، فوق)

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ آپ کا احاطۂ مزار قبرستان میانی میں اس راستے پر واقع ہے جو بہاول پور روڈ میں سے نکل کر گل بیگم کے باغ کی طرف جاتا ہے (مؤلف)

۵۲ ۔ مشہور ہے کہ آپ کے مزار پُر انوار کے ارد گرد جس قدر قبور ہوں گی ان سب پر رحمتِ الٰہی نازل ہوگی یہ بات بھی ابتدا سے مشہور چلی آتی ہے کہ چبوترہ مزار جس پر حضرت کی قبر ہے تابشِ آفتاب سے سردی تو سردی گرمی کے موسم میں بھی گرم نہیں ہوتا، دھوپ کیسی ہی شدت کی کیوں نہ ہو یہ چبوترہ ہمیشہ سرد رہتا ہے۔ (یادِ رفتگاں) آپ کا مزار سب سے پہلے شیخ ابو محمد یہاں کے رئیس (حافظ جان محمد کے بعد ان کے فرزند ابو محمد قادری رئیس میانی قرار پائے تھے)۔ اور آپ کے مرید (وفات ۱۰۵۰ھ) نے تعمیر کرایا۔ آپ کی چار دیواری کے اندر اور باہر بہت سی قبریں ہیں۔ آپ کی دو بیبیاں تھیں لیکن اولاد کسی سے نہیں ہوئی، دونوں کی قبریں موجود ہیں۔ البتہ آپ کی معنوی اولاد میں ہزارہا لوگ ہیں جن میں پانچ بڑے نامور خلفاء گذرے ہیں۔ ان بزرگوں میں سب سے پہلے ابو محمد قادری لاہوری کا نام آتا ہے جن کا مزار آپ کی چار دیواری کے گوشۂ جنوبی میں ایک چبوترہ پر ہے۔ (باقی صفحہ ۵۳ پر)

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۲

دُوسرے سیّد صُوفی (مزار دہلی) تیسرے آدم بنوری جو حضرت مجدد کے علاوہ آپ سے بھی فیض یافتہ ہیں (مزار مدینہ) چوتھے شیخ لکھن مست یا کھلن مست جن کی قبر موری دروازہ کے باہر میونسپل باغ کے اندر ہے۔ یہ قبر نواب غلام محبوب سبحانی رئیس لاہور نے تیار کرائی تھی اور پانچویں شیخ ابوالقاسم (مدفن جارہ، مآثر لاہور۔ فوق)

۵۳: حدیقتہ الاولیاء میں لکھا ہے کہ "شیخ محمد طاہر لاہوری قادری نقشبندی مُرید و خلیفہ شاہ اسکندر بن کمال کیتھلی جامع عبادات و ریاضات و علوم دینی و دنیوی و ارشادات صوری و معنوی و خوارق و کرامت و جذبات و الہامات تھے پہلے انہوں نے اپنے مُرشد ارشاد شاہ اسکندر کیتھلی کی خدمت میں تکمیل پائی پھر بخدمت امام ربانی مجدد الف ثانی پیر احمد فاروقی سرہندی حاضر ہو کر فوائد عظیمہ حاصل کیے اور ان کے ارشاد سے لاہور میں آکر بہ ہدایت خلق مصروف ہوئے۔ ہزاروں لوگ ان کے ارشاد کی برکت سے مراتب عالیہ پر پہنچے۔ یہ حضرت تمام عمر کسی دولت مند کے پاس نہ گئے اور نہ ان کو اپنے دربار میں بار دیا۔ حضرت کتب احادیث و تفسیر کی کتابت کرتے اور ہدیہ کر کے گذارہ اوقات کرتے اور رات بھر خدام کی تلقین اور عبادتِ الٰہی میں گذارتے۔ یہ بزرگ سلسلۂ قادریہ میں اپنے عہد کے قطبِ وقت تھے۔ کوئی سائل دین و دُنیا کا جو اُن کے دروازے پر آیا خالی نہ گیا۔ سید آدم بنوری مجددی نقشبندی نے جب ان کی بزرگی کا شہرہ سُنا تو پا پیادہ بنور سے لاہور آیا اور فیض یاب ہوا۔ ان کی وفات بروز پنج شنبہ وقت چاشت آٹھویں ماہ محرم ۱۰۴۰ھ میں ہوئی اور عمر چھپن برس کی پائی۔ حضرت فرماتے تھے کہ میری وفات کے بعد جو شخص میرے احاطۂ مزار میں مدفون ہوگا۔ میں نے خدا سے مانگا ہے کہ وہ جنتی ہو"

شیخ موسیٰ آہن گرؒ

کتاب تذکرہ قطب العالم میں تحریر ہے کہ یہ حضرت موسیٰ آہن گری کا کام کرتے تھے۔ اُن کی یہ کرامت زبان زدِ خاص و عام ہے کہ ایک روز یہ حضرت اپنی دُکان پر آہنگری کا کام کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک خوبصورت کھتّرانی عورت تکلا سیدھا کرانے کے لیے آئی اور حضرت کے ہاتھ میں تکلا دیا۔ انہوں نے تکلا تو آگ میں رکھ دیا اور خود اس عورت کے حسن میں محو ہوئے اور بچشمِ دل اس کی طرف دیکھنے لگے۔ جب اسی حالت میں ایک ساعت گزر گئی تو اس عورت نے کہا کہ حضرت جی! میں تکلا سیدھا کرانے آئی ہوں اور تم مجھے دیکھتے ہو۔ انہوں نے فرمایا میں تجھے تو نہیں دیکھتا، تیرے صانع کو دیکھتا ہوں کہ جس نے تجھ کو ایسا خوب صورت پیدا کیا، اور اگر تجھے اس بات پر یقین نہیں تو میری طرف دیکھ۔ یہ کہہ کر تکلا آگ سے نکالا اور آنکھوں میں پھیر لیا اور کہا کہ اگر میں نے اس عورت کو بنظرِ بد دیکھا ہے تو میری آنکھیں جل جائیں۔ الغرض ان کی آنکھوں کو تکلیف نہ ہوئی اور تکلا جو لوہے کا تھا سونے کا ہو گیا۔ یہ کرامت دیکھ کر تمام خلقت حضرت کی آرزومند ہوئی اور وہ کھتّرانی بھی اسی صدقِ دل سے مشرف با سلام ہوئی۔

بروایت شیخ ابابکر مصنف کتاب تذکرہ قطب العالم حضرت کے پیر شیخ عبد الجلیل المشہور بہ شیخ چوہڑ تھے اور ان کا سلسلہ سہروردیہ ہے۔ پہلے یہ حضرت شیخ شہر اللہ ملتانی نبیرہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے خادم تھے اور ملتان میں رہتے تھے۔ جب شیخ شہر اللہ فوت ہونے لگے تو انہوں نے عرض کی کہ یا مولا آپ اب دُنیائے فانی سے عالمِ بریں کو سدھارتے ہو اور بندہ ہنوز علم باطنی میں تکمیل تک نہیں پہنچا۔ مجھ کو کیا ارشاد ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ تو حضرت قطب العالم شیخ چوہڑ کی خدمت میں لاہور

جا۔ جب جائے گا تو ان سے تکمیلِ باطنی پائے گا۔ چنانچہ شیخ موسیٰ اپنے پیر کی وفات کے بعد لاہور کو روانہ ہوئے اور شیخ چوہڑ کی خانقاہ کے باہر آ کر بیٹھے۔ اتنے میں حضرت شیخ چوہڑ نے اپنے خادموں کو فرمایا کہ آج ملتان سے ابو موسیٰ آہنگر ہمارے بھائی شہر اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہے اور خانقاہ کے باہر بیٹھا ہے، اُس کو بلا لاؤ کہ میں اُس کے آنے کا منتظر تھا، وہ آئے اور اپنا حلقہ لے جائے، پس شیخ چوہڑ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور مدت تک ان کی صحبت میں رہ کر تکمیل کو پہنچے[۵۱]۔
ان حضرت کی وفات ۹۲۵ھ میں واقع ہوئی[۵۲]۔ اور یہ قطعہ تاریخ حضرت مرحوم کی وفات کا مشعر ہے۔ قطعہ

شیخ موسیٰ ہر کہ روئے او بدید ‏ شاہ گفت و سرور و سردار گفت
عقل سالِ نقلِ آں والا جناب ‏ اہلِ دیں موسیٰ شہِ ابرار گفت

حضرت کا مقبرہ قلعہ گوجر سنگھ میں ہے[۵۳]۔ شیخ چوہڑ نے اپنی زمین مملوکہ سے دو بیگھہ زمین شیخ موسیٰ کو عطا فرمائی اس میں ان کا روضہ ہے[۵۴]۔ اول وہ کان حضرت کی یہاں تھی۔ مقبرہ اکبر بادشاہ کی والدہ نے بنوایا تھا۔ چار دیواری میں ایک چھوٹا سا مقبرہ سادہ شکستہ سا ہے یہ اسی عورت کا ہے جو نکالا سید صاحب لائے تھی۔ کمترین نے اس مقام کا حال بچشم خود دیکھ کر لکھا ہے اور مردمانِ مسن و واقف کار سے واضح ہوا کہ سابق میں بعہدِ سلطنت لودیاں اس مقام کا نام کوٹ کروڑی تھا اور سلطان سکندر لودھی کے امراء حضرت موسیٰ کے طالب و ارادت مند تھے۔

۵۱؎ حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ یہ بزرگ شیخ عبد الجلیل چوہڑ بندگیؒ کے خلیفوں میں سے بڑے عابد و زاہد صاحبِ عشق و محبت و جذب و سکر و خوارق و کرامت تھے۔

۵۲؎: آئینِ اکبری اور طبقاتِ اکبری میں آپ کی تاریخِ وفات دورِ اکبری کے ابتدائی زمانے میں بیان کی گئی ہے۔
(مقالہ پروفیسر شجاع الدین صاحب)

۵۳؎: آپ کا مزار قلعہ گوجر سنگھ کے قریب میکلوڈ روڈ پر چراغ سٹریٹ میں واقع ہے (مؤلف)

۵۴؎: اب احاطہ مزار صرف دو کنال میں ہے۔ (تاریخ جلیلہ از غلام دستگیر نامی)

شاہ عبدالجلیل چوہڑ بندگیؒ

سلطان سکندر لودھی کے عہد میں جب ان حضرت کی کرامات کا شہرہ ہوا تو سلطان نے اپنی لڑکی کی شادی حضرت سے کر دی۔ اُس سے ایک بیٹا ابوالفتح پیدا ہوا۔ جب وہ بی بی فوت ہو گئی تو آپ نے دوسری شادی بجلی خاں افغان کی دختر سے کی۔ اس سے بھی حضرت کو اولاد ہوئی اور یہ لوگ اب تک پیر کہلاتے ہیں۔

کتاب تذکرہ قطب العالم میں تحریر ہے کہ جب شاہزادی دختر سلطان سکندر لودھی جو حضرت شیخ کی اہلیہ تھی بقضائے الٰہی مر گئی تو اسی سال آپ نے اپنی نسبت بجلی خاں افغان کی دختر سے کر دی اور شادی کے لیے مستعد ہوئے۔ جب یہ خبر سید خاں لودھی، ناظم پنجاب کو جو سلطان کی طرف سے اِس مُلک کا فرمانفرما تھا پہنچی تو اس کو یہ حال ناگوار گذرا اور حضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ابھی شاہزادی کو فوت ہوئے ایک سال بھی نہیں گذرا کہ آپ نے اور جگہ شادی کی تجویز کر لی ہے، آپ کو مناسب تھا کہ بادشاہ سے اجازت لے کر دوسری شادی کی تجویز کرتے، اب آپ کی یہ سزا ہے کہ آپ لاہور سے چلے جائیں، اور لاہور میں آپ کے جس قدر املاک ہیں وہ سب شیخ ابوالفتح کی ملک ہیں جو شاہزادی کے بطن سے ہے۔ حضرت نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور کہا کہ سید خاں کو کہہ دو کہ تیرے اور ہمارے درمیان پندرہ دن کی مہلت ہے، اگر پندرہ دن کے اندر پیران کبار نے تجھ کو شہر لاہور سے نکال دیں تو فبہا ورنہ ہم کو نکال دینا۔ جب اس بات کو تیرہ روز گذرے تو اس کی تبدیلی کے لیے دہلی سے فرمانِ شاہی

نافذ ہُوا، اور وہ لاہور سے بدل گیا۔

حضرت شیخ چوہڑ کی وفات بتاریخ غرہ ماہ رجب ۹۱۰ھ سنہ نو سو دس میں آئی[1] کہ صاحب تذکرہ قطب العالم نے لفظ شیخ سے ان کی تاریخ وفات نکالی ہے۔ اور مفتی غلام سرور نے کتاب تذکرۃ العارفین میں یہ قطعہ درج کیا ہے۔ قطعہ:

شہ عبد الجلیل آں قطب عالم	برُوئے او کشودہ از فضل حق باب
جنابش افضل دُنیا و دیں بود	تو سال رحلتش را "فضل" دریاب
دِگر از دل بسرور سال نقلش	ندا آمد کہ "مہتاب جہاں تاب"

ان کا مقبرہ حضرت شیخ موسیٰ آہنگر کے مقبرہ کے شمال روبرو واقع ہے۔ مزار کے چاروں طرف چار دیواری اور چار دیواری کے اندر ایک تہ خانہ تین درجہ کا شاہان لودھی کے زمانہ کا بنا ہُوا ہے اس چار دیواری کے احاطہ میں غرب رویہ ایک پُرانی مسجد ہے جو خود شیخ چوہڑ صاحب نے بنوائی تھی[2]۔

---

[1]: شیخ ابا بکر صاحب تذکرہ قطبیہ نے حضرت کے احوال میں ایک بڑی کتاب لکھی ہے جس میں ہزاروں خوارق و کرامت کا تذکرہ تحریر میں آیا ہے۔ حضرت کا واقعہ وفات اس طرح لکھا ہے کہ بتاریخ غرہ رجب ۹۱۰ھ میں حضرت مجلس میں رونق افروز ہوئے اور سب خلفائے کرام حضور میں حاضر ہوئے، ناگاہ آپ کی حالت بدل گئی اور سر سجادے میں رکھ کر جان عزیز جان آفرین کے سپرد کی۔ غسل کے وقت سلطان سکندر لودھی بادشاہ حاضر ہُوا۔ غسل کے بعد حضرت کی زبان سے تین مرتبہ اسم ذات نکلا اور سب نے سُنا لوگوں نے جانا کہ حضرت ابھی زندہ ہیں اس واسطے جنازہ اُٹھانے میں تامل ہُوا مگر بعد ایک ساعت کے سب کو یقین ہو گیا کہ حضرت فوت ہو چکے ہیں تو جنازہ اُٹھا کر خانقاہ کے اندر لاہور میں دفن کیا (حدیقۃ الاولیاء)

[2]: تذکرۃ العلماء والمشائخ مرتبہ منشی محمد الدین فوق میں ہے کہ حضرت عبد الجلیل (باقی صفحہ ۵۸ پر ملاحظہ ہو)

بقیہ حاشیہ ——————— صفحہ ۵۷

چوہڑ بندگی سلطان التارکین حضرت حمید الدین حاکمؒ کے خاندان سے ہیں جنہوں نے کیچ مکران کی حکومت ترک کر کے فقر اختیار کیا تھا۔ چنانچہ سلطان التارکین فرماتے ہیں ؎

ملکِ عالم بہ پشت پا زدہ ایم ۔۔۔ تو چہ دانی پاک باز اینم

ہست پرواز ما ز عرش رفیع ۔۔۔ اللہ اللہ چہ شاہ باز اینم

حضرت عبدالجلیل مو مبارک (بہاول پور) سے بعہدِ سلطان بہلول لودھی لاہور میں آئے۔ اشاعتِ علمِ دین میں آپ نے بڑا حصہ لیا۔ سلہریہ، بھٹی، گکھڑ، چوہان، راجپوت اقوام آپ کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئیں۔ تذکرہ قطبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ کے قیام کے دنوں میں وہاں کے ہزارہا اشخاص آپ کے درسِ حدیث و قرآن کے علمی نکات سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اِسی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک شاگرد آپ سے فوائد الفواد کا سبق پڑھ رہا تھا کہ شیخ بہاؤ الدین زکریا وغیرہ بزرگانِ دین کا ذکر آ گیا، شاگرد نے بحسرت و افسوس کہا کہ وہ زمانہ کیا ہی اچھا تھا کہ ایسے ایسے بزرگ ایک ہی وقت میں موجود تھے۔ اب آپ کی ذات کے سوا کون نظر آتا ہے۔ فرمایا دوست کا کارخانہ سدا معمور ہے، پہچاننے والے مفقود ہیں، اور پھر یہ شعر پڑھا۔ ؎

یوسفے ہمراہ خود دارند و واپس می برند ۔۔۔ یک زلیخا ہمتے گویا دریں بازار نیست

آپ کے علم و فضل اور آپ کی شرافت و بزرگی کو دیکھ کر سلطان بہلول لودھی نے اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دی جس سے آپ کی اولاد میں پیر غلام دستگیر نامی مرحوم تھے۔ حضرت چوہڑ بندگیؒ کا مزار قلعہ گوجر سنگھ کے پاس میکلوڈ روڈ پر آپ کے خلیفہ شیخ موسیٰ آہنگر کے سبز گنبد والے روضہ کے شمال کی طرف خانقاہ کے تہ خانہ میں زیارت گاہ خلائق ہے خانقاہ کی عمارت بہت شکستہ تھی مگر ناتی مرحوم کی سعی سے چار دیواری وغیرہ کی از سرِ نو تعمیر ہوئی ہے۔"

"حضرت کا مزار میکلوڈ روڈ پر شیخ موسیٰ آہنگر کے روضہ کے قریب متصل ریلوے پولیس لائن واقع ہے۔"

(مؤلف)

حضرت میاں میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

جناب میاں میر صاحب قدس سرہٗ خاندانِ قادریہ عالیہ میں شیخ خضر سیوستانی[51] کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ قبلہ گاہِ حضرت کا نام قاضی سائیں دتّا اور والدہ کا نام فاطمہ بنتِ قاضی قادن تھا۔[52]

دارا شکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ جناب میاں میر بالا پیر بزبانِ گوہر فشاں خود فرماتے تھے کہ پہلے ہمارے یہاں میری والدہ کے بطن سے میرا ایک بڑا بھائی متولد ہوا۔ تو والدہ صاحبہ نے از روئے کرامت معلوم کیا کہ اس لڑکے میں استعدادِ عرفان نہیں اور یہ ولی صاحب کمال نہ ہوگا۔ ازاں بعد انہوں نے ایک روز نمازِ تہجد ادا کر کے جنابِ الٰہی میں آرزو کی کہ یا اللہ میں ایک ایسا فرزند چاہتی ہوں کہ عارف باخدا اور ایسا متعبّد ہو کہ رات دن تیری یاد میں رہے۔ اُس وقت ہاتفِ غیب سے آواز آئی کہ خاطر جمع رکھ جنابِ الٰہی تجھے ایک ایسا لڑکا اور ایک ایسی لڑکی عطا کریں گے کہ جیسا تیرا دل چاہتا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اس کے بعد حضرت میاں میر صاحب تولّد ہوئے اور یہ دوسرے فرزند ہیں، اور حضرت میاں میر صاحب چار بھائی تھے اور دو بہنیں۔ ان کے چاروں بھائیوں کے یہ نام ہیں، قاضی بولن، قاضی عثمان، قاضی طاہر، قاضی میاں میر۔ یہ تینوں بھائی حضرت میاں میر کے مرید ہوئے، اور حضرت کی ہمشیرہ جس

۵۱: شیخ خضر سیوستانی قادری کوہِ سیوستان میں سکونت رکھتے تھے۔ وفات ۹۹۴ھ (تحفۃ الابرار)

۵۲: آپ کے دادا کا نام قاضی قلندر فاروقی تھا جو بقولِ بعض اٹھائیسویں پشت میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے ملتے تھے (مآثر - لاہور - نقوش)

کے پیدا ہونے کی بشارت ہاتف سے ہوئی تھی، اُس کا نام بی بی جمال خاتون تھا اور اس کے بیٹے کا نام محمد شریف۔ یہ بی بی اور حضرت میاں میر توام پیدا ہوئے تھے اور یہ بی بی بڑی صاحبِ کمال تھیں اور حضرت کی دوسری ہمشیرہ کا نام حضرت بی بی جمالی بادی تھا۔

حضرت میاں میر کا اصل نام شیخ محمد اور لقب میاں میر ہے۔ آپ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں، اور ایسے قابل فقیہ تھے کہ کوئی ہم عصر عالم آپ کی برابری نہیں کرسکتا تھا۔ آپ بڑے کاملِ اکمل مشہور ہیں[۱]۔ ان کا تولد شہر سیوستان (جو ٹھٹھہ اور بھکر کے درمیان واقع ہے) میں بسال ۹۵۷ھ ہوا۔ اوّل حضرت میاں میر صاحب نے طریقہ قادریہ کی تلقینِ عرفان اپنی والدہ ماجدہ سے پائی اور تھوڑے سے عرصہ میں بدرجۂ عالمِ ملکوتی داخل ہوئے۔ زاں بعد والدہ کی اجازت سے پیر کی تلاش میں کوہستان سیوستان میں پھرنے لگے چنانچہ ایک روز پہاڑ میں پھرتے ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ جنگل میں ایک گرم تنور ہے اور اس کا منہ پتھر سے بند کیا ہوا ہے۔ چونکہ وہاں کوئی آدمی نہ تھا حضرت نے جانا کہ بیشک یہ مکان کسی ولی کے رہنے کا ہے چنانچہ تین شبانہ روز وہاں انتظار میں حاضر رہے۔ تین روز کے بعد شیخ خضر سیستانی آئے اور حضرت میاں میر صاحب اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ بیعت سے سرفراز ہوئے۔ وضع لباس شیخ خضر سیستانی کی یہ تھی کہ کمر سے زانو تک ایک زنار باندھتے تھے اور تمام بدن برہنہ رہتا تھا اور موسم گرما میں اس گرم تنور میں بیٹھ کر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ بغرض چند سال

---

[۱] سفینۃ الاولیاء میں دارا شکوہ لکھتا ہے کہ "حضرت میاں میر زمانہ کے قطب اور پیشوا، امام طریقت واقفِ اسرارِ حقیقت، علومِ ظاہری و باطنی میں یکتائے روزگار اور عارفِ کامل گزرے ہیں، ظاہری اور باطنی حقیقت اور قابلیت میں اتنا بلند مقام تھا کہ بڑے سے بڑے فاضل شخص کو بھی ان کے سامنے مجالِ سخن نہ ہوتی تھی۔"

حضرت میاں میر اُن کی خدمت میں رہ کر تکمیلِ ولایت کو پہنچے - پھر لاتعداد فوائد حاصل کرنے کے بعد حسبِ اجازت پیر روشن ضمیر لاہور روانہ ہوئے[۵]

مشہور ہے کہ حضرت میاں میر صاحب کبھی حضرت غوث الاعظم کا نام مبارک بے وضو زبان پر نہیں لاتے تھے، حضرت کا مقولہ ہے کہ "صوفی آں بود کہ نبود" حضرت بڑے متشرع تھے اور بہت مُرید اور خادم نہیں بناتے تھے اور جس کو مُرید بناتے اس کو کامل کر دیتے تھے، آپ اپنے مُریدوں کو مُرید کہہ کر یاد نہیں کرتے تھے بلکہ متابعت حضرت شاہِ رسالت صلعم "دوست اور یار" فرمایا کرتے تھے، اور حضرت یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے:

بیت

شرطِ اوّل در طریقِ عاشقی دانی کہ چیست   ترک کردن ہر دو عالم را و پُشتِ پا زدن

حضرت کا معمول تھا کہ علی الصبح خادمین کے ہمراہ جنگل یا کسی باغ میں تشریف لے جاتے اور وہاں علٰحدہ بیٹھ کر متوجہ بیادِ الٰہی ہوتے تھے اور نماز کے وقت نماز باجماعت باہم ادا کرتے -

دارا شکوہ سکینۃ الاولیاء میں تحریر کرتا ہے کہ حضرت کا خادم میاں نتھا بیان کرتا تھا کہ حضرت رات کو لبِ بام استراحت فرمایا کرتے تھے اور میں رات کو حضرت کے بستر پر آفتابہ اور بادکش رکھ کر علٰحدہ جا کر سو رہتا تھا، ایک روز رات کو حسبِ عادت حضرت نے ارشاد کیا کہ آفتابہ اور پنکھا ہمارے پاس رکھ کر چلا جا، چنانچہ میں نے پنکھا تو رکھ دیا اور آفتابہ آب رکھنا بھول گیا - بوقتِ نیم شب مجھ کو خیال آیا کہ میں پنکھا تو رکھ آیا ہوں لیکن پانی رکھنا بھول گیا ہوں، الغرض اسی وقت پانی لے کر اُوپر گیا تو عجب قدرت الٰہی نظر آئی کہ حلقہ بیرونی در حجرہ بند ہے - اور آپ بستر پر تشریف نہیں رکھتے ہیں - بہت حیران ہوا اور ہر ایک مکان خانقاہ میں حضرت کی تلاش کی - جب اندھیرے میں تسلّی

---

[۵] حضرت میاں میر صاحب ۲۵ سال کی عمر میں لاہور تشریف لائے اور تادم وصال یہیں رہے - (یادِ رفتگاں)

نہ ہوئی تو چراغ روشن کر کے جا بجا ڈھونڈا۔ آپ کہیں نظر نہ آئے، ناچار اپنی جگہ پر آ کر لیٹ رہا۔ مارے فکر کے نیند نہ آئی تھی اور خیال تھا کہ دیکھوں حضرت کس طرف سے تشریف لاتے ہیں۔ علی الصبح حضرت نے اوپر ہی سے جہاں آپ کا بستر تھا آواز دے کر فرمایا کہ وضو کے واسطے پانی لاؤ۔ میں پانی لے کر اوپر گیا اور حال شب بہ پوچھا۔ حضرت نے انکار فرمایا اور کہا کہ ہم یہ حال ظاہر نہیں کر سکتے۔ جب میں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ یہ ایک راز ہے جو ہم تجھ سے کہتے ہیں، مگر خبردار کسی سے نہ کہنا۔ اور وہ راز یہ ہے کہ ہم رات کو ہر شب غار حرا میں جا کر عبادت کیا کرتے ہیں اور وہ مکہ شریف میں ہے کہ جہاں قبل از نزول وحی حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم معتکف ہو کر عبادت کیا کرتے تھے، اور اس غار کی یہ بزرگی اور تاثیر ہے کہ اور جگہ کی عبادت یک سالہ اور وہاں کی عبادت یک ساعت کا رتبہ برابر ہے۔

حضرت میاں میر کا طریقہ اوقات بسری یہ تھا کہ تمام رات شب بیدار رہتے تھے اور حبس نفس یہاں تک حاصل کیا کہ اکثر ایک دم یا دو دم میں تمام رات گزارتے تھے۔ جب آپ کی عمر اسی برس کی ہوئی اور ضعف غالب آیا تو چار دموں میں رات بسر فرماتے تھے۔ اس امر کی تصدیق ان کے نامور مرید حضرت ملا شاہ بھی فرماتے ہیں۔ ان حضرت کی کرامتیں لاتعداد و لاتحصیٰ ہیں مگر کچھ بطور اختصار تحریر کرتا ہوں۔

ایک روز حضرت کے حقیقی بھائی وطن سے آئے اور اس روز ان کے یہاں کچھ طعام نہ تھا اور نہ کچھ نقد موجود تھا۔ آپ نے ان کو تو اپنے مقام پر بٹھلایا اور خود باغیچہ میں تشریف لے گئے اور متوجہ بحق ہوئے اور جناب کبریا میں عرض کی کہ اے حلال مہمات! تجھ قادر لایزال پر میرا حال بخوبی روشن ہے کہ مجھ غریب فقیر کے پاس کچھ موجود نہیں کہ مہمان داری برادران میں صرف کروں، اور مہمان آ گئے ہیں، میری شرم تجھ مالک کے ہاتھ میں ہے، یا معز میری عزت

رکھ۔ اس اثنا میں حضرت کا ایک خادم آیا اور عرض کی کہ باہر ایک شخص طعام لے کر آیا ہے اور آپ کو طلب کرتا ہے۔ آپ سنتے ہی شکرِ حق ادا کرتے ہوئے گھر تک پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ناشناس شخص ایک خوانِ الوانِ نعمائے الٰہی لے کر منتظر ہے۔ اس نے خوان آگے دھرا اور کہا کہ یہ کھانا آپ کے حسبِ درخواست جنابِ واہبِ بے منت نے آپ کے مہمان کے لیے عطا فرمایا ہے اور کچھ زرِ نقد بھی میرے پاس ہے جو مطلوب ہو تو موجود ہے۔ آپ نے بعد شکر خوانِ طعام لے لیا اور فرمایا کہ یہی کافی ہے، نقد مجھے درکار نہیں، واپس لے جائیے۔ چنانچہ وہ چلا گیا، اور آپ نے وہ طعام سب اشخاص حاضرین کو کھلایا اور خود بھی تناول فرمایا۔

دوسری کرامت دارا شکوہ بادشاہ چشم دید تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت میاں میر باغ میں متوجہ بیادِ الٰہی تھے کہ ایک قمری کسی درخت پر بیٹھی ہوئی کو کو کر رہی تھی۔ اتنے میں ایک صیاد آیا اور اس کے مارنے پر آمادہ ہو کر غلیل سے غلیلہ چلایا۔ غلیلہ لگتے ہی وہ قمری مر کر نیچے آ پڑی۔ صیاد نے جب دیکھا کہ قمری مر گئی — اور ذبح کرنے کے لائق نہیں رہی تو پھینک کر راہی رستہ ہوا۔ حضرت نے مجھ کو حکم دیا کہ اس فاختہ جان باختہ کو اٹھا لاؤ۔ میں نے اٹھا کر حاضر کیا تو آپ نے ازروئے رحم اس پر دستِ مبارک پھیرا۔ وہ فی الحال زندہ ہو کر اڑ گئی اور پھر بدستور نغمہ کوکو ہوئی۔ وہ صیاد ناشاد کہ ہنوز باغ میں تھا اس کی مکرر آواز سن کر لوٹ آیا اور پھر اس کے مارنے کا قصد کیا۔ حتیٰ کہ آپ نے اس کو منع فرمایا کہ اس فاختہ سے ہاتھ اٹھا اور اس کے قتل سے باز آ۔ اس نے قبول نہ کیا اور چاہتا تھا کہ ہاتھ اٹھا کر غلیل چلانے کہ یکایک اس کے بازو میں درد اٹھا، اور غلیل زمین پر گر گئی کہ وہ خود بھی بے خود ہو کر زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ آپ نے کہا کہ فقیر کا کہا نہ مانا اور اس بے زبان کو ستایا، اپنا

کیا آپ پایا۔ اُس شخص نے توبہ کرکے قسمیہ اقرار کیا کہ بقیۃ العمر کسی جاندار کو ایذا نہ دوں گا۔ تب حضرت نے اُس کے بازو پر دستِ شفا پھیرا اور وُہ بدستور صحیح و تندرست ہو گیا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ کے مُرید با اعتقاد میاں نتھا کی آنکھوں میں شدید درد تھا اُس نے آکر دوا کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا کہ برگِ سرو گھس کر لگا۔ چنانچہ لگاتے ہی وہ درد رفع ہو گیا۔

دارا شکوہ لکھتا ہے کہ میں ایک روز حضرت کی مجلس میں حاضر تھا کہ یکایک ایک مفلس مُغل حاضر ہُوا۔ اس کے بعد ایک اور مُغل نے آکر مبلغ پچیس روپے حضرت کے آگے نذر رکھے۔ حضرت نے قبول کرکے اُس مفلس مُغل کو دے دیئے اور فرمایا کہ اس کا ایک گھوڑا خرید لے اور دارا شکوہ کے پاس جاؤ وُہ تجھے نوکر رکھ لے گا۔ وُہ لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد حاضرینِ مجلس سے ایک درویش براہِ گستاخی بولا کہ یا مولیٰ یہ تمام مال درویشوں کا تھا جو آپ نے صرف ایک غریب الوطن کو دے دیا۔ یہ سُن کر آپ خاموش رہے اور وہ بے ادب بکتا ہُوا چلا گیا۔ بعد ازاں حضرت نے یارانِ مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ بڑا طامع فقیر ہے۔ کیونکہ اس کی کمر میں ایک سو بائیس روپے آٹھ آنہ کی ہمیانی اس وقت موجود ہے اور باوجود اس کے اپنے آپ کو مفلس ظاہر کرتا ہے اور مجھ کو یقین ہے کہ اس کا وُہ روپیہ برباد ہو جائے گا۔ بلکہ اس کی جان بھی اس مال کے غم میں جائے گی۔ اور اس کے علاوہ دو تین اور آدمی بھی اس علت میں مارے جائیں گے۔ قدرتِ الٰہی سے دوسرے روز ایسا ہُوا کہ وُہ غسل کے لیے حمام میں گیا اور بوقتِ غسل روپیہ کی ہمیانی اتار کر سقاوہ میں رکھی، الغرض بعد غسل وہاں سے آکر حضرت کے پاس آ بیٹھا اور ہمیانی وہیں بھول آیا۔ چونکہ حضرت کو یہ حال نُورِ باطن سے معلوم تھا آپ نے متبسم ہو کر اس سے کہا کہ میاں کمر کھولو اور ڈھیلے ہو کر بیٹھو۔ جب وہ کمر کھولنے

لگا تو میاں کی کمر ڈھیلی ہوئی اور سودائیوں کی طرح اُٹھا۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں جاتا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں غسل خانے میں کوئی چیز بھول آیا ہوں اُس کے لینے کو جاتا ہوں۔ جب وہاں گیا تو ہمیانی نظر نہ آئی۔ ہر چند تلاش کی ہمیانی نہ پائی۔ آخر مایوس ہو کر حضرت کے قدموں پر آ گرا اور واقعہ سے اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ دریا پر جا۔ وہاں کشتی میں ایک درویش سعادت کیش بیٹھا ہے اُس سے اپنی ہمیانی طلب کر۔ اُمید ہے کہ وہ تیری ہمیانی تیرے حوالے کر دے گا۔ جب وہ دریا پر گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک درویش بصورت حمال کشتی میں بیٹھا ہے۔ اُس کو دیکھ کر زیادہ تر متردد ہوا کہ یہ حمال یا یہ حال مجھ کو کیا دے گا۔ چونکہ وہ حمال صاحب کمال تھا اُس نے براہِ کشف اُس کے حال سے خبردار ہو کر کہا کہ اے شخص اگرچہ میں حمال ہوں لیکن تیری ہمیانی میرے ہی پاس ہے اب یہ وسواس آور اور مجھے معلوم ہے کہ تجھ کو حضرت نیاز بے نے میرے پاس بھیجا ہے۔ جب وہ کشتی میں درویش نے اشارہ کیا کہ میرے اسباب میں ہمیانیاں ہیں، وہاں سے ہمیانی پہچان کر لے لے۔ جب اُس نے اس کا اسباب دیکھا تو اُس میں اور بھی ہزارہا ہمیانیاں موجود پائیں۔ القصہ اپنی ہمیانی تلاش کر کے حضرت کی خدمت میں لے آیا اور شکرانہ بجا لایا۔ لیکن چونکہ روپیہ کی گمشدگی میں اس کو بدرجۂ کمال غم ہوا تھا وہ ہمیانی مل جانے کے باوجود اسی غم کے مارے دو روز کے بعد مر گیا۔ بعد ازاں وہ ہمیانی دو خادموں کے ہاتھ آئی اور وہ دونوں یہ چاہتے تھے کہ روپیہ صحیح و سالم مجھ کو مل جائے۔ وہ ایک دوسرے کی فکر ہی میں تھے کہ ایک تیسرے شخصِ نابکار کو اس حال سے اطلاع ہوئی کہ ان دونوں کے پاس اس قدر روپیہ ہے۔ اُس نے بطمعِ زر ان دونوں کو زہر دے دیا۔ وہ دونوں خواہش زر مسموم ہو کر مر گئے اور وہ ہمیانی تیسرے نے لے لی۔ چند روز کے بعد اس کا راز کھل گیا اور ان کے قتل کے قصاص میں

وہ بھی بحکمِ حاکم قتل ہوا اور مہیا ئی بادشاہ کے بیت المال میں داخل ہوئی۔

دارا شکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ جہانگیر بادشاہ اگرچہ اولیاء اللہ کا بالکل معتقد نہ تھا بلکہ ان کو تکالیف پہنچاتا تھا لیکن ان حضرت کی خدمت میں گونہ ارادت رکھتا تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے جہانگیر بادشاہ لاہور سے آگرہ روانہ ہوا تو آپ کی خدمت میں ایک معتبر بھیجا کہ میں نے آپ کا ذکرِ خیر سُنا ہے۔ اگر میں لاہور میں رہتا تو ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، مگر چونکہ اب ساعتِ سعید میں لاہور سے نکلا ہوں واپس نہیں آسکتا۔ آپ کو لازم ہے کہ آپ میرے پاس تشریف لائیں۔ چنانچہ حضرت میاں میر اس کے پاس تشریف لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو جہانگیر نے بدرجۂ کمال تعظیم و تکریم کی۔ حضرت میاں میر بالا پیر کچھ دیر وہاں بیٹھے رہے اور نصائح دلپذیر فرماتے رہے، اور جہانگیر کے دل پر حضرت کا ایسا تصرّف پڑا کہ اُس نے عرض کی، یا حضرت میں مُلک و دنیا چھوڑ کر فقیر ہو جاتا ہوں اب میرے دل میں رتبۂ سنگ و جواہر یکساں ہے، تب حضرت میاں میر نے فرمایا کہ جس کے دل میں سنگ و جواہر کا قدر یکساں ہو وُہ صُوفی ہے، اگر آپ کا دل ایسا ہو گیا ہے تو تم بھی صُوفی ہو۔ بادشاہ نے عرض کی کہ آپ مجھ کو اپنا خادم کریں اور خدا کی راہ بتلائیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو خلق اللہ کی حفاظت کے لیے بہت اچھا بادشاہ ہے۔ اور خدا تعالیٰ جلّ شانہٗ نے تجھ کو اس کارِ عظیم پر مامُور کیا ہے، اوّل تم کوئی اور شخص خیر خواہ خلق اللہ، عادل و حلیم و کریم پیدا کر کے بادشاہ کرو پھر ہم تم کو فقیر بنا لیں گے۔ شاہ جہانگیر حضرت میاں میر بالا پیر کی یہ خوش تقریر یشن کر بہت خوش ہوا اور عرض کی کہ یا حضرت آپ کچھ طلب کریں، آپ نے فرمایا کہ میں مانگتا ہوں بشرطیکہ تم مجھے دو۔ جہانگیر نے کہا بچشم جو آپ فرمائیں گے مجھ کو بدل و جان قبول ہے۔ حضرت میاں میر نے فرمایا کہ مَیں یہ چاہتا ہُوں کہ اس وقت مجھ کو

رُخصت دو اور پھر کبھی تکلیف نہ دو کہ میں تمہارے پاس آؤں۔ جہانگیر نے بدل وجان قبول کیا اور بہت آداب سے حضرت کو رخصت کیا۔ وُہ حضرت کی صحبت سے نہایت محظوظ ہُوا اور اس کے بعد اِن کی خدمت میں دو عریضے بھی بدستخطِ خاص خود لکھے [۵۱]

جہانگیر کے عہد میں شہاب الدّین شاہ جہان آپ کی خدمت میں دو دفعہ حاضر ہُوا۔ اور دارا شکوہ لکھتا ہے کہ میں دونوں دفعہ اپنے والد شاہجہان کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ حضرت نے اس کو بہت اچھی نصائح دیں اور بادشاہ پر آپ کا ایسا اثر ہُوا کہ وہ ہمیشہ کہتا تھا کہ ہم نے کوئی فقیر حضرت میاں میر جیسا کامل ولی نہیں دیکھا اور نہ سُنا ہے۔ پہلی دفعہ جب شاہجہان حضرت کے حجرہ میں حاضر ہُوا تو ہم چار آدمی ہمراہ تھے۔ حضرت میاں میر صاحب نے فرمایا کہ بادشاہوں کو لازم ہے کہ حالِ رعیّت اور مُلک سے خبردار رہیں اور ہمیشہ لشکر آبادی رکھیں کیونکہ اگر رعیّت خوش اور مُلک آباد ہے تو خزانہ معمُور ہے، اور خزانہ معمُور ہے تو سپاہ و بادشاہ خوشنود۔ اس وقت مجھ کو بیماری تھی۔ بادشاہ نے التماس دعائے دُعا کی۔ آپ نے پانی دم کر کے دیا، تو فی الحال مجھ کو صحتِ کامل ہو گئی۔ حالانکہ میں ایسا بیمار تھا کہ اطبّا اس کے علاج سے عاجز آ چکے تھے۔ دُوسری ملاقات میں بھی بندہ ہمراہ تھا۔ بوقتِ حاضری شاہ جہان نے عرض کی کہ یا حضرت آپ دُعا کریں کہ مجھ کو محبّتِ دولتِ دُنیا نہ رہے۔ آپ نے جواب دیا کہ تم کو لازم ہے کہ خدا کے بندوں کو راضی رکھو، جب خدا

---

[۵۱] : یہ عریضے دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں درج کیے ہیں۔ ایک عریضہ کا مضمون یہ ہے "بعد از عرض و نیاز مخلصِ حقیقی بتمام اخلاص بموقفِ عرض می رساند کہ : ؎

قائیم ایں جا وجاں در کوئے دوست   خلق را دیدہ کہ جاں در قالب است

خدا ایں روزنما بود کہ دولتِ قدم بوس حاصل کنم فقط" (دیارِ رفتگاں)

کے بندے خوش ہوں گے تو ذاتِ الٰہی بھی ہم سے خوش اور دُعا بھی قبول ہو گی۔ اور اس کے علاوہ اور بھی نصیحت آمیز گفتگو کرتے رہے۔

ایک روز شاہ جہان بادشاہ اور دارا شکوہ سوار ہو کر حضرت میاں میر کی خدمت میں جاتے تھے، راستہ میں شاہ جہان، دارا شکوہ سے مخاطب ہوا کہ اگر تمہارا پیر کامل ہے تو آج ہم کو تازہ انگور کھلائے گا۔ جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے بلا تکلف حجرہ سے انگور کا ایک بھرا ہوا خوانچہ لا دیا حالانکہ تازہ انگور کا موسم نہ تھا۔

آپ کی وفات بروز سہ شنبہ وقتِ نماز ظہر ساتویں ربیع الاوّل ۱۰۴۵ھ کو واقع ہوئی۔ عمر آپ کی اٹھاسی سال کی ہوئی۔ آپ ساٹھ سال کے قریب رونق افزائے لاہور رہے چنانچہ حضرت کی تاریخ تولید و وفات مصنفہ مفتی غلام سرور یہ ہے۔ قطعہ

آں میاں میرے کہ پیرِ رہنمائے خلق بود ... مقبلِ حق بود و مقبولِ شد خیر الانام!

سالِ تولیدش "میاں میرے ولی متقی" ... سالِ ترحیل است "شمس الاتقیا ہادی امام"

ملّا فتح اللہ صاحب جو مُریدانِ حضرت میاں میر سے ایک حضرت تھے انہوں نے بھی حضرت میاں میر کی وفات کے بعد اُن کی تاریخ وفات کہی ہے، اس کی نقل دارا شکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں اور اب تک روضہ پر بھی تحریر ہے: قطعہ

میاں میر سرِ دفترِ عارفاں ... کہ خاکِ درش رشکِ اکسیر شُد

سفر جانبِ شہرِ جاوید کرد ... ازیں محنت آباد دل گیر شُد

خرد بہرِ سالِ وصالش نوشت ... بفردوس والا میاں میر شُد

جناب میاں میر صاحب تمام عمر مجرّد رہے۔ انہوں نے شادی نہیں کی تھی اس لیے حضرت کی صلبی اولاد نہیں ہوئی اور حضرت مرحوم کی وفات کے بعد محمد دارا شکوہ خلفِ شاہجہان

نے محمد شریف خواہر زادہ حضرت کو سیوستان سے طلب کر کے روضۂ منورہ کا سجادہ نشین
مقرر کیا اور تمام عمارات و جاگیر متعلقہ مقبرہ معلیٰ اس کے تفویض کیں۔

حضرت میاں میر اکثر اوقات آبادی سے متنفر ہو کر ویرانوں میں متوجہ بحق ہوتے تھے۔
اور بسا اوقات خانقاہ عالی جاہ حضرت بی بی پاک دامناں میں جا کر متوجہ ہوتے تھے اور مقام
ہاشم پورہ کو جہاں اب حضرت کا مزار پُر انوار ہے بہت پسند کرتے تھے۔ اس وقت ایک
حجرہ مسکونہ حضرت کا یہاں بھی تھا اور کبھی کبھی حضرت اس جگہ بھی رہتے تھے[۵۱] ہاشم پورہ وہ
مقام ہے جو اب حضرت کے مزار پُر انوار کے غرب رویہ واقع ہے اور مقبرہ عالیہ حضرت
میاں میر غرب رویہ سڑک چھاؤنی میاں میر جو ریلوے اسٹیشن سے ہو کر جاتی ہے واقع ہے مقبرہ کے
گرد و نواح چار دیواری بلند پختہ موجود ہے، اس چار دیواری کے اندر مسجد عالیشان پختہ
تین گنبد والی موجود ہے[۵۲]۔

تحریر دارا شکوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت میاں میر کو لاہور آئے ہوئے ساٹھ
برس گذر چکے تو حضرت کو مرض الموت نے منہ دکھلایا، چنانچہ پانچ روز بیمار رہے اور ساتویں
ربیع الاوّل ۱۰۴۵ھ کو بحجرہ محلہ خافی پورہ کہ جہاں اب عین بازار انارکلی میں مقام چابہ ہے[۵۳]۔
فوت ہوئے، اور حضرت کی عمر کے باب میں اختلاف ہے۔ کوئی تو کہتا ہے کہ آپ کی
عمر ایک سو سات برس کی ہوئی، اور جو محضر بزرگان سیوستان سے لکھا کر محمد شریف خواہرزادہ

---

۵۱ : ہاشم پورہ ۱۰۵۲ھ کے قریب دارا شکوہ کے حکم سے مسمار کر دیا گیا تھا اور اس کے ساکنان متفرق ہو کر کچھ تو
کوٹ خواجہ سعید میں اور کچھ جیو میں اور کچھ لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے۔ (چشتی)

۵۲ : آپ کا مقبرہ عالیہ انفنٹری روڈ پر درگاہ سٹریٹ میں واقع ہے (مؤلف)

۵۳ : مقام چابہ اب انارکلی بازار میں دفتر نظامت تعلیمات حلقہ لاہور کے متصل واقع ہے۔ (ایضاً)

حضرت لایا تھا اس سے آپ کی عمر ستاسی سال کی واضح ہوتی ہے، اور بوقتِ وفات حضرت کے پاس حضرت ملا شاہ اور خواجہ بہاری[۱۵] اور شیخ محمد لاہوری (وفات ۱۰۵۶ھ) موجود تھے۔ کہ جن کی قبریں روضہ کے متصل موجود ہیں۔

دارا شکوہ بزبانی میاں حاجی محمد و نور محمد خادم لکھتے ہیں کہ حضرت کے فوت ہونے سے ایک روز اوّل وزیر خاں حاکم لاہور آپ کی عیادت کے لیے در حجرہ پر حاضر ہوا۔ خادموں نے حضرت کی خدمت میں وزیر خاں کے حاضر ہونے کی اطلاع دی۔ آپ نے باریابی کی اجازت نہ دی۔ پھر خادمین نے عرض کی کہ یا مولیٰ وزیر خاں عیادت کے لیے آیا ہے۔ اس کو نا امید پھیر دینا مناسب نہیں۔ ناچار حسب العرض خادمین حضرت نے اس کو بلا لیا۔ اس نے حاضر ہو کر عرض کی کہ یا حضرت میں حضور کے معالجہ کے لیے حکیم حاذق ہمراہ لایا ہوں۔ آپ اس کا معالجہ کریں۔ آپ نے فرمایا کہ ؏

دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

اب ہمارا خدا طبیب اور خدا ہی حکیم ہے، غرض بہت جلد اس کو رخصت کر دیا۔ اس کے بعد آپ کے مزاج میں بیقراری سی عائد ہوئی۔ شیخ محمد نے عرض کی کہ یا حضرت باعثِ بیقراری کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بے قراری نہ بسبب غلبۂ مرض ہے بلکہ شوقِ ملاقاتِ دوست سے بے قراری ہے کہ فراق کی ایک گھڑی بھی دل پر بھاری ہوتی ہے۔ اور جب حضرت فوت ہوئے تو حاکم شہر واقعہ کی خبرِ وحشت اثر سن کر مع تمام اہالیانِ دربار و اکابرِ نامدار فضلا و علمائے روزگار کے حضرت کے یہاں حاضر ہوا۔ بعد تجہیز و تکفین جب جنازہ اٹھا

---

[۱۵]: حضرت میاں میر بالا پیر لاہوری کے خلیفہ صاحبِ کمال اہلِ حال و قال تھے۔ وفات ۱۰۴۸ھ میں ہوئی اور مزار متصل روضۂ میاں میر ہے۔ (حدیقۃ الاولیا)

تو تمام مرید و خادم و تمام اہلِ اسلام خاص و عام حضرت کے جنازہ کے ساتھ حاضر ہوئے اور حضرت کے حسب الحکم کہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جہاں میاں تھا اور ہمارے اور یارِ غمخوار مدفون ہیں وہیں ہم کو دفن کرنا چاہیے، اُس مقام پر لائے جہاں اِس وقت حضرت کا مقبرہ ہے۔ اُس روز اکثر اشخاص حضرت کے غم میں یہ شعر پڑھتے تھے۔ شعر

دردا کہ پاک بازِ جہاں از جہاں برفت پاک آں چنانکہ بود برفت آنچناں کہ رفت

غم شد محیطِ مرکزِ عالم زہے گراں کاں مرکز و محیطِ کرم از میاں برفت[۱]

---

[۱] دارا شکوہ لکھتا ہے کہ عالم و فاضل اور صوفی کامل ہونے کے باوجود آپ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی لیکن جب کبھی آپ کسی حدیث یا آیت یا بزرگوں کے مشکل اشعار و اقوال کے معنی بیان فرماتے تو حاضرین جن میں علماء و فضلا بھی ہوتے دنگ رہ جاتے۔

آپ فرمایا کرتے انسان تین چیزوں، نفس، دل اور رُوح کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے نفس کی اصلاح شریعت سے، دل کی طریقت سے اور رُوح کی حقیقت سے ہوتی ہے، لیکن سب سے بڑا رُتبہ شریعت کا ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ لباس اس قسم کا ہونا چاہیے کہ کوئی شخص پہچان نہ سکے کہ یہ درویش ہے، صوفی ہے، فقیر ہے یا کیا ہے۔ شیخ ابوالحسن خرقانی کا قول نقل کر کے فرمایا کرتے کہ صوفی وہ شخص ہے جو نہ ہو لیکن میں کہتا ہوں اگر ہو تو بھی نہ ہو۔ اسی بنا پر آپ اپنے مریدِ خاص شیخ تھا لاہوری کو "نہ تھا" (نہ بود) کہا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک مطلب پرست دُنیا دار سے کہا تم لوگ کوئی نیک عمل کرنے کے بغیر درویشوں سے اپنی مشکلات آسان کرانی چاہتے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں۔ تم بھوکے کا پیٹ بھرو۔ ننگے کو کپڑا دو۔ حاجت مندوں کی حاجتیں اللہ کے دیے ہوئے مال سے پوری (باقی بر صفحہ ۷۲)

میاں نتھا:

میاں نتھا قوم کا خوجہ لاہوری تھا اور بڑا صاحب کمال ہوا ہے۔ حتیٰ کہ میاں میر صاحب کا وطیرہ تھا کہ رات کو کسی شخص کو اپنے پاس رہنے نہ دیتے تھے مگر میاں نتھا کو شب باشی کی اجازت حاصل تھی۔ مشہور ہے کہ پتھر اور درخت میاں نتھا سے ہم کلام ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک بوٹے نے میاں نتھا کو کہا کہ اگر تو مجھی گال کر مجھ کو اس پر ڈالے تو چاندی بن جائے۔ میاں نتھا اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے، وہاں سے آگے چلے تو ایک اور درخت بولا کہ اگر تو میری لکڑی کا ذرا سا ٹکڑا لے کر مس پر ڈالے تو سونا ہو جائے۔ انہوں نے جناب الٰہی میں بصد نیاز عرض کی کہ یا الٰہی یہ تیرے مخلوقات مجھ کو تیری راہ سے ہٹاتے ہیں اور کافر بناتے ہیں، تجھے اپنے نام کا واسطہ ہے کہ آئندہ سب کو حکم دے کہ کوئی درخت مجھ سے ہم کلام نہ ہوا کرے چنانچہ اس دن سے نہ ہم کلامی موقوف ہوئی۔ اور میاں نتھا نے اپنے آپ کو یاد الٰہی میں ایسا نابود کیا تھا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) کہ وہ تمہاری حاجتیں پوری کرے گا۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اور کئی اور علماء و فضلاء بھی آپ کے پاس اکثر آتے رہتے تھے۔ ان کا کچھ ذکر سکینۃ الاولیاء میں موجود ہے۔ آپ علماء کو بھی اور اپنے یاروں کو بھی اکثر اس حدیث پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ" (یعنی قلب کی حضوری کے بغیر نماز نہیں ہوتی) اور کہتے، کہ یہ نہیں تو نماز تنہا کیا اور با جماعت کیا، بے کار ہے۔

دارا شکوہ یہ بھی لکھتا ہے کہ آپ نغمہ و راگ سنا کرتے تھے لیکن آپ نے کبھی کسی قوال کو بلایا نہ کسی قوال کو ہمراہ رکھا اور نہ سماع کے دوران میں کبھی وجد و رقص کیا۔ قوال جب کبھی خود بخود آتے اور مجلس سماع گرم ہوتی تو اس وقت آپ کے چہرے سے کمال سرور ظاہر ہوتا۔ ریش مبارک کا ایک ایک بال کھڑا ہو جاتا۔ لیکن وقار و تمکنت کی وجہ سے کوئی حرکت آپ سے ظہور میں نہ آتی۔ (مآثر لاہور، فوق)

گویا نھّا "نہ تھا" صرف ذاتِ الٰہی تھی۔

کہتے ہیں کہ ایک روز میاں نھّا ایک گنبد میں بیٹھے تھے۔ جب باہر آنے لگے تو گنبد نے آواز دی کہ میاں نھّا ذرا ٹھہر جاؤ کہ موقع باہر جانے کا نہیں۔ انہوں نے پوچھا تو کون ہے اور یہ امتناع کس لیے ہے۔ وُہ بولا کہ میں یہی گنبد ہوں جس میں آپ کھڑے ہیں، اور باعثِ امتناع یہ ہے کہ ابھی بارانِ رحمتِ الٰہی کی بارش ہوگی اور اگر آپ باہر جائیں گے تو تکلیف اُٹھائیں گے۔ اِتنے میں بارش شروع ہوگئی۔ غرضکہ دیوار و درخت اور پتھر سب آپ کے ساتھ ہم کلام ہوتے تھے۔

دارا شکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ ایک روز ایک مُردہ چوہا میاں نھّا کے کوچہ میں پڑا تھا اور وہ ایسا متعفن اور بوسیدہ تھا کہ اُس کا چمڑا بھی اُڑ گیا تھا۔ میاں نھّا نے کہا کہ یہاں کیوں پڑا ہے اور سڑا ہے، اُٹھ چلا جا۔ چنانچہ چوہا زندہ ہو کر چلا گیا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت میاں میر نے میاں نھّا سے پوچھا کہ اِن دنوں کہاں بیٹھ کر متوجہ بحق ہوتے ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ یا مولائی میں قبل ازیں موضع اچھرہ کے متصل تخلیہ میں بیٹھ کر متوجہ بیادِ حق ہوتا تھا مگر وہاں بسبب اس کے کہ تمام درختانِ خُرما بھی سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کی تسبیح کرتے ہیں اور اِن کی آواز سُنائی دیتی تھی۔ میرے لطف اور اشتغالِ لی میں خلل پڑتا تھا، اس لحاظ سے اب تخلیہ خلیفہ جنید کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر مشغول ہوتا ہُوں اور وہاں بعالمِ تنہائی میرے شغل میں خلل نہیں آتا۔ حضرت میاں میر صاحب نے حاضرینِ مجلس کی طرف متوجہ و متبسم ہو کر فرمایا کہ " بہ بینید کار پیرے تا بکجا رسیدہ است وچہ حرف ہائے بلند از زبان می گوید "

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت میاں میر صاحب اور میاں نھّا صاحب اور ملّا شاہ صاحب

در حجرہ کے باہر سایۂ دیوار میں بیٹھے تھے۔ یکایک ابر غلیظ آیا اور تند باد کے آثار نمودار ہوئے حضرت میاں میر نے فرمایا کہ وقت خوش تھا لاچار آمادگی اور بارش کے سبب یہاں سے اٹھنا پڑا۔ میاں نتھا نے کہا کہ اگر ارشاد ہو تو اس ابر تند کو ایسا برہم کر دوں کہ پھر اس کا نام و نشان نظر نہ آئے۔ یہ سن کر حضرت کو نہ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ خود فروشی اور اظہار کرامت کرتا ہے، اگر ہم یہاں سے اٹھ کر حجرہ میں چلے جائیں گے تو ہمارا کیا نقصان ہے اور ہماری کیا مجال ہے کہ ہم کارخانۂ الٰہی میں دم ماریں کیونکہ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ، یعنی کار حکیم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

دارا شکوہ کے حسب تحریر معلوم ہوا کہ میاں نتھا نے اس قدر علم حاصل کیا تھا کہ لوح محفوظ کی تحریر پڑھ سکتے تھے۔ دارا شکوہ نے بارہا ملا شاہ صاحب کی زبانی سنا کہ میاں نتھا محبوب خدائے جل شانہ تھا۔ جب میاں نتھا راہگرائے عالم جاودانی ہوئے تو جناب میاں میر بالا پیر چشم پرآب ہوئے اور فرمایا کہ فقیر کے فقیر خانے کو میاں نتھا لے گئے۔ نیز حضرت میاںؒ میر نے عند الموت وصیت کی کہ مجھ کو میاں نتھا کے پاس دفن کرنا۔ میاں نتھا کی وفات ۱۰۲۷ھ میں واقع ہوئی چنانچہ قطعہ تاریخ مصنفہ مفتی غلام سرور درج کتاب ہذا ہوتا ہے۔ قطعہ

حضرت نتھا کہ ولی خدا است　　　عارف حق واقف علم الیقین

سال وصالش چو بجستم ز دل　　　گفت کہ "محبوب بہشت برین"

ان کی قبر حضرت کی چہار دیواری کے باہر موجود ہے۔

شیخ نعمت اللہ سرہندی:

میاں نتھا کے ماسوا جو شخص سب سے اول حضرت کی خدمت میں مرید ہوا وہ شیخ نعمت اللہ سرہندی تھے

شیخ نعمت اللہ نے حضرت سے بدرجۂ نہایت نعمت اللہ پائی۔ ان کی قبر بھی احاطہ چار دیواری میں موجود ہے۔
حال ان کا یہ ہے۔ بدرجۂ کمال کامل، عامل، فاضل اور عالم تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے
کہ ایک سوداگر اپنے فرزند ارجمند کو ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ یا حضرت
میں نے اپنے فرزند کو بہت سا روپیہ دے کر تجارت کے لیے بھیجا تھا، اب یہ واپس آکر بیان
کرتا ہے کہ وُہ تمام روپیہ چور لُوٹ کر لے گئے اور خالی ہاتھ لوٹ آیا ہے میں حیران ہُوں۔
حضرت اس کے لڑکے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے طفلک تو کیوں اپنے باپ
کے آگے جھوٹ بولتا ہے تُو نے اپنے باپ کا وُہ تمام روپیہ اور اسباب وغیرہ فلاں مقبرہ کے
زیرِ دیوار مدفون کیا ہے، اُٹھ اور اپنے باپ کے ساتھ جا کر وُہ روپیہ نکال دے۔ یہ سُن کر وہ لڑکا
حضرت کے قدموں پر آگرا اور باپ کے ہمراہ جا کر مدفن سے زر مدفونہ نکال کر اپنے باپ کے
حوالے کیا۔

نیز دارا شکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت حاجی نعمت اللہ
کے پاس حاضر ہُوا اور منت و سماجت عرض کی کہ یا مولیٰ میری ایک کنیز ہے تھوڑے دن سے
میرے پاس سے نکل کر بھاگ گئی ہے اور مفقود الخبر ہے۔ مجھ کو اُس سے نہایت عشق تھا،
اگر اُس کو نہ پاؤں گا تو جیتے جی مر جاؤں گا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ فلاں مقام پر جا کر کھڑا
رہ اُس راہ سے ایک بہلی یعنی گاڑی آئے گی، اس کے پاس جائیو اور کہیو کہ میری کنیز کو بہلی
سے نکال دو۔ انشاء اللہ وہ وہاں سے برآمد ہو گی۔ مگر تجھ کو لازم ہے کہ اُس بہلی کا حال بالکل
دریافت نہ کرنا کہ کہاں سے آئی ہے اور کہاں جاتی ہے اور اس میں کون ہے اور بہلی
کس کی ہے۔ چنانچہ اُس نے اسی طرح کیا اور اُس کی کنیز بہلی سے دستیاب ہو گئی۔
اُن کی وفات سنہ ۱۰۸۱ھ میں واقع ہوئی اور حضرت میاں میر کے سامنے دفن ہوئے۔ اُن

کی تاریخ وفات مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیاء نے تصنیف کی ہے۔ قطعہ

نعمت اللہ حاجی حسم ہین زینتِ روضہ جہان عارف

سالِ ترحیلِ وی خرد فرمود ولی نعمتِ جہاں عارف

مُلّا شاہ بدخشی :

حضرت مُلّا شاہ صاحب کا مقبرہ موضع میاں میر میں بطرف گوشہ غربی وجنوبی روضۂ حضرت میاں میر موجود ہے۔ یہ صاحب قدیم سے ساکن موضع ارکسا علاقہ روستاق ولایت بدخشاں ہیں۔ ان کا اصلی نام شاہ محمد ملقب منجانب اللہ بالقاب لسان اللہ المشہور ملّا شاہ، اور ان کے والد کا نام ملّا عبدی (عبد محمد) ہے۔ یہ حضرت ہمیشہ سے صاحب علم اور صاحب فضیلت ملّا چلے آئے ہیں۔ حال ان کا یہ ہے کہ یہ حضرت بعالم طفولیت و صِغر سنی اپنے وطن مالوفہ سے بتلاش خدا نکل کر وارد کشمیر جنت نظیر ہوئے اور تین برس وہاں رہ کر ہندوستان تشریف لائے۔ جب آگرہ میں پہنچے تو ایک شخص سراپا مہربانی کی زبانی حضرت میاں میر بالا پیر کا حال سُنا۔ وہاں سے لوٹ کر لاہور آئے اور حضرت میاں میر کی خدمت میں بیعت کی التماس کی۔ حضرت نے فرمایا کہ "برو عالم شو آنگہ پیشِ من آ"۔ پھر دس برس تک آپ لاہور میں بہ تحصیلِ علمِ ظاہری مصروف رہے جب عالم کامل اور فاضلِ اکبر ہوئے تو حضرت کے پاس آئے اور بیعت کی اور چند سال کے عرصہ میں بڑے صاحبِ کمال ہو گئے۔ یہ حضرت ایسے تارک الدنیا تھے کہ آپ کے مکانِ مسکونہ میں عرصہ تیس سال تک چراغ تک روشن نہ ہوتا تھا۔ اندھیرے ہی میں سکونت پذیر رہتے تھے۔ دارا شکوہ لکھتے ہیں۔ کہ میں ایک رات حضرت ملّا شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ایک ہمسایہ کے گھر سے چراغ منگوا کر فرمایا کہ دارا شکوہ آج تیرے آنے کے باعث ہمارے گھر میں چراغ روشن ہوا۔ ورنہ ہم کو

کبھی روشنی چراغ کی خواہش نہیں ہوئی[۵۱] ۔ نیز لکھا ہے کہ آپ نے تمام عمر خوابِ استراحت بھی نہیں فرمایا۔
اور حبسِ نفس یہاں تک تھا کہ تمام شب میں ایک یا دو دم لیتے تھے۔ نیز آپ تمام عمر مجرد رہے
اور نکاح کی طرف میل نہ کیا۔ اور آپ کو کبھی غسلِ جنابت و احتلام کی حاجت نہ ہوئی، چنانچہ
آپ کا مقولہ تھا کہ غسلِ احتلام بحالتِ خواب اور غسلِ جنابت بحالتِ قربتِ زن ہوتا ہے، من
نہ زن دارم و نہ خواب الحمدللہ الملک الوہاب کہ ازیں ہر دو فارغم۔ یہ حضرت شاعر بھی بڑے طباع
تھے چنانچہ ملا شاہ صاحب کا دیوان مشہور و معروف ہے۔ نیز لکھا ہے کہ جب آپ کشمیر میں تشریف
لے گئے اور وعظ فرمانے لگے تو حضرت کا آوازۂ شہرت دُور و نزدیک پہنچا۔ آپ اکثر اپنی مجلسِ
وعظ میں اصحابِ کبار کی تعریف و توصیف فرمایا کرتے[۵۲]

نیز دارا شکوہ لکھتا ہے کہ ایک روز مجھ کو مسئلہ رویتِ حق میں شبہ واقع ہوا کہ آیا جناب
حق تعالیٰ کی رویت جو قرآن سے ثابت ہے کیونکر ہو گی اور اس وقت کیا نظر آئے گا۔ اس
مشکل کو حل کرنے کے لیے میں حضرت ملا شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، مگر رعب کے باعث کچھ
عرض نہ کر سکا اور اُلٹے پاؤں گھر آیا۔ گھر میں آکر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ
پُرفتوح کی جانب متوجہ ہوا۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ اے حیرانِ بادیۂ حیرت! تفکر کی کیا جگہ ہے،
خدا قادر ہے جس طرح چاہے گا اپنے مومنانِ باایمان کو اپنا دیدارِ پُرانوار دکھلائے گا۔ یہ دیکھتے
ہی مجھ کو تسلی ہوئی اور دوسرے دن پھر حضرت ملا شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ فرمانے
لگے کہ اے دارا شکوہ مسئلہ رویت سے تیری تسلی ہو گئی۔ میں نے عرض کی کہ یا حضرت اس حال
سے سوائے حضرت علام الغیوب کوئی واقف نہ تھا آپ کو اس حال سے کیونکر واقفیت ہوئی۔

۵۱: حضرت نے یہ شعر بھی پڑھا ہے۔ تو چراغ است دریں خانۂ ویرانۂ ما ۔ روشن از آتشِ عشق تو شبانۂ ما

۵۲: کشمیر میں شیعہ لوگ ان سے سخت عداوت رکھتے تھے مگر جب روبرو آتے تائب ہو جاتے۔ (حدیقۃ الاولیاء)

آپ نے فرمایا کہ جس نے تجھ کو یہ حال سمجھایا اُسی نے مجھ کو بھی بتلایا۔

حضرت ملّا شاہ صاحب کی وفات سنہ ۱۰۶۹ھ میں واقع ہوئی[51]۔ چنانچہ تاریخ وفات اس جامع الکمالات کی مفتی غلام سرور صاحب نے یہ تصنیف کی ہے:

شیخ حق آگاہ عالی جاہ ملّا شاہ دیں ۔۔۔ ہر کہ روئے روشن او دید رشکِ ماہ گفت

شد چو از دنیا سوئے جنّت خرد تاریخ او ۔۔۔ "زاہد نجاب قطبِ وقت ملّا شاہ" گفت

ایضاً

شہ محمد کہ عارفِ حق بود ۔۔۔ عالم و عامل و خدا آگاہ

گفت سالِ وصالِ او سرور ۔۔۔ "کہ عجب قطبِ وقت ملّا شاہ"

ماسوائے ان کے حضرت میاں میر بالا پیر کے صدہا خلفائے حق دوست ہیں۔ چنانچہ داراشکوہ خلف شاہجہاں بادشاہ آپ کے مرید و خلیفہ راستین حضرت ملّا شاہ قادری کا مرید تھا۔ حضرت کے روضۂ عالیہ کی تعمیر بھی اس نے کی ہے اور کتاب سکینۃ الاولیاء میں اُس نے حضرت کا مفصل حال لکھا ہے۔ اگرچہ داراشکوہ مریدِ سعید حضرت ملّا شاہ کا تھا مگر ارادت کاملہ حضرت میاں میر کی خدمت میں تھی۔ وہ آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا تھا اور حضرت کا روضہ بھی اُسی نے بنوایا[52]۔

---

[51]: مصنف ہسٹری آف لاہور نے ملّا شاہ کی وفات کا سال ۱۰۷۱ھ لکھا ہے اور فہرست کتب بانکی پور لائبریری میں ۱۰۷۲ھ ظاہر کیا گیا ہے۔ (مآثر لاہور فوقی)

[52]: داراشکوہ کو آپ سے بیحد عقیدت تھی یہاں تک کہ وہ آپ کے چبائے ہوئے اور پھینکے ہوئے لونگ بھی کھا لیتا اور جب بالاخانہ پر آپ کے پاس جاتا تو جوتی اتار کر ننگے پاؤں جاتا۔ وہ لکھتا ہے بعض حاضرین کو یہ امر ناگوار گذرتا تھا لیکن میں کمال ارادت و خلوص سے اس کو اپنی سعادت مندی سمجھتا تھا۔ آپ کو بھی داراشکوہ سے کمال الفت تھی ایک مرتبہ ایک شخص سلام کو آیا۔ پوچھا کیا نام ہے اور کیا کام کرتے ہو اس نے اپنا نام بتایا اور کہا سرکار داراشکوہ کا ملازم ہوں۔ یہ سن کر آپ نے اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا ع اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری۔ (مآثر فوقی)

خواجہ خاوند محمود المشہور بحضرت ایشان رح

کتابِ رضوانی[1] وغیرہ سے حضرت ایشان کا حال یوں دریافت ہوا کہ حضرت خواجہ خاوند محمود المشہور بحضرت ایشان بڑے بزرگ، عابد، زاہد، متقی، ولی اور قطبِ وقت تھے سلسلہ ان کا نقشبندی تھا اور بزرگ ایسے تھے کہ اپنے وقت میں ثانی نہیں رکھتے تھے[2]۔ مولد آپ کا شہر بخارا تھا[3]۔ اوّل آپ نے وہاں مدرسہ سلطانی میں علومِ ظاہری کی تعلیم حاصل کی اور ایسے طاق ہوئے کہ یگانۂ آفاق ہوئے۔ علما میں فنون آپ کا منظور تھا شہرۂ کرامت آپ کا وردِ زباں تھا۔ بادشاہِ بخارا آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سرفراز ہوتا تھا۔

ہنوز بارہ برس کی عمر میں پہنچے تھے کہ آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور چودہ برس کی عمر میں آپ کُل علوم کے حافظ ہو گئے۔ علمائے عہد سے کسی کو طاقت نہ تھی کہ ان کے سامنے علمیت کا دم مارے۔ آخر چندے وہاں رہ کر آپ کی طبیعت مبارک سیر کی طرف راغب ہوئی۔ بخارا سے سمرقند میں گئے اور دو برس تک وہاں رہ کر بہت لوگوں کو اپنی ارادت سے مستفید کیا۔ وہاں کا حاکم شاہ زمان مرزا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت کی۔ ان دنوں سمرقند پر ایک بڑے زبردست حاکم کی چڑھائی تھی۔ شاہ زمان حضرت کی خدمت میں عرض پرداز ہوا کہ شاہ اتالی

---

[1]: کتاب رضوانی آپ کے فرزند خواجہ معین الدین احمد نقشبندی کی تصنیف ہے۔

[2]: صاحب خزینۃ الاصفیاء آپ کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں "ولیِ مادرزاد و قطب الارشاد صاحبِ حال و قال جامع کمالِ ظاہری و باطنی مظہر جمالِ صوری و معنوی بود و در طریقہ عالیہ نقشبندیہ رتبۂ عالی و درجہ متعالی داشت"

[3]: بقول صاحب تاریخ کبیر کشمیر آپ کی ولادت ۹۸۱ھ میں ہوئی۔ (مآثر لاہور، فوق)

کی درگاہ میں اُس کے لیے دُعا کریں کہ اس دُشمنِ سخت سے اذیت نہ پہنچے۔ آپ نے دُعا کی اور
اُس کی تاثیر سے وُہ اپنے دشمن پر مظفر و منصور ہُوا۔

وہاں سے آپ ہرات میں آئے اور ہرات سے قندھار اور قندھار سے کابل تشریف
لائے اور ان شہروں میں ہزاران ہزار مُریدانِ ارادت مند آپ کی بیعت سے سرفراز ہو کر کمال
کو پہنچے اور صاحبِ خوارق و کرامت ہوئے۔ جب کابل کے نزدیک آئے تو حاکمِ کابل استقبال
کے لیے دو فرسنگ تک باہر آیا اور حضرت کو بہزار اعزاز شہر میں لے جا کر سبز باغ میں فرود
کیا۔ حضرت وہاں رہنے لگے۔ جمعہ کے دن آپ مسجد جامع میں گئے اور منبر پر بیٹھ کر وعظ کیا۔
ایسی تاثیر ہوئی کہ محفل میں زور و شور ہُوا۔ اور صدائے ہای و ہو آسمان تک پہنچی۔ وجد کے زور
وشور سے دو آدمی جان بحق تسلیم ہو گئے۔ غرضکہ بادشاہ کو بھی وجد ہُوا اور اسی محفل میں حضرت
کے شرفِ ارادت سے مشرف ہُوا اور عرض کی کہ میں دُنیا سے دست بردار ہوتا ہوں اب بادشاہی
کی خواہش نہیں رکھتا، چاہتا ہوں کہ جناب کی خدمت میں حاضر رہوں اور خدمت کیا کروں،
حکومتِ کابل پر آپ جس کو لائق تصوّر کریں مامور فرمائیں۔ اُس کی یہ عرضداشت قبول نہ ہُوئی۔
اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تم کو خلق اللہ کا حافظ و پاسبان مقرر کیا ہے تمہارے سر پر حق ہے کہ اس
کارِ خیر میں بہمہ تن مصروف ہو اور عبادتِ معبود میں بھی شاغل رہو۔ فقیر وُہ ہے جو دل سے فقیر ہو
نہ کہ گُدڑی پہنے اور ظاہر آرائی سے فقیر بنے۔ بیت

باخدا باش و ہرچہ خواہی پوش ۔۔۔ تاج بر سر نہ و علم بر دوش

غرضکہ دو سال تک حضرت وہیں رہے اور اپنے خلفاء ملک رُوم و شام و عراق و کوہ غور
کی طرف مامور ہُوئے، وہاں سے خطۂ دلپذیر کشمیر کا عزم ہُوا اور پہاڑ کے راستہ سے کشمیر میں
پہنچے اور نواب عبدالرحمٰن کے پاس کہ اس کا باپ حضرت کے باپ کا مُرید تھا فروکش ہوئے۔

جناب کا آوازۂ کمال دُور دُور تک پہنچا، خلقِ خدا دُور دُور سے ارادت مند ہو کر خدمت میں حاضر ہوئی اور جوق در جوق لوگ آ کر مرید ہوئے۔

آپ کی کرامات دیکھ کر اہلِ کشمیر اور بھی معتقد ہوئے اور حضرت نے ایک خانقاہ بڑی عالی جاہ اپنی تجویز سے کشمیر میں تعمیر کرائی اور وہاں بیٹھ کر صبح و شام ہدایتِ حق میں مشغول رہتے۔ یہ بات دیکھ کر شیعہ ہائے کشمیر جو بہت متعصب مشہور ہیں رشک کھانے لگے اور اُن کے حسد کی آگ جوش میں آئی۔

جب کشمیر میں شیعہ و سُنّی قوم کے درمیان سخت جنگ وقوع میں آئی اور بہت آدمی مارے گئے تو یہ خبر جہانگیر بادشاہ کو پہنچی۔ اُس نے حضرت کو کشمیر سے اپنے پاس بُلا لیا اور نہایت عزت و حرمت سے معقول روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت اکبرآباد میں رہ کر عبادتِ حق و ہدایتِ خلق میں مصروف ہوئے، پھر تو یہ معمول ٹھہرا کہ جہاں بادشاہ جاتا حضرت بھی ساتھ ہوتے، اور جہانگیر آپ کے سایۂ حمایت میں رہتا تھا۔

کشمیر میں حضرت کے بڑے صاحبزادے خانقاہِ معلّٰی میں تشریف رکھتے اور مریدانِ خطۂ کشمیر کو توجہ دیتے، اور ہندوستان میں حضرت کا خانوادہ اس قدر جاری ہوا کہ اہلِ روزگار بے تعداد و بے شمار حلقۂ ارادت میں آئے۔

آخر جب جہانگیر خطۂ کشمیر کو گیا تو حضرت بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں راجوری کے متصل ایک روز لشکرِ شاہی پانی سے بہت تنگ ہوا اور دھوپ کی گرمی سے بادشاہ بھی بہت گھبرایا۔ آخر حضرت خواجہ یاد آئے۔ اُسی وقت رُو برو طلب فرما کر کہا کہ حضرت پیاس کے مارے لشکر کا حال بہت بُرا ہے اور پانی ہنوز دُور ہے، اور میں بھی گرمیٔ آفتاب سے بہت گھبرایا ہوں، تو آپ دُعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ جل جلالہٗ بارانِ رحمت نازل کرے۔ آپ بادشاہ کی یہ التماس سُن کر متوجہ

ہوئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا کہ یا الٰہی، بادشاہ اس وقت تیرے بندہ کی دعا
سے چاہتا ہے کہ مینہ برسے، میری دعا قبول ہو اور بارانِ رحمت نزول ہو۔ ہنوز خاتمۂ دعا
کی نوبت نہیں آئی تھی کہ پہاڑ کی طرف سے ابرِ سفید نمودار ہوا اور ایک لمحہ میں زیرِ آسمان
پھیل گیا اور برسنا شروع ہوا۔ اور اس قدر برسا کہ تمام چھپڑ تالاب پُر ہو گئے۔ جب نہایت
درجہ تک پہنچ گئے تو بادشاہ نے دوبارہ مینہ کی موقوفی کے لیے درخواست کی۔ آپ نے
فی الحال دوبارہ دعا کی اور مینہ برسنا موقوف ہوا۔

کشمیر میں پہنچ کر نورجہاں بیگم کی طبیعت بہت بیمار ہو گئی اور بادشاہ بھی بمرضِ ضیق النفس
بیمار تھا، آخر بادشاہ نے صحت کی دعا کے واسطے درخواست کی۔ آپ نے فرمایا تم دونوں میں سے
ایک ضرور اچھا ہو جائے گا جس کے لیے تم کہو دعا کی جائے۔ بادشاہ نے نورجہاں کی صحت
کے لیے درخواست کی۔ چنانچہ وہ اسی روز شفایاب ہوئی۔ جب جہانگیر نے کشمیر میں وفات
پائی تو حضرت بھی جہانگیر کی لاش کے ہمراہ لاہور تشریف لائے اور چندے لاہور میں رہے۔
اتنے میں شاہ جہان گدی نشین ہوا اور بروقتِ اجلاس اس نے لاکھوں روپے تقسیم کیے۔
اس نے حضرت کے لیے ایک لاکھ ٹنکہ سُرخ بھیجا مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا۔ اس نے
دوبارہ التجا کی اور نواب آصف جاہ کو خدمت میں بھیج کر اپنا بہت اخلاص ظاہر کیا۔
آپ نے وہ روپیہ قبول فرما کر کچھ خرچ عمارت خانقاہ کشمیر کے لیے بھیجا اور کچھ لاہور میں
اپنی خانقاہِ عالیجاہ پر صرف فرمایا اور باقی ماندہ محتاجین و مستحقین کو عنایت کر دیا۔ اور
شاہ جہان بادشاہ کے ہمراہ دہلی کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر ملکہ زمانی زوجہ بادشاہ
حضرت کی مُرید ہوئی اور علمائے دہلی بوسیلہ جمیلہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضرت کی خدمت
میں باریاب ہوئے اور ان میں بہت سے بشرفِ ارادت سرفراز ہوئے اور بہت سے

شاگرد علومِ ظاہری بنے۔ غرضکہ دہلی میں حضرت کا نہایت رُشد پھیلا۔ نواب وزیر خاں خاص جناب کی دعا سے اس رتبۂ عظیم کو پہنچا۔

وہاں سے جناب اکبر آباد کو تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص محمد محسن نام جناب کے منکرین میں سے تھا۔ اُس نے حضرت سے بحث و تذکرہ علومِ دینی کی درخواست کی حضرت نے قبول فرمایا اور بحث کے لیے مجلسِ عالی منعقد ہوئی۔ اس مجلس میں تمام علماء اور وزرائے سلطنت تشریف لائے۔ جب مجلس خوب گرم ہو چکی تو علمائے صاحبِ بحث کی طرف سے اوّل یہ سوال پیش ہوا کہ آپ سماع کے باب میں جو صُوفیا سنتے ہیں کیا حکم دیتے ہیں اور کیا فتویٰ لکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "ما نہ این کار می کنیم و نہ انکار می کنیم" یعنی اگرچہ نقشبندیہ حضرات سماع نہیں سُنتے لیکن انکار بھی نہیں ہے۔ کیونکہ السماع لاهله مباح ہے جو شخص سماع سُننے کے لائق ہو اس کو سماع سننے کا حکم اباحت ہے ورنہ حرام ہے۔ یعنی جو شخص عاشقِ جانبازِ حقانی ہو اور سماع کے وقت اُس کا خیال محض بذاتِ الٰہی جم جائے اور اُسی کے عشق میں اس کو ذوق و شوق ہو تو اُس کے لیے مباح ہے کہ سماع سُنے۔ اور اگر فاجر ہو اور کسی عورت یا کسی اور کے عشق میں ہو جو غیر ذاتِ الٰہی ہو تو اس کے لیے حرام ہے۔ عالمِ معترض نے جواب دیا کہ درحضورنیکہ آپ فرماتے ہیں کہ السماع لاهله مباح اور آپ بھی اولیائے وقت سے ہیں اور اپنے آپ کو عاشقِ معشوقِ حقیقی تصوّر فرماتے ہیں تو پھر کس لیے سماع نہیں سنتے اور مباح چیز سے کیوں پرہیز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سماع دردمندانِ محبت کے لیے مہلک ہے سیکڑوں اولیاء اللہ نے حالتِ سماع میں جان دے دی ہے۔ اس واسطے پیرانِ عظام نقشبندیہ نے سماع نہیں سُنا اور انکار بھی نہیں کیا۔ یہ بات سن کر وہ معترض پھر برسرِ سوال آیا اور بے ادبی سے سوال کیا۔ اس بات سے حضرت کے مزاج میں کچھ گرمی

سی نمودار ہوئی اور اس کی طرف نگاہِ تیز سے دیکھا، دیکھتے ہی وُہ زمین پر گر پڑا اور راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ یہ بات دیکھ کر سب حاضرین جو معترض کی طرف سے حامی ہو کر مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے خوفزدہ ہوئے اور حضرت کی خدمت میں آ کر معافیِ تقصیر چاہی۔ آپ نے سب کی تقصیر معاف کی، لیکن معترض مہلوک کے قریبی رشتہ دار خون کا دعویٰ لے کر شاہجہان بادشاہ کے پاس دہلی میں آئے اور بحضورِ بادشاہی خون کا دعویٰ پیش کیا۔ اِن کے دعوے کے بموجب فرمانِ شاہی حضرت کی طلب کے لیے اکبر آباد بھیجا گیا۔ اور حضرت حسب الحکم دہلی تشریف لائے۔ اس روز وُہ روز تھا کہ اوّل شاہجہان نے عمارت دیوارِ فصیل شہر پناہ شاہجہان آباد شروع کی تھی اور جشنِ عالی ہو رہا تھا۔ حضرت بھی بادشاہ کے رُوبرو تشریف لائے۔ شاہجہان نے تمام قصۂ روئدادِ مقدمہ بگوشِ ہوش سُن کر حضرت کو بری کیا اور عالم معترض کے رشتہ داروں کو بہت سا نقد و جنس دے کر خوش کیا اور حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ مناسب ہے کہ آپ لاہور تشریف لے جائیں اور وہیں رہ کر ہدایتِ خلق اللہ میں مصروف ہوں، اور اس قہر و جلال جو طبعِ مبارک میں ہے برائے خدا اس کو رحم و تلطف میں تبدیل کر کے خلق اللہ پر رحم کی نظر رکھیں۔

حضرت نے بادشاہ کی التماس قبول فرمائی اور لاہور روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے جہاں اب حضرت کا روضۂ مطہرہ ہے حضرت کا باغ اور خانقاہ تعمیر ہو رہی تھی یہاں تشریف لا کر آپ سکونت پذیر ہوئے۔ وزیر خان صوبہ دارِ لاہور نہایت اعتقاد سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مُرید ہوا اور اکثر اوقات آپ کے اور حضرت میاں میر بالا پیر لاہوری کے درمیان مسئلہ وحدتِ وجُودی میں بذریعہ تحریر سوال و جواب ہوتے تھے کہ کتبِ سیر میں اس کا ذکر درج ہے غرضکہ لاہور میں آنے کے بعد نو برس تک حضرت تشریف فرما رہے۔ اس اثناء میں بہت لوگ فیض یاب ارادت ہو کر سعادتِ دُنیا و آخرت سے بہرہ یاب ہوئے۔

جناب کا مزاج حق امتزاج اتباعِ سُنّت و دفعِ بدعت کی طرف بہت مائل تھا اور جو کوئی شخص وحدتِ وجودی اور کلمہ ہمہ اوست کا قائل ہوتا تھا اس سے حضرت کو بہت نفرت ہوتی تھی۔ حضرت احکامِ شرع کے بہت پابند تھے۔ آٹھویں دن منبر پر چڑھ کر اپنی خانقاہ کی مسجد میں جو تا حال موجود ہے وعظ فرماتے تھے۔ سینکڑوں لوگ مجلسِ وعظ میں آ کر مستفید ہوتے اور ہزارہا کفارِ نابکار ہر ہفتے میں مشرّف باسلام ہو کر مُرید بنتے۔

جناب کی وفات بقول مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیاء بتاریخ دوازدہم ماہ شعبان المعظم ۱۲۵۲ھ وقوع میں آئی اور نعش مبارک بمقام لاہور مدفون ہوئی[1] قطعہ تاریخ وفات مصنفہ مفتی صاحب موصوف یہ ہے۔ قطعہ

شہِ محمود خاوندِ ہر دو عالم — کہ ذاتش بود مسعود ابنِ مسعود،

شُد از دُنیا بخُلدِ جاودانی — بفضلِ ایزد و الطافِ معبود،

ندا شُد بہرِ سالِ ارتحالش — کہ "قطبِ اصفیا خاوند محمود"
۱۲۵۲ھ

ایضًا

چو شد زیرِ زمیں افسوس افسوس — ز دُنیا آفتابِ عشقِ محمود

وصالش "بحرِ فیض" است سرور — دوبارہ "آفتابِ عشقِ محمود"
۱۲۵۲ھ — ۱۲۵۲ھ

ایضًا

شاہ محمود چوں ز دارِ فنا — رفت و شد وصل با خدا محمود!

ہست "محمود شاہ رحمت" سال — نیز "مخدوم پارسا محمود"
۱۲۵۲ھ — ۱۲۵۲ھ

*آپ کا روضہ جی ٹی روڈ پر بیگم پورہ کے متصل اور یتیم خانہ دار الفرقان کے قریب واقع

---

[1] خزینۃ الاصفیاء میں کتاب رضوانی کے حوالے سے نقل ہے کہ جب حضرت کے ایام وفات نزدیک

(باقی حاشیہ بر صفحہ ۸۶)

ہے۔ گنبد کے اندر چبوترہ پر حضرت ایشانؒ کی قبر مبارک ہے۔ چبوترہ پر دو اور قبریں آپ کے صاحبزادے اور آپ کے خلیفہ سید میر جان لاہوری کی ہیں۔

" (تحقیقات چشتی باضافہ مؤلف)

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ـــــــ ۸۵

پہنچے تو رحلت سے پندرہ روز قبل بعد نماز عصر اپنے مرید نواب افتخار خاں عالیجاہ سے فرمایا کہ پندرہ روز کے بعد دار البقار کو رحلت ہوگی۔ جب سولہواں روز ہوا تو بروز سہ شنبہ نماز مغرب کے بعد چار بار آپ نے مولانا جامی کا یہ شعر پڑھا۔

الٰہی غنچۂ امید بکشا — گلی از روضۂ جاوید بنما

اور عشاء سے پہلے سجدہ ریز ہوئے اور جانِ عزیز جان آفرین کے سپرد کی۔ جب نعش مبارک کو غسل کے لیے تختہ صفا پر دراز کیا تو تفصاراتہ بند کی گرہ ڈھیلی ہو گئی اور قریب تھا کہ کھل جائے اور غسّال اس سے غافل تھا مگر خواجہ نے دونوں ہاتھ بڑھا کر تہ بند کی گرہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور کشفِ عورت نہ ہونے دیا۔ یہ حال دیکھ کر سب حاضرین نے اقرار کیا کہ اِنَّ اَولِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ۔ شاہجہان بادشاہ کی طرف سے جو اس وقت لاہور میں تھا، میراں سید جلال الدین صدر الصدور آپ کی تجہیز و تکفین کے اہتمام کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت ایشانؒ کی نعش کو لحد میں رکھنے کے بعد زیارت کے لیے روئے مبارک سے پردہ کفن اٹھایا تو دیکھا کہ لبِ مبارک جنبش میں ہیں گویا کچھ پڑھ رہے ہیں۔ تدفین کے بعد نواب سعید خان نے مزار پُر انوار پر گنبدِ عالی تعمیر کرایا۔ حضرت ایشانؒ کے چھ فرزند تھے۔ اوّل خواجہ تاج الدین خاوند کہ جامع علم و عمل و حال و قال تھے اور تمام عمر گناہ کبیرہ کے مرتکب نہ ہوئے۔ دوسرے خواجہ خاوند احمد جو پدر بزرگوار کے بعد سجادۂ مشیخت پر بیٹھے اور ولایت میں مقاماتِ بلند کے مالک تھے۔ تیسرے خواجہ خاوند محمد، چوتھے خواجہ معین الدین خاوند جامع کتاب عصافی جو علومِ حدیث و تفسیر میں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے شاگرد اور طریقت میں اپنے والد بزرگوار سے فیض یاب تھے۔ پانچویں خواجہ خاوند قاسم اور چھٹے خواجہ بہاؤ الدین خاوند جو والد بزرگوار کی وفات کے بعد منصبِ شاہی کو ترک کر کے مزار پُر انوار کے مجاور ہو گئے اور تاحیات مجاوری مزار پر حاضر رہے (خزینۃ الاصفیاء)

شاہ جمال لاہوری رح

قادری سہروردی، یہ حضرت دو بھائی حقیقی تھے۔ ایک شاہ جمال اور دوسرے شاہ کمال [۵۱]
یہ ہر دو صاحبان اسم با مسمّٰی صاحب جمال و کمال تھے۔ [۵۲]

حضرت شاہ جمال نے اپنا دمدمہ اوّل سات منزل تک اپنی سکونت کے لیے (اس زمانہ
میں کہ جب سرائے گولیاں والی [۵۳] بن رہی تھی) اس طرح تعمیر کرایا کہ جو راج مزدور صبح کو سرائے
گولیاں والی میں کام کرتے تھے وہی لوگ رات کو حضرت کے دم دمہ کی عمارت میں مشغول
رہتے تھے [۵۴]۔ حضرت کا یہ معمول تھا کہ اگر کوئی ایک پہر کام کرے خواہ دو پہر حضرت اسے کامل
یوم کی مزدوری معمول سے دُگنی عطا فرماتے تھے۔ جب یہ ایسا بلند ہفت منزلہ دم دمہ سنہ ۱۰۳۱ھ
میں تیار ہو چکا تو اس کے اوپر سے بڑے بڑے بلند مکانات پر نگاہ پڑنے لگی۔ اتفاقاً اس

---

۵۱ : ان کا مزار موضع اچھرہ کے قریب موضع راواں کے جنوب رویہ واقع ہے (تحقیقاتِ چشتی) شاہ کمال
بھی عابد، زاہد، صاحبِ جذب و ذکر و شغل تھے۔ (حدیقۃ الاولیاء)

۵۲ : خزینۃ الاصفیاء میں حضرت شاہ جمال لاہوری کے حال میں لکھا ہے کہ "شیخ بود جامع کمالات ظاہری و
باطنی و جمالِ صوری و معنوی مظہرِ جلال و مصدرِ کمال"۔

۵۳ : یہ سرائے بڑی سرائے تھی اور پندرہ بیس ہزار آدمی اس میں سما سکتے تھے (یادِ رفتگاں)

۵۴ : حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ "چنانچہ یہ کام اسی طرح ہوتا رہا ایک رات آدھی رات کے وقت تیل ختم ہو گیا۔
حضرت نے حکم دیا کہ بجائے تیل کے پانی چراغوں میں ڈال دو۔ خدا کی قدرت سے وہ پانی تیل کی طرح جلا [illegible]

دم دمہ کے نواح میں کسی شہزادی (بنت اکبر بادشاہ) کی حویلی تھی[1]۔ اُس نے دیکھا کہ اس سے ہماری بے ستری منصوّر ہے ؛ چنانچہ وہ ناراض ہُوئی اور حضرت کو کہلا بھیجا کہ اگر کوئی امیر ایسی حرکت کرتا تو سزا پاتا ، مگر تُو فقیر ہے ، تجھے کچھ نہیں کہا جاتا ، لازم ہے کہ اس کو گرا دو۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا ہم اس مکان کو نیچا کر لیتے ہیں مگر یاد رہے کہ تیری حویلی کا بھی عنقریب نام و نشان نہ رہے گا۔ ازاں بعد آپ نے بوقتِ شب وحال یعنی رقص بحالتِ وجد عارفانہ کیا اور دم دمہ وہ منزلہ جو اب موجود ہے باقی رہ گیا۔ بقیہ پانچ منزلیں زمین میں غرق ہو گئیں۔ یہ کرامت دیکھ کر سب لوگ حضرت کے معتقد اور مطیع جاں نثار ہُوئے۔ اور فقیر و امیر میں حضرت کا چرچا پھیل گیا اور اکثر لوگ آپ کی خدمت میں حصُولِ فوائد کے لیے آنے لگے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک ہندو قوم کھتری پہل مسمّی سوھوبل کہ آپ کی خدمت میں بہت مدّت سے بحصُولِ اولاد حاضر ہوتا تھا حاضر ہُوا اور آپ کی خدمت میں چند خربوزے بطریقِ نذر لایا۔ آپ نے اُن میں سے دو خربوزے اس کو عنایت فرما دیے اور خود مشغولِ نماز ہوئے۔ اُس نے سمجھا کہ آپ نے یہ خربوزے اُس کو زاشتنے کے لیے عنایت کیے ہیں اس خیال سے وہ خربوزوں کو چھیلنے لگا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہُوئے تو وہ ایک خربوزہ چیر چکا تھا اور ایک باقی تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے یہ کیا کیا ہم نے تو تجھے دو خربوزے بدیں مراد دیے تھے کہ تُو گھر میں لے جائے اور اپنی زوجہ کو کھلائے تیرے گھر میں جنابِ الٰہی سے دو فرزند نرینہ عطا ہوں ، اب تو نے ایک خربوزہ چیر ڈالا مگر جو باقی ہے اُس کو گھر میں لے جا اور عورت کو کھلا ، اگر تیرے گھر میں دو خربوزے ثابت جاتے تو دو بیٹے پیدا ہوتے ۔ اب بھی دو فرزند

---

[1] : صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے شہزادی کا نام سلطان بیگم دختر اکبر بادشاہ لکھا ہے۔ (مؤلف)

زندہ ہوں گے مگر فرق اتنا ہے کہ ایک ہندو اور ایک مسلمان ہمارا خادم ہوگا۔ تجھ کو لازم ہے کہ ایک بیٹا ہماری نذر کرنا۔ بعد چندے اُس کے گھر میں بیٹا تولد ہوا۔ اس سے اُس شخص کی ارادت اور زیادہ ہوئی۔ قدرتِ الٰہی سے چار سال کے بعد ایک اور لڑکا تولد ہوا مگر وہ مجنون پیدا ہوا۔ یہ دیکھ کر وہ دل کچھ خوش اور کچھ حیران ہو کر اس کو حضرت کی خدمت میں لے آیا۔ آپ نے اس کا نام شیخ فخر الدین رکھا۔ جب وہ بڑا ہوا تو حضرت نے اس کو محلہ چونے موری لاہور میں ایک مکان خرید دیا۔ شیخ فخر الدین حضرت کا دل سے خادم، جاں نثار صاحبِ عیال و اطفال ہو کر اس مکان میں رہنے لگا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ شاہ جمال صاحب نے وہاں زیرِ مکان تشریف لا کر آواز دی کہ اے فخر الدین اپنا عیال و اسباب اس گھر سے باہر نکال لے۔ اُس نے اُسی وقت سب کچھ نکال کر عرض کی کہ اب گھر میں ظروفِ گلی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا قدرتِ الٰہی سے فوراً وہ مکان گر پڑا۔

حضرت شاہ جمال کا مقبرہ عالیہ بنام نہاد "دمدمہ حضرت شاہ جمال" شہر لاہور سے جنوب کی طرف اور موضع اچھرہ سے بجانبِ شرق واقع ہے[1]۔ یہاں ایک حجرہ قالبوتی تھا جس میں آپ چلہ حیات داخل ہوئے اور اس کا تنبہ فخر الدین سے کہہ کر بند کرا دیا۔ اس بارے میں تمام شیخ لوگ (جو شیخ فخر الدین کی اولاد سے ہیں) متفق البیان ہیں کہ حضرت چلہ حیات اس میں بہت عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اس میں چلہ بیٹھے تھے۔ قدرتِ الٰہی سے تیس روز کے بعد کہ ابھی چلہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ

---

[1]: حضرت شاہ جمال کا مقبرہ موضع اچھرہ سے بجانبِ شرق شاہ جمال روڈ پر واقع ہے۔ مقبرہ دو منزلہ وسیع ٹکڑے پر ہے۔ مزار پر اب گنبد بنا ہوا ہے اور ایک طرف چھوٹی سی مسجد ہے۔ شیخ فخر الدین اور اس کی زوجہ کی قبریں گنبد مزار سے باہر ہیں۔ (مؤلف)

بیرونی دروازے کی سقف گر گئی اور آپ بیچ میں آ گئے۔ خدام نے چاہا کہ حضرت کو نکالیں مگر اندر سے آواز ہوئی کہ جو کچھ ہونا تھا سو ہوا۔ اب ہمارا پردہ فاش نہ کرو بلکہ لازم ہے کہ حجرے کا دروازہ بند کر کے اُوپر قبر کا نشان بنا دو۔ پس اُسی وقت تعمیلِ حکم ہوئی۔

بعض اشخاص بیان کرتے ہیں کہ یہ حجرہ اُس وقت بھی اسی طرح تھا آپ اس میں بوقتِ ظہر تشریف لے جا کر بوقتِ عصر باہر آیا کرتے تھے۔ ایک روز چہارم ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ کو بروز پنجشنبہ حضرت نے حسبِ معمول اندر تشریف لے جا کر خدام کو حکم دیا کہ دروازہ باہر سے مسدود کر دو۔ شیخ فخر الدین نے تعمیل کی۔ پھر خواب میں ارشاد فرمایا کہ اوپر نشانِ قبر بنا دو۔[ل]

شجرہ ان کا یہ ہے کہ حضرت شاہ جمال صاحب کے مرشد کا نام حضرت مخدوم لکڑا بیگ اور وہ خادم حضرت شاہ نصرت کے اور وہ حضرت معروف شاہ کے اور وہ حضرت جعفر دین کے اور وہ حضرت فیروز بن کے اور وہ حضرت شاہ شہاب الدین سہروردی کے اور وہ حضرت جنید بغدادی اور وہ مرید حضرت سری سقطی کے اور وہ مرید حضرت معروف کرخی کے اور وہ حضرت حبیب عجمی کے اور وہ حضرت داؤد طائی کے اور وہ حضرت حسن بصری کے اور وہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے رضی اللہ عنہم۔

تاریخِ وفات حضرت شاہ جمال کی بروز پنجشنبہ چہارم ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ ہے[لا] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

لہ: آپ کے مزار کی نسبت یہ خبر آج تک مشہور چلی آتی ہے کہ اگر کوئی شخص عرس کی رات کے علاوہ کسی اور رات وہاں شب باشی کرے تو اس کو وہاں شیر دکھائی دیتے ہیں اور نہایت ہیبت اور خوف آتا ہے۔ (یادِ رفتگاں)

لاہ: حدیقۃ الاولیاء میں ان کی تاریخِ وفات چودھویں ماہ ربیع الثانی ۱۱۴۹ھ اور خزینۃ الاصفیاء میں چہارم ماہ ربیع الثانی ۱۱۴۹ھ درج ہے۔ تحفۃ الابرار میں بھی یہی تاریخ لکھی ہے۔ (مؤلف)

شاہ بلاولؒ

حضرت شاہ بلاول کا مولد موضع شیخوپورہ ہے جو لاہور سے بفاصلہ بارہ کوس غرب رویہ ہے۔ یہ پیر شیخ شمس الدین مرید شاہ ابو اسحاق[1] کے مرید ہیں۔ شاہ ابو اسحاق کا مقبرہ موضع مزنگ میں ہے اور وہ حضرت داؤد بندگی کے مرید ہیں جن کا مزار شیر گڑھ میں ہے اور وہ مرید سید حامد صاحب کے اور وہ شمس الدین محمد کے اور وہ اپنے والد سید مبارک علی کے اور وہ اپنے والد سید احمد کے اور وہ اپنے باپ سید صفی الدین کے اور وہ اپنے باپ ابی نصر کے اور وہ جناب غوث الاعظم سید محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے۔

یہ حضرت دائم الصوم اور قائم اللیل شب بیدار تھے۔ ہمیشہ رات دن ان کا لنگر جاری رہتا حتیٰ کہ جو کوئی ان کے ہاں آتا تھا کھانا کھائے بغیر جانے نہ پاتا تھا۔ ان کے ہاں دستہ بندی اسناد خواجہ بمقام قبر مشہور تھا۔ اکثر اشخاص مریضوں کے لیے پانی کا کوزہ آپ کے پاس لے جاتے تھے اور حضرت کچھ پڑھ کر اس پر دم کر دیتے۔ پانی پیتے ہی مریض اچھے ہو جاتے تھے۔

کتاب محبوب الواصلین سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شاہ بلاول کے بزرگ ہمایوں شاہ کے ساتھ ہندوستان میں آئے اور ان کا اصلی وطن ہرات تھا۔ جب ہندوستان میں ہمایوں کی حکومت بخوبی قائم ہو گئی تو انہوں نے وطن جانے کی اجازت چاہی۔ ہمایوں نے رخصت نہ دی اور کمال مہربانی سے

---

[1] شیخ ابو اسحاق قادری کا حال آگے آئے گا۔ (مؤلف)

ان کو موضع شیخو پورہ کہ جس کا نام اوّل کچھ اور تھا عطا کر دیا تھا تاکہ حضرت کے بزرگ وہاں رہیں، چنانچہ وہ وہاں رہنے لگے[1]

حضرت شاہ بلاول اکثر اوقات یہ شعر پڑھا کرتے تھے : شعر

زندگی مقصود بہر بندگیست ۔۔۔ زندگی بے بندگی شرمندگیست

صاحب محبوب الواصلین اپنی کتاب میں جو انہوں نے خاص حضرت کے حال میں تالیف کی ہے لکھتا ہے کہ آپ کو ایّام طفولیت میں زہد و ریاضت کا شوق تھا چنانچہ آپ اکثر اوقات کتاب نام حق کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے : شعر

یا الٰہی بدہ تو توفیقم ۔۔۔ راہ بنما بسوئے تحقیقم

ایک روز حضرت بعالم طفولیت لڑکوں میں کھیل رہے تھے کہ ایک عورت روتی چلاتی ہوئی وہاں سے گذری۔ جب حضرت نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ اے مائی تجھ کو کیا ہوا ہے کہ ایسے سوز سے روتی ہے۔ اُس نے کہا کہ میرا وہ لڑکا جو آپ سے کھیلا کرتا تھا مر گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ مرا نہیں سوتا ہوگا۔ چل تاکہ ہم اس کو دیکھیں۔ وہ عورت آپ کو ہمراہ لے گئی۔ جب حضرت اُس کے سرہانے پہنچے تو اس کو فرمانے لگے کہ اُٹھ اے یار! کھیل کے وقت کیوں سوتا ہے۔ وُہ لڑکا فی الفور جیسے کوئی سوتے ہوئے اُٹھتا ہے اُٹھ کھڑا ہوا۔ جب حضرت کی یہ کرامت مشہور

---

[1] : مآثر لاہور بحوالہ تحفۃ قوتی میں ہے کہ "شاہ بلاول قادریہ سلسلہ کے ایک بزرگ تھے۔ ان کے والد کا نام سیّد عثمان اور دادا کا نام سیّد عیسیٰ تھا۔ سیّد عیسیٰ ہمایوں بادشاہ کے ساتھ ہرات سے ہندوستان آئے۔ بادشاہ نے وہ علاقہ جاگیر میں دیا جہاں آج قلعہ شیخو پورہ مع ملحقات آباد ہے۔ شاہ بلاول یہیں پیدا ہوئے اور اکبر کے زمانہ میں لاہور آ گئے۔ یہاں آ کر مولوی ابو الفتح سے علوم ظاہری اور شیخ شمس الدین قادری (وفات ۱۰۱۲ھ) سے علوم باطنی حاصل کیے۔"

ہوئی تو حضرت کے جدّ بزرگوار حضرت عیسٰی نے حضرت کے والد شیخ عثمان سے کہا کہ شاہ بلاول کو لاہور لے جاؤ۔ اس کی جگہ ہم میں نہیں۔ حضرت کے جدِ ماجد اور والد بھی ولیِ کامل تھے۔ اس وقت حضرت کی عمر ہفت سالہ تھی کہ حضرت کے والد ان کو لاہور میں لے آئے اور شیخ فتح محمد المشہور شیخ فتا کی مسجد میں پڑھانے بٹھلایا۔ روزِ اوّل جو اُستاد نے اِن کے آگے قاعدہ رکھا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد کہا کہ پڑھو، الف، ب، ت، اُنہوں نے تمام قاعدہ پڑھ سنایا۔ دُوسرے روز سیپارہ عم یتساءلون کہ آخرین سیپارہ قرآن شریف ہے، ان کے آگے رکھا۔ آپ اس کو بھی پڑھنے لگے اور بے مدد اُستاد چند آیات پڑھ کر سنائیں۔ اُستاد کو خیال ہوا کہ شاید یہ لڑکا آگے ہی پڑھا ہوا ہے۔ الغرض پہلے ہی دن آپ نے نصف قرآن ختم کر لیا۔ دُوسرے روز اُستاد نے آپ کے باپ سے پوچھا کہ آپ کے بیٹے نے پہلے بھی اپنے وطن میں قرآن پڑھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ اُستاد نے یہ بات سُن کر تعجب کیا۔ حضرت کے والد نے کہا کہ ان کا معاملہ ایسا ہی ہے یہ کامل ولی ہوں گے۔ چنانچہ اُستاد بھی ان کا ادب کرتا تھا۔

بعد ازاں حضرت نے چھ مہینے میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ جب یہ امر مشہور ہوا تو آپ کو چشم زخم ہوا اور بیمار ہو گئے اور بہت ضعیف و کمزور ہوئے۔ ان کے والد اس بات سے بہت متردد تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ اُن کے والد گھر سے باہر نکلے۔ ایک شخص کے ہاتھ میں حضرت شیخ سعدی کی کتاب گلستان تھی۔ انہوں نے اس سے کتاب لے کر فال نکالی۔ اتفاقاً فال کھولنے کے وقت یہ شعر برآمد ہوا۔ شعر

شخصے ہمہ شب بر سرِ بیمار گریست،

چوں روز شد آں بمرد و بیمار بزیست

مضمون فال سے اُن کو یقین ہوا کہ شاہ بلاول اچھے ہو جائیں گے اور ہم مر جائیں گے۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت اچھے ہو گئے اور ان کے والد فوت ہو گئے۔

جب یہ حضرت بتیم ہو گئے تو ایک روز آپ کے خیال میں گزرا کہ کچھ لکھنا بھی سیکھنا چاہیے۔
اس فکر میں بازار لاہور میں جہاں مسجد وزیر خاں ہے سیاہی اور قلم خریدنے کے لیے تشریف لائے
وہاں ایک رحیم القلب شخص نے آپ کو دیکھا اور کہا کہ میرے یہاں سیاہی کی ایک بہت اچھی
ترکیب ہے اگر آپ کو مطلوب ہو تو وہ سیاہی کم خرچ اور بہت مفید ہے۔ آپ نے اس کا
نشان پوچھا۔ اس نے شاہدرہ بیان کیا۔ آپؒ اس کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب گزر راج
گھاٹ پر پہنچے اور مستعد تھے کہ کشتی پر سوار ہوں کہ اسی اثنا میں جناب شمس الدین شمس الآفاق
کشتی سے اترے اور اترتے ہی اپنا دست مبارک اُن کے سر پر رکھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے
آپ کو ان کاموں کے واسطے پیدا نہیں کیا، آپ کو لازم ہے کہ میری صحبت میں رہو۔ آپ
نے یہ بات سنتے ہی قبول کی اور ان کی صحبت میں حاضر رہے اور اُن کی خدمت میں بیعت
کی۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ اپنے پیر کے پا رکاب سیر کے لیے تشریف لے گئے۔ جب
موضع شاہ معلّی میں پہنچے تو ہوا گرم تھی، اور وہاں ایک سایہ دار درخت تھا۔ حضرت کے پیر آپ
کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ اس کے بعد ایک شخص آیا اور اس درخت پر چڑھ گیا۔ اور کچھ
لحاظ ادب نہ کیا اور لکڑیاں توڑ توڑ کر نیچے پھینکنے لگا۔ آپ نے اس کو منع کیا۔ وہ باز نہ آیا۔
آپ کو خفگی ہوئی اور بنظر خفگی اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسی وقت درخت سے گر کر مر گیا۔ جب
حضرت کے پیر بیدار ہوئے تو ایک شخص کو مرا دیکھ کر احوال دریافت کیا۔ آپ نے تمام عرض
کیا۔ وہ سُن کر فرمانے لگے کہ اے فرزند! فقیر کو جلال نہ چاہیے۔ اور حکم دیا کہ محلۂ ابو اسحاق

میں جاؤ اور اپنے حجرہ میں بیٹھو، چنانچہ آپ وہاں جا بیٹھے اور ہمیشہ دائم الصّوم اور قائم اللّیل رہنے لگے۔ بوقتِ افطار ایک چُلّو پانی کا اور قدرے نانِ جویں کھاتے تھے، چنانچہ اب تک وہ مسجد موجود ہے۔

کرامات اُن کی عدیدہا ہیں، مگر اب ایک دو کرامات کتاب محبوب الواصلین سے نقل کرتا ہوں۔ آپ کے محلّہ میں ایک شخص کے گھر میں فرزند تولّد ہوا۔ اور پنجاب میں رسم ہے کہ جس کے ہاں بیاہ ہوتا ہے یا فرزند تولّد ہوتا ہے تو مخنّث اور نقّال بدھائی لینے آتے ہیں اور صاحبِ شادی حتی المقدور ان کو نقد و جنس دیتا ہے۔ چنانچہ اُس کے گھر میں بھی یہ لوگ آئے اور گانے بجانے لگے۔ چونکہ وہ شخص غریب تھا اور ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ کو اُس کا حال کشف سے ظاہر ہوا۔ حجرہ مبارک سے مٹی کا آفتابہ لے کر باہر آ گئے اور وہ آفتابہ دیوار کو مارا اور خود حجرہ مبارک کے اندر چلے گئے۔ آفتابہ دیوار سے لگ کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور اُس کے تمام ٹکڑے طلائی بن گئے۔ نقّال اور مخنّث لوگ وہ ریزے اٹھا کر لے گئے۔ بعد چند مدّت حضرت کے پیر کا حکم آیا کہ نقل مکان کریں۔ چنانچہ آپ وہاں سے اُٹھ کر قریبِ دریائے راوی جہاں حضرت کا مزارِ پُر انوار واقع تھا آ رہے۔ کہتے ہیں کہ اس وقت یہاں ایک چشمۂ آب تھا اور اس پر بیر کے درخت تھے۔ آپ نے یہاں آتے ہی فرمایا کہ یہ مکان ہمارا مدفن ہے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ رات کو آپ کے ہاں ایک چور آیا۔ چونکہ باورچی خانہ میں بہت اسبابِ شاہانہ موجود رہتا تھا چور نے چاہا کہ کچھ چُرائے۔ قدرتِ الٰہی سے چور نابینا ہو گیا اور اسی حالت میں ایک کوٹھڑی میں جا چھپا۔ دوسرے روز جب حسبِ دستور کہ ہزارہا لوگ مسافر وغیرہ آپ کے باورچی خانہ سے روٹی کھاتے تھے۔ نانِ چپاتی

تقسیم ہونے لگے۔ آپ نے بعد فراغت تقسیمِ طعام باورچی خانہ کے مالک کو بُلا کر فرمایا کہ فلاں حجرہ میں جاؤ، وہاں ایک شخص رات کو بھوکا بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو کھانا کھلاؤ۔ جب وہ وہاں گیا تو ایک چور دیکھا، پھر آ کر تمام حال آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو کھانے کا دو چنداں حصہ دو کہ وہ رات کا بھی بھوکا ہے۔ الغرض طعام کھلانے کے بعد اُس کو کچھ عطا فرما کر رخصت کیا۔ وُہ عرض پرداز ہوا کہ حضرت میں رات سے نابینا ہو گیا ہوں۔ آپ خدا سے مجھ کو آنکھیں بھی دِلوادیں اور میں توبہ کرتا ہوں کہ پھر چوری نہ کروں گا۔ آپ نے اُس کے مُنہ پر دستِ شفقت پھیرا تو وُہ فی الفور بینا ہوا اور خوش و خرّم ہو کر چلا گیا۔

اوقات بسری ان حضرت کی یہ تھی کہ یہ ہمیشہ دائم الصّوم اور قائم اللّیل رہتے تھے اور کسی وقت سوائے یادِ الٰہی کے آپ کو کچھ کام نہ تھا۔ اور متشرّع ایسے تھے کہ جو شخص غیر شرع ہوتا تھا حتیٰ کہ اگر کوئی تمباکو نوش بھی ہوتا تو اُس کو مُنہ نہ لگاتے تھے۔ اور مسجد میں نماز پنج گانہ با جماعت گذارتے تھے۔ حضرت ہمیشہ لباسِ فاخرہ پہنتے تھے اور حضرت نے مدّت الیمر چند سیر آرد جَو تناول فرمایا ہے۔ کئی روز تک آپ کو بحالتِ صوم گذر جاتے تھے کہ کھانا کھانے کی حاجت نہیں ہوتی تھی۔ تقسیمِ اوقات یہ تھی کہ آپ صبح سے گیارہ بجے تک مراقبہ میں مشغول رہتے تھے بعد ازاں دوپہر تک مُریدان و خادمان و اشخاصِ زائرین سے صحبت فرماتے تھے اور بوقتِ زوال قدرے قیلولہ فرماتے تھے اور پھر دو بجے نمازِ ظہر ادا کرتے اور نمازِ عصر تک متوجہ بحق رہتے تھے۔ اس عرصہ میں ہزاروں لوگ باُمیدِ شفائے بیماران حضرت کے پاس پانی لاتے اور دم کرا کے لے جاتے تھے اور اس وقت ہمیشہ آپ کے ملازم و منشی سفارشوں کی تحریر کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حکّام کے نام حاجتمندوں

کے رقعہ ہائے سفارش تحریر کرتے، اور جو رقعہ لکھا جاتا تھا اس کی لوح پر یہ لفظ تحریر ہوتا تھا۔
اللہ بس ما سوی اللہ ھوس، اور امراء و حکام وقت حضرت کی سفارش ایسے مانتے تھے
کہ خواہ رُقعہ دار خونی ہوتا تو بھی رہائی پا جاتا۔ اس میں وقتِ شام ہو جاتا تو روزہ بجُز عذر آپ
افطار کر کے نمازِ مغرب ادا کرتے، پھر خلوت میں جا کر چند رکعات نوافل ادا کرتے رات کے
۹ بجے دسترخوانِ طعام حاضر ہوتا تھا اور اس وقت ہر قسم کے اطعمہ لذیذ موجود ہوتے جو تمام فضلاء
و اکابر و فقراء کھاتے تھے۔ آپ کے واسطے ساگ چولائی یا جو ساگ اور ایک نانِ جو حاضر
ہوتا تھا۔ اِس میں سے آپ برائے رفع ہرج آپ نوشی ایک یا دو لقمہ نوشِ جاں فرماتے اور
بقیہ بطورِ تبرک تقسیم حاضرین ہو جاتا، اور ساگ چولائی اور جو ساگ یہ دونوں ساگ سبزی کی
قسم سے ہیں جو جنگل میں از خود پیدا ہوتے ہیں۔ ان دونوں ساگ سے حضرت کو بڑی محبت
تھی۔ اس کے بعد حضرت خود اُٹھ کر دریافت فرماتے کہ حاضرینِ خانقاہ سے کوئی شخص بھوکا
نہ رہ جائے۔ بعد ازاں نماز عشاء پڑھ کے مراقبہ فرماتے اور خلوتِ خاص ہوتی تھی۔ اس وقت
کوئی شخص آپ کے حاضر نہ ہو سکتا تھا۔ چونکہ آپ کا بہت بڑا لنگر تھا۔ اس واسطے ہمیشہ
آپ کا دستور تھا کہ خادموں سے دو وقت دریافت فرماتے کہ کھانا سب مسافروں کو
پہنچ گیا ہے یا نہیں۔

حضرت کی عمر بہتر سال کی ہوئی۔ ابتدائے عہد ظہور جہانگیری عہد میں تھا اور وفات
جلوسِ شاہجہانی کے بارھویں سال ہوئی۔ صاحب محبوب الواصلین لکھتا ہے کہ شاہجہان
بادشاہ دو دفعہ آپ کی خدمت میں مع شاہزادگان کے حاضر ہوا۔ ایک دفعہ حاضر ہو کر یہ التماس
کی کہ آپ دُعا کریں کہ میرا بیٹا دارا شکوہ ولی عہد ہو۔ آپ نے مراقبہ کر کے کہا کہ دارا شکوہ
آپ کے سایہ ہی میں بوڑھا ہوگا۔ شاہجہان اس بات سے خوش ہوا اور دارا شکوہ

نے سمجھ لیا کہ میں بادشاہ نہ ہوں گا۔ دارا شکوہ نے شاہ بیگم سے جو اس کی ہمشیرہ تھی جا کر شکایت کی کہ مجھ کو حضرت شاہ بلاول سے یہ اُمید نہ تھی کہ یہ اشارہ کریں گے کہ دارا شکوہ بادشاہ نہ ہو گا۔ بادشاہ بیگم نے یہ سن کر اپنی بہلی منگوائی اور اس پر غلافِ کہنہ ڈال اور کچھ نذر منجانب دارا شکوہ ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور راہ میں یہ خیال کیا کہ اگر حضرت آج مجھ کو چولائی کا ساگ روٹی سے کھلائیں تو میں جانوں گی کہ یہ ولیِ کامل ہیں حالانکہ وہ ساگ چولائی کا موسم نہ تھا۔ جب شاہزادی خانقاہِ دارالاجابہ میں حاضر ہوئی تو حضرت نے خادمِ مطبخ سے فرمایا کہ بادشاہ بیگم کے واسطے نانِ گندم اور ساگِ چولائی حاضر کرو۔ اُس نے عرض کی کہ یا مولیٰ اس موسم میں چولائی کا ساگ کہاں مل سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ ہمارے باغیچہ میں دیکھو ملے گا۔ جب وہ گیا تو ایک تختہ ساگ چولائی کا نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ساگ حضرت کی کرامت سے بے موسم موجود ہو گیا۔ ورنہ پہلے وہاں دیکھ چکا تھا کہ ساگ چولائی کا ایک پتا بھی نہ تھا الغرض نانِ گندم اور ساگ تیار کر کے لایا اور شہزادی کو کھلایا اور اس کو حضرت کی ولایت کا یقین کامل ہو گیا۔ اس کے بعد اُس نے عرض کی کہ یا مولیٰ حضرت میاں میر بحق دارا شکوہ فرما چکے ہیں کہ وہ بادشاہ ہو گا، آپ بھی دُعا فرمائیں کہ بندہ حضرت کی دُعا کا اُمیدوار ہے اور اس کی یہ نذر قبول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت میاں میر عارفِ حق آگاہ ہیں جو کچھ آپ نے فرمایا ہے درست ہے مگر یہ بات امتحان کی ہے جو کوئی زندہ رہے گا خود دیکھ کر تجربہ کرے گا۔ اور نذر بھی واپس کر دی۔ بادشاہ بیگم جب دارا شکوہ کے پاس گئی اور تمام ذکر سنایا تو وہ غم ناک ہوا۔[1]

---

[1] : دارا شکوہ اپنی کتاب سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ یہ فقیر بھی آپ کی حاضری دے چکا ہے۔ آپ کے چہرہ پر ریاضات و مجاہدات کے نشانات ظاہر تھے۔ روزانہ کافی لوگ آپ کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔ جو بھی آپ کی خدمت میں جب کبھی آتا اس کے لیے ماحضر پیش فرماتے۔ لوگ بیماروں کو شفایاب کرنے کے لیے ہمیشہ پانی کے کوزے لے کر حاضر ہوتے۔ شیخ دُعا پڑھ کر اس پر دم کرتے۔ اس طرح سینکڑوں بیمار شفایاب ہوئے۔"

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نواب آصف خاں نے بے تحقیق بحضور شاہ جہان جا کر عرض کی کہ جناب شاہ بلاول صاحب شیعہ ہیں۔ بادشاہ یہ سخن سن کر متعجب ہوا اور دوبارہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر ذکر شروع کیا کہ یا مولیٰ مذہب شیعہ کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پلید تر از سگ چونکہ شاہ جہان بڑا دیندار تھا تسلی پا کر آصف خاں کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ تو نے بھی سنا کہ یہ کیا معاملہ ہے جو تجھ سے وقوع میں آیا۔ وہ نہایت شرمندہ ہوا۔

بعد ازاں شاہ جہان نے حضرت کا خرچ مطبخ دیکھ کر عرض کی کہ مدد خرچ مطبخ کے لیے دو گاؤں قبول فرمائیں۔ آپ نے قبول نہ فرمایا اور رجاً یہ شعر فرمایا ؎

دہ نمی خواہیم روزی می خوریم ۔۔۔ ما نہ پندارم روزی دہ وہ است

شاہ جہان یہ اتقا دیکھ کر حضرت کا زیادہ تر معتقد ہوا۔

ایک روز شاہ جہان چند روپیہ نقد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور روپیہ پیشکش کیے۔ آپ نے قبول فرمائے اور خادم مطبخ کو عطا کیے اور فرمایا کہ خرچ میں صرف کرے۔ شاہ جہان نے عرض کی کہ یا حضرت میں آج یہ روپیے کر اوّل میاں میر صاحب کی خدمت میں گیا تھا انہوں نے یہ روپیہ قبول نہ فرمایا اور آپ نے فرمایا، اس کا کیا باعث ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میاں میر صاحب ملکی صفات ہیں اور عالم تجرید و تفرید میں یگانہ ہیں کام دنیا کی طرف ان کی توجہ بالکل نہیں ہے، اور ہم نے ساکنین و مسافرین درویشان کی خدمت گاری پہ کمر باندھی ہوئی ہے۔ اور درویش لوگ یہاں آ کر آرام پاتے ہیں، البتہ ہم کو روپیہ مطلوب ہوتا ہے۔ اتفاقاً اسی روز شاہ جہان پھر میاں میر صاحب کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا حضرت آپ نے وہ روپیہ پیشکش بندہ قبول نہ فرمایا اور حضرت شاہ بلاول نے قبول کر لیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ولی کامل دریا کے مانند ہیں اور ہم بیچارہ تالاب ہوں۔ دریا میں اگر کوئی پلید

چیز پڑ جائے تو دریا پلید نہیں ہو جاتا لیکن تالاب پلید ہو جاتا ہے۔ شاہجہان بادشاہ جب اپنے دولت خانہ میں گیا تو سجداتِ شکرانہ ادا کیے کہ الحمد و المنۃ میرے زمانۂ بادشاہی میں ایسے ایسے اولیائے کامل اور ولیِ اکمل ہیں۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ ابو طالب منصب دار جو آپ کا معتقد تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا مولیٰ میری جاگیر میں بارش نہیں ہوئی اس باعث سے فصل خراب ہو رہی جاتی ہے آپ دعا کریں کہ وہاں بارش ہو۔ اسی وقت ایک قطعۂ ابر آپ کے سر پر نمودار ہوا اور آپ نے ابر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ابو طالب کی جاگیر میں جاؤ اور برسو۔ ابر اسی وقت گم ہو گیا۔ ابو طالب نے وہ دن اور وقت لکھ لیا۔ چند روز کے بعد خبر آئی۔ کہ اسی دن اور اسی وقت وہاں بارش ہوئی۔

آپ کا مقبرہ شرق رویہ دروازہ باغیچہ دینا ناتھ اور شمال رویہ راستہ قدیم شالا باغ واقع ہے[1]۔ پہلے حضرت کی قبر لبِ دریا واقع تھی چنانچہ وہ جگہ اب تک شاہ بلاول کا بن مشہور ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں بدیں سبب کہ اگلے مقبرہ کے متصل دریا آ گیا تھا حضرت کا صندوق وہاں سے نکلوایا گیا اور یہاں لا کر دفن کیا گیا اور راجہ دینا ناتھ نے یہ چاردیواری بنوا دی۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت کا صندوق نکلوانے کے لیے آپ کا مقبرہ کھدوایا گیا تو نیچے سے تہ خانہ کی چھت کے ساتھ کنڈا لگا تھا اور کنڈے میں زنجیر آہنی ڈال کر حضرت کا صندوق

---

[1]: آپ کا مزار گھوڑے شاہ روڈ پر حضرت گھوڑے شاہ کے مزار سے کچھ فاصلے پر اور باغ راجہ دینا ناتھ (جو اب مائی کا باغ کہلاتا ہے) کے متصل ہے۔ مزار شریف بے گنبد اور بے سقف بہت معمولی حالت میں ہے۔ (مؤلف)

تہ خانے میں لٹکایا ہوا تھا۔ وہاں سے صندوق اتار کر یہاں لائے اور وہ صندوق اس مقام پر دفن کیا۔[1]

ان کی وفات شب دوشنبہ ۸ ؍ شعبان ۱۰۴۶ھ میں ہوئی اور مدت العمر حضرت کی ستر سال ہوئی۔ مفتی غلام سرور صاحب نے جو تاریخ بامید اندراج بھیجی وہ یہ ہے: قطعہ

جنابِ شاہ بلاول شاہِ والا جاہ لاہوری
بود بر روحِ پاکِ وہزاراں برکت و رحمت

سفر چوں کرد زیں دارِ فنا سوئے بقا آخر
ندا آمد "یکے زاہد بلاول زینتِ جنت"
۱۰۴۶ھ

ایضاً

جنابِ شاہِ بلاول شاہ والا
کہ بود او شیخ کامل پیر اکمل

بتاریخ وصالِ او خرد گفت
بگو "ہادی ولی افضل بلاول"
۱۰۴۶ھ

---

[1] : "مآثر لاہور" مولفہ فوق میں ہے کہ "شاہ بلاول موضع بھوگیوال کے متصل دریا کے کنارے دفن ہوئے ان کے مزار پر عالی شان گنبد بنایا گیا۔ باغ بھی مزار کے ساتھ ہی تعمیر ہوا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں دریا نے رخ بدل کر مقبرہ کی ایک دیوار گرا دی۔ مہاراجہ کے حکم سے فقیر نورالدین نے ان کی لاش جو صندوق میں تھی قبر سے نکلوا کر راجہ دینا ناتھ کے باغ کے متصل دفن کرا دی۔ لکھا ہے کہ جس دن ان کا تابوت قبر سے نکالا گیا ہزارہا مسلمان زیارت کو گئے۔ دو سو سال بعد بھی نعش بارسنوروپی کی ویسی تھی۔ دوبارہ نماز جنازہ پڑھائی گئی۔"

سید مٹھا لاہوری[1]

لاہور کے بزرگوں میں سے یہ بزرگ آج تک مرجع خاص و عام ہیں اور حضرت کی بزرگی کا حال زبان زدِ خورد و کلاں ہے۔ ان کا اصلی نام سید ابی غفار حسینی ہے، اور ان کا شمار اعاظم سادات و کبریٰ مشائخ وقت میں ہے۔ ان کے آبائے کرام خوارزم میں تشریف رکھتے تھے۔ جب خوارزم کی ولایت پر چنگیز خاں کا دخل ہوا اور شاہان خوارزم کی سلطنت جڑ سے اکھڑ گئی اور وہ ملک ویران و تباہ ہو گیا تو ان کے والد ماجد سید جمال الدین نے ہندوستان کا راستہ لیا اور لاہور میں آکر سکونت اختیار کی۔ چونکہ مردِ عابد و زاہد و ولی تھے، ہزاروں لوگ ان کے معتقد ہو گئے۔ سید ابی غفار بھی اس وقت ہمراہ تھے۔ انھوں نے بھی باپ سے تکمیل پائی اور مقتدائے زمانہ ہو گئے۔

باپ کی وفات کے بعد سید ابی غفار ان کے جانشین ہوئے، چونکہ نہایت خوش خلق اور شیریں زبان تھے اس لیے سید مٹھا کے نام سے مشہور تھے کہ "مٹھا" شیریں کو کہتے ہیں، بلکہ ان کے محلہ کا بھی یہی نام مشہور ہو گیا۔

---

[1]: اصل کتاب "تحقیقاتِ چشتی" میں ان کا ذکر نہیں آیا۔ چونکہ یہ حضرت لاہور کے قدیم بزرگوں میں سے ہیں۔ لہٰذا خزینۃ الاصفیاء (فارسی) و حدیقۃ الاولیا کی مدد سے ان کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ (مؤلف)

ان کا شجرۂ نسب باقوالِ صحیح یہ دریافت ہوا کہ سید ابی غفار سید مٹھا بن سید جمال الدین بن سید محمد بن سید کریم الدین بن سید نور الدین بن سید آدم بن سید علی جعفر بن سید محمد بن سید یوسف بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ اشقری بن جعفر بن سید محمد الجواد بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ان کی وفات سنہ [illegible]ھ میں ہوئی اور مزار شہر لاہور میں لوہاری دروازہ کے اندر سید مٹھا بازار میں سرِ راہ واقع ہے۔ "تاریخ وفات از صاحب خزینۃ الاصفیاء" ؎

سید مٹھا ولی با صفا   آنکہ شیریں بود نزدِ خاص و عام

ہست سالِ ارتحالِ آنجناب   صاحبِ نعمت و گر شیریں کلام

۱ ۴ ۴ ھ   ۱ ۴ ۴ ۵

پیر زکی شہید رح [1]

تحفۃ الواصلین میں لکھا ہے کہ یہ بزرگ مغلوں کی لڑائی میں شہید ہوئے تھے، حالتِ زندگی میں بھی ان کا قیام اسی دروازہ کے اندر تھا جہاں آج آپ کا مزار ہے۔ جب شہر فتح ہوا اور مغل شہر کے اندر آئے تو انہوں نے کمال جوانمردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا، آخر شہید ہوئے، جب سر اُتر چکا تو جسم بے سر بھی کفار کے ساتھ لڑتا رہا۔ (حدیقۃ الاولیاء)

ہندوستان پر کافر مغلوں کے حملے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے بیٹے سلطان علاؤ الدین مسعود کے زمانہ ۶۴۲ھ سے شروع ہوتے ہیں اور ان کا سلسلہ ۶۹۰ھ تک جاری رہتا ہے پچاس سال کے اس عرصہ میں ہندوستان پر سلطان ناصر الدین محمود، سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی علاؤ الدین خلجی اور فیروز شاہ تغلق نے حکومت کی، گو ہر حملہ میں مغل پسپا ہوتے رہے مگر یہ سخت جان حملہ آور شمالی ہند کو پامال کر کے دہلی تک پہنچ جاتے تھے، لاہور، ملتان اور نواح دہلی بالخصوص اور بعض دوسرے مقامات ہمیشہ ان کی جولانگاہ بنے رہے، اس لیے پیر زکی کی شہادت کا واقعہ انہی پچاس برس کے اندر سمجھنا چاہیے۔ (مآثر لاہور فوق)

"حضرت کے سر کی قبر تکی دروازے میں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ سرِ راہ واقع ہے۔ اور جسم کی قبر چند قدم آگے چل کر پرانی گھاس منڈی میں ہے۔ جب آپ کا جسم آپ کے سر سے علیحدہ ہو کر دشمنوں سے لڑتا رہا تو جہاں وہ تھک کے رہ گیا وہیں اس کی قبر بنی۔ شہر کا دروازہ اسی بزرگ کے نام سے مشہور ہے" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] : ان کا حال اصل کتاب میں درج نہیں۔ (مؤلف)

پیر بلخی رح [۵]

ان کا نام تحفۃ الواصلین میں بھی تحریر نہیں، صرف پیر بلخی لکھا ہے۔ یہ بزرگ لاہور کے شہداء میں سے ہیں جو مغلوں کی لڑائی میں قتل ہوئے۔

ان کا اصلی وطن شہر بلخ تھا۔ جب بلخ پر چنگیز خاں مغل کا تصرف ہوا اور شہر قتل و غارت ہوا تو حضرت وہاں سے ہند کو آئے اور لاہور میں آکر قیام کیا۔ جب چنگیزی فوج شہزادہ جلال الدین خوارزمی کی گرفتاری کے لیے لاہور کو آئی اور وہ بھاگ کر دہلی چلا گیا تو کفار نے اس شہر کا محاصرہ کیا، مدت تک لڑائی رہی، آخر شہر فتح ہوا اور شہر کے اندر پیر بلخی بھی اپنے مریدوں اور شاگردوں کے ساتھ کفار کے نرغہ میں آ گئے اور شہید ہوئے (حدیقۃ الاولیاء)

منشی محمد الدین فوق مؤلف مآثر لاہور کا بیان ہے کہ تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ خوارزم کو لاہور آنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ شاہ خوارزم کے ورود ہند کا واقعہ سلطان شمس الدین التمش (۶۱۸ھ) کے عہد میں ہوا ہے۔ اس نے طوفان چنگیز خانی سے نجات حاصل کرنے کے لیے شاہ خوارزم کو کہلا بھیجا کہ اس ملک کی آب و ہوا آپ کے مزاج کے موافق نہیں، وہ مطلب سمجھ گیا اور سیستان اور کیچ مکران کی راہ سے ہندوستان سے باہر چلا گیا اور مغلوں

۵؎ : ان کا حال اصل کتاب میں مذکور نہیں، اس لیے یہاں حدیقۃ الاولیاء مفتی غلام سرور لاہوری اور مآثر لاہور مؤلفہ فوق کے بیانات قلم بند کیے جاتے ہیں۔ (مؤلف)

کی فوج بھی واپس چلی گئی۔

مصنف تاریخ لاہور پیر بلخی کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ لاہور میں آ کر مقیم ہو گئے، اور جب چنگیز خاں کے پوتے قلی خاں نے لاہور پر حملہ کیا تو بادشاہ دہلی کی فوج میں شامل ہو کر جن مقامی لوگوں نے دادِ شجاعت دی اُن میں پیر بلخی تھے جو اسی لڑائی میں درجۂ شہادت کو پہنچے۔ التمش کی وفات کے بعد سلطان معز الدین بہرام شاہ ۶۳۹ھ میں بادشاہ ہوا۔ تاریخ ہندوستان میں اس بادشاہ کے عہد کا جو سب سے عظیم واقعہ درج ہے وہ ترکوں کا حملۂ لاہور ہے۔ انہوں نے کئی مہینے تک لاہور کا محاصرہ کیے رکھا۔ لکھا ہے کہ صوبہ پنجاب کا گورنر قراقش اپنی فوج کو لے کر دہلی کی طرف نکل گیا۔ اس لیے ۱۷ جمادی الآخر ۶۳۹ھ کو مغلوں نے جو سب کے سب غیر مسلم تھے مسلمانوں اور عام باشندوں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ چونکہ پیر بلخی ۶۱۸ھ کے زمانہ ہی سے لاہور میں مقیم تھے اس لیے اس عرصہ میں ان کی عبادت و ریاضت کی وجہ سے اکثر لوگ ان کے ارادت مند ہو چکے ہوں گے انہوں نے بھی اس جنگ میں جو مغل کفار اور مسلمانوں کے درمیان تھی مرد غازی کی طرح شرکت کی اور درجۂ شہادت کو پہنچے۔

محمد عبد اللہ قریشی صاحب مرتب آثار لاہور نے "نقوش" کے لاہور نمبر میں یہ اطلاع بہم پہنچائی ہے کہ لاہور کے عجائب گھر میں ایک عربی کتبہ موجود ہے جو غالباً پیر بلخی ہی کے مزار کا پتھر ہے۔ عبارتِ کتبہ کا ترجمہ یہ ہے "یہ مقبرہ شیخ ابو المحامد بن محمد الحسین ابوبکر الذکری البلخی کا ہے۔ تحقیق وہ ۵۹۸ھ میں زندہ تھے اور ۶۴۳ھ میں جمعہ کے روز ۹ ذی الحجہ کو جو عرفہ کا دن تھا شہید ہوئے۔"

جس جگہ آج ان کا مقبرہ ہے اسی جگہ ان کا حجرہ تھا، یہیں ان کو دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار کشمیری بازار میں سرراہ واقع ہے اور دہلی دروازہ سے شہر میں جاتے ہوئے بائیں ہاتھ آتا ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شاہ سر ربانی چشتیؒ

المشہور شاہ سردانی، حال ان کا یہ ہے کہ یہ حضرت احمد آباد (دکن) کے متوطن تھے۔ جب ان کے فوت کا وقت ہوا تو آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ جب ہم فوت ہو جائیں تو ہمارا صندوق ملک پنجاب کی طرف لے جانا اور اس ملک میں جس جگہ کہ تم شب باش ہو اور صبح کو صندوق اٹھانے پر اس جگہ سے نہ اٹھے تو وہیں ہم کو دفن کر دینا۔ چنانچہ وہ شہر بشہر رہتے ہوئے لاہور میں آ کر اس مقام پر شب باش ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو قدرتِ الٰہی سے یہ معاملہ درپیش آیا کہ صندوق اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ خادموں نے آپ کو وہاں ہی دفن کر دیا۔ اور روضہ بنا کر آپ کے حسب الحکم چلے گئے۔

یہ حضرت خاندانِ عالیہ چشتیہ صابریہ میں مرید حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی[15] کے ہیں۔ سال وفات آپ کا ۷۳۵ھ ہے۔ ان ایام میں یہ نواح آباد تھی۔ جب لوگوں نے حضرت کی یہ کرامت دیکھی تو ہزارہا خلقت زیارت کے واسطے حاضر ہونے لگی۔ لیکن اب چنداں مشہور نہیں ہیں اور سوائے اشخاص واقفین کے کوئی ان کا حال نہیں جانتا۔ چونکہ آپ ساکن ملک دکن تھے اور خادمین بھی مقبرہ بنا کر چلے گئے لہٰذا ان کا مفصل حال بجز اس

۱۵؎ : یہ بزرگ خواجہ علی احمد صابرؒ کے خلیفہ تھے۔ ان کی وفات ۷۱۶ھ میں ہوئی اور مزار پانی پت میں ہے۔
(حدیقۃ الاولیا)

کے اور معلوم نہ ہوا۔[1]

تاریخِ وفات ان کی مصنفہ مفتی غلام سرور یہ ہے۔ قطعہ

رونق و زینت چشت اہلِ بہشت — شیخ دیں میر سیّد ربانی
سالِ وصلش چو از خرد جستم — شد عیاں پیر سیّد ربانی

"آپ کا مزار اڈہ مزنگ کے قریب فین روڈ پر واقع ہے" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

---

[1] :- صاحبِ حدیقۃ الاولیاء مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں کہ ان کا نام شاہ ضیاء الدین شروانی ہے اصلی وطن ملک شروان تھا، وہاں سے بطلبِ حق ہند کو آئے اور خواجہ شمس الدین ترک چشتی پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہو کر تکمیل پائی، ان کی وفات کے بعد لاہور میں قیام کیا۔ اور تمام عمر ہدایت وارشادِ طالبانِ خدا میں مصروف رہے۔

یہی مصنف اپنی فارسی کتاب خزینۃ الاصفیاء میں رقم طراز ہیں کہ شاہ سیّد ربانی لاہوری کا شمار عظمائے مشائخ چشت اور کبرائی خلفائے شیخ شمس الدین ترک پانی پتی میں ہے۔ از حد بزرگ اور صاحبِ ذوق وشوق وعشق و وجد و سماع تھے اور ان کے مزاجِ حق امتزاج پر جذب و استغراق و مدہوشی کا اس قدر غلبہ تھا کہ شب و روز اپنے آپ سے بے خود رہتے تھے۔ سوائے وقتِ نماز کے کہ اپنے آپ میں آتے اور نماز ادا کرتے، پھر مراقبہ میں چلے جاتے۔ پیر روشن ضمیر بعد عطائے خرقہ ان کو لاہور جانے کی اجازت دی۔ انہوں نے یہاں پہنچ کر ہزاروں طالبانِ حق کو خدا رسیدہ کیا کہ تا حال ان کے سلسلہ عالیہ کے مرید لاہور میں موجود ہیں۔ وفات کے وقت احمد آباد میں تشریف رکھتے تھے۔ اور بوقتِ رحلت وصیت فرمائی کہ جب میں اس جہانِ فانی سے عازمِ جہانِ جاودانی ہو جاؤں تو میرا جنازہ وہاں سے اٹھا کر پنجاب لے جانا اور جس مقام پر کہ میرا جنازہ زمین سے جدا نہ ہو وہی میرا مدفن ہوگا۔ پس مریدوں نے ویسے ہی کیا اور منزل بمنزل چلے گئے (باقی حاشیہ بر صفحہ ۱۰۹)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸

آخر جب لاہور کے قریب پہنچے تو شہر سے باہر شب باش ہوئے۔ علی الصبح جب انھوں نے جنازہ اٹھانا چاہا تو نہ اُٹھا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہی مقام شیخ کا مدفن ہے۔ چنانچہ یہیں دفن کیے گئے۔ نیز صاحب تذکرہ شاہ کاکو چشتیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت کا اصلی نام شاہ سرِ ربانی سلیم الدین ہے اور سرِ ربانی کا خطاب ان کو اپنے پیر روشن ضمیر کی پیش گاہ سے عطا ہوا ہے۔ نیز مشہور ہے کہ یہ حضرت بارہا شیر پر سوار ہو کر بیابان کی سیر کیا کرتے تھے، لہٰذا لوگوں نے ان کا نام شاہ شیر ربانی مشہور کر دیا۔ اب شاہ شرفانی کے نام سے مشہور ہیں۔ اس جامع الکمالات کی وفات صاحب تذکرہ شیخ چوہڑؒ کے قول کے مطابق ۹۷۴ھ میں واقع ہوئی۔ قطعۂ تاریخ ؎

سرِ ربانی چو شد اندر جہاں، ہست سالِ آں شہ والامکاں،
"زبدۂ دین سرِ ربانی سعید" "سرِّ ربانی ولی مسعود" دان
۹ ۴ ۷ ھ ۹ ۴ ۷ ھ

بی بی پاک دامناںؒ

حال ان کا یہ ہے کہ یہ چھ بیبیاں، ایک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی صاحبزادی، ہمشیرہ جناب حضرت عباس رضی اللہ عنہ، موسوم بہ اسم رقیہ المشہور بی بی حاج اور پانچ صاحبزادیاں حضرت عقیل برادر حضرت علی المرتضیٰ علیہ السّلام کی ہیں جن کے نام یہ ہیں حضرت بی بی تاج، حضرت بی بی حور، حضرت بی بی نور، حضرت بی بی گوہر، حضرت بی بی شہباز، ہمشیرگانِ حضرت مسلمؓ، حضرت بی بی رقیہ المشہور بی بی حاج صاحبہ منکوحہ جناب امام مسلمؓ تھیں۔

کہتے ہیں کہ جب شاہ کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حسب الطلب کوفیاں مدینہ منورہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو یہ بیبیاں بھی ہمرکاب تھیں۔ نہم محرم الحرام کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حسب ایمائے باطنی جناب مرتضوی ان چھ بیبیوں کو ارشاد فرمایا کہ تم یہاں سے چلی جاؤ۔ اُنہوں نے عرض کی کہ یا اخی ہم تم کو ایسے حالِ پُر اختلال میں چھوڑ کر کہاں جائیں نعوذ باللہ من ذالک اگر ایسا کریں تو بروزِ قیامت جناب بی بی فاطمہؓ کو کیا منہ دکھلائیں گی۔ آپ نے فرمایا کہ اے نورِ چشماں میں مجبور ہوں، حکم مرتضوی ایسا ہی ہے، مراقبہ کر کے دیکھ لو، ناچار بیبیوں نے عرض کی کہ اچھا ہم تابع ہیں جہاں حکم ہو چلی جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو ہند جانے کا

ارشاد ہوتا ہے۔ پھر انہوں نے عرض کی کہ ہمارے دونوں فرزند آپ کے پاس رہیں تاکہ آپ کے قدموں پر شہادت پائیں۔

آخر بعد ردّ و کد حضرت نے قبول فرمایا اور بیبیاں وہاں سے روانہ ہند ہوئیں۔ دوسرے روز واقعہ ہائلہ جانگداز جناب سیّد مظلوم کی شہادت کا سُنا تو بہت گھبرائیں، مگر تعمیلِ حکم کے خیال سے چلی آئیں حتّٰی کہ لاہور آ پہنچیں[1]۔ اور یہاں بمقام خانقاہ اس وقت ایک ٹیلہ تھا، اس پر آ ٹھہریں۔ اُس زمانہ میں اس مقام کے گرد و نواح میں کوئی ٹھٹھی یعنی راجوں کی بستی تھی۔ جب یہ بیبیاں یہاں پہنچیں تو بمجرّد قدوم میمنت لزوم حضرات اہلِ بیت رسولؐ اُن راجوں کے آتش کدے سرد ہو گئے اور بتوں میں فتور اور خلل پڑ گیا۔ انہوں نے جوتشیوں سے اس تہلکہ کا باعث پوچھا۔ سب نے سوچ بچار کے کہا کہ یہاں کوئی عرب ترک اولادِ رسول اللہ سے آئے ہیں یہ اُن کی برکت کا اثر ہے[2]۔ انہوں نے بعد دریافتِ حال اُن کی طلب کے واسطے ملازم بھیجے تاکہ ان کو بلا لائیں۔ اس امر سے یہ بیبیاں حیران ہوئیں کہ یا الٰہی ہم ستم رسیدہ ہیں۔ اوّل جُدائی برادران اور واقعہ کربلا ہوا اور پھر مُلک بیگانہ تھا کہ کوئی ہماری بولی بھی نہیں سمجھتا۔ اس سے آپ ان کے پاس تشریف نہ لے گئیں۔ جب یہ خبر راجوں کو

---

[1] : راوی کہتا ہے کہ جب یہ بی بی صاحبان تشریف لائی تھیں تو اس وقت سات سو چار آدمی ولی اللہ حافظِ قرآن بزرگ ان کے ہمراہ تھے۔ (تحقیقاتِ چشتی)

[2] : یہ بھی مسموع ہوا ہے کہ حضرات پاک دامناں یہاں تشریف لائیں تو آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ پردہ میں بیٹھ کر تدریس فرمایا کرتی تھیں اور جناب بی بی رقیہ المشہور بی بی حاج کا یہ ملکہ تھا کہ وہ ملائکہ و دیہان ہر قسم کا علم رکھتی تھیں۔ کوئی ایسا علم نہ تھا جس کو آپ پڑھا نہ سکتی ہوں۔ اس باعث سے ہزارہا حافظ و ولی ان کے شاگرد بن گئے۔ (تحقیقاتِ چشتی)

پہنچی کہ وہ تشریف نہیں لائیں تو ان کے سردار نے ولی عہد کو بھیجا اور کہا کہ یا تو ان کو اپنے ہمراہ لانا یا اپنی قلمرو سے نکال آنا۔ اُس راجہ کا نام برمانزی اور بعضوں کے نزدیک بھا برن اور اُس کے بیٹے کا نام بکرماسہا ئے تھا۔ جب وہ کنور حضرت کے پاس آیا اور راجہ کا حکم سنایا تو آپ نے پہلے بمنت و سماجت فرمایا کہ بابا ہم غریب ہیں مسافر ستم رسیدہ اور بے خانماں ظلم کشیدہ ہیں اور از حد بیکس ہیں، برائے خدا ہم کو تکلیف نہ دو، اگر تم ہمارے یہاں رہنے سے ناراض ہو تو ہم چلی جاتی ہیں۔ اور ماسوا اس کے ہمارے مذہب میں سترداری کا حکم بتاکید اکید جاری ہے اس واسطے ہم راجہ تک نہیں جا سکتیں۔ اُس نے کہا کہ میں مجبور ہوں اور راجہ صاحب کی طرف سے آپ کو لے جانے پر مامور ہوں۔ آخر بی بی صاحبہ کلاں نے راجہ کے لڑکے کو اپنے پاس طلب کیا۔ اور ایک نظر توجہ سے اُس کی طرف دیکھا۔ دیکھتے ہی وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو رو دیا اور حضرت کے قدم مبارک پر گر کر تعلیم و تلقین دینِ اسلام کی درخواست کی اور صدقِ دل سے مسلمان ہوا۔ جب یہ خبر راجہ کو پہنچی تو وہ نہایت متردد ہوا۔ تمام ہندوؤں نے بلوا کر کے شور مچا دی۔ اس سے بی بی صاحبان بہت خائف ہوئیں اور جنابِ الٰہی میں عرض کی کہ یا اللہ ابھی خوفِ حادثۂ کربلا ہمارے دلوں سے نہیں گیا کہ یہ دوسرا حادثۂ عظیم برپا ہوا ہے۔ ہم چاہتی ہیں کہ ہم پس کر ہو جائیں، یا الٰہی زمین کو حکم دے کہ ہم کو اماں دے۔ ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور اسی وقت زمین میں شگاف ہو گیا اور تمام بیبیاں اس میں سما گئیں۔ پوشیدہ ہونے سے پہلے بہت اشخاص ہمراہیاں کو آپ نے رخصت عنایت کی اور فرمایا کہ اپنے اپنے وطنوں کو چلے جاؤ چنانچہ وہ بہ اتباعِ حکم چلے گئے اور صرف چار حافظ جن کے نام یہ ہیں۔ ابوالفتح، ابوالفضل، ابوالمکارم، اور عبداللہ حضرات کی خدمت میں باقی رہے۔ اِن کی قبریں اسی

احاطہ میں موجود ہیں، اور وہ بھی آپ کے ساتھ ہی زمین میں سما گئے۔

جب اس کنور نے ان کی یہ کرامت دیکھی تو صدقِ دل سے فقیر ہو گیا اور یہاں مجاور ہو بیٹھا۔ اس وقت حضرات بیبیاں کے دوپٹوں کے پلّے بر روئے زمین نظر آتے تھے۔ اس نے انہی نشانوں پر قبور بنائیں، چند روز وہ پلّے نظر آتے رہے پھر وہ ناپید ہو گئے۔ جب کفّار نے یہ کرامت دیکھی تو دم بخود ہو گئے اور کئی ایک ایمان لے آئے۔ مشہور ہے کہ جب وہ کنور مسلمان ہو گیا تو بی بی صاحبان نے اس کا نام عبداللہ رکھا اور بعد ازاں وہ عبداللہ بابا خاکی کے نام سے معروف ہو گیا[۱]۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام محمد جمال رکھا گیا تھا۔ الغرض اس کی اولاد اب تک مجاور خانقاہ عالیجاہ ہے اور راجپوت کہلاتی ہے، اور وہ راجہ اپنے فرزند سے بسبب مسلمان ہونے کے محبت نہ کرتا تھا مگر بلحاظِ نسلِ فرزندی اس کو کچھ زمین دے دی۔

چند عرصہ کے بعد ہنارو ملہیم جاٹ لوگ اس طرف آئے، ان میں سے ایک شخص مسمّی بالو نام کی دختر کنواری تھی۔ وہ محمد جمال کا خواہشمند ہوا کہ اس سے شادی کر لے۔ اس نے انکار کیا۔ جب نام ملہیم نے اصرار کیا تو اس نے کہا کہ میں اپنی سرکار میں عرض کر لوں، اگر حکم ہو گیا تو قبول کروں گا۔ یہ کہہ کر مزار گوہر بار پہ حاضر ہوا اور عرض کی۔ وہاں سے الہام ہوا کہ بیشک نکاح کر لے۔ چنانچہ محمد جمال نے اس دخترِ بے جمال سے نکاح کر لیا اور اس کو حضرات کے مزار پر لے آیا اور عرض کی کہ یا حضرت اب یہ کنیزک آپ کی ہو گئی ہے۔ اگر اس کے ہاں نقد

---

[۱] : بابا خاکی کا مقبرہ خانقاہ کی ڈیوڑھی کے اندر ہے۔ یہ شخص سب سے پہلے بی بی صاحبہ کا خادم ہو کر مسلمان ہوا اور اپنے باپ راجہ کی راجگی چھوڑ کر تا دمِ حیات دربار کی خدمت میں حاضر رہا۔ اور ۱۱۰۰ھ میں فوت ہوا۔ (تحقیقاتِ چشتی)

پاؤں اچھے ہو جائیں تو از دل و جان خدمت میں مصروف ہو۔ فی الحال اُس کے دست و پا اچھے ہو گئے اور اس کا حُسن ایسا چمکا کہ غیرت دہ ماہِ چہار دہم ہو گئی۔ جب ان ملحم جاٹوں نے حضرت کی یہ کرامت دیکھی۔ تو سب کے سب کہ چھ سات ہزار آدمی تھے مسلمان ہو گئے اور وُہ تمام ایک ہی قبیلہ کے تھے۔

حضرات بیبیاں کے ناپید ہونے کے چار سو سال بعد تک راجہ ہائے ہنود مالک الملک رہے اور ان ایام میں ان راجوں کا دارالحکومت شہر منوہر پور علاقہ دہلی تھا۔ اُس کے بعد سلطان محمود غزنوی نے یہاں آکر حضرات کا ذکر سُنا اور ارادتِ قلبی سے چار دیواری پختہ اور خانقاہ میں چند دالان تعمیر کرائے۔ بعد ازاں بعہدِ اکبر بادشاہ یہاں بہت عمارات تیار ہوئیں اور قبرستان بھی مقرر ہوا۔[۱]

---

[۱] : صاحبِ حدیقۃ الاولیاء بی بی پاک دامناں کا یہی قصّہ مختصراً درج کر کے لکھتے ہیں کہ "یہ عام روایت لوگوں کی زبانی ہے اور کتاب تحفۃ الواصلین میں بھی یہی مضمون لکھا دیکھا ہے۔ مگر قیاس نہیں چاہتا کہ واقعہ کربلا کے وقت یہ عرب سے ہند میں آئی ہوں۔ مگر ان حضرات کی بزرگی اور پُر فیض ہونے میں شک نہیں کہ مکان نہایت متبرک ہے" اور کتاب تذکرۂ حمیدیہ میں جو مضمون مؤلف کی نظر میں گذرا ہے اس کا لکھنا بھی لطف سے خالی نہیں اگرچہ کتاب خزینۃ الاصفیا مؤلفہ بندہ میں درج نہیں ہے۔ وُہ یہ ہے کہ سیّد احمد توختہ ترمذی جو لاہور کے بزرگوں میں سے قطبِ یگانہ و غوثِ زمانہ تھے، اُن کی پانچ لڑکیاں بی بی حاج و بی بی تاج و بی بی نور و بی بی حُور و بی بی گوہر و بی بی شہباز تھیں اور پانچوں عابدہ و زاہدہ و صاحبِ عبادات و ریاضت تھیں، جب چنگیز خاں مغل سے شہزادہ جلال الدین خوارزمی نے شکست کھائی اور ہند میں بھاگ آیا تو چنگیز خاں کی فوج اس کے تعاقب میں پنجاب میں داخل ہوئی۔ انہوں نے تمام ملک پنجاب غارت کر لیا، شہر لاہور کے لوگ دو مہینے تک ان کے ساتھ لڑتے رہے۔ جب شہر فتح ہُوا تو افسرِ فوج نے

(باقی حاشیہ بر صفحہ ۱۱۵)

اِسی قبرستان میں بی بی حلیمہ المشہور بیوی تنوری کی قبر بھی ہے۔ یہ بی بی حضرت مسعود قریشی کی صاحبزادی ہے جو حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ بی بی ولی کاملہ تھیں اور حضرت موصوفہ حضرت بی بی صاحبان کی روٹیاں پکایا کرتی تھیں اور حضرت بیبیاں کے پارکاب یہاں آئی تھیں۔ ان کی وفات سنہ ۶۱ھ میں ہوئی۔ اب تک تمام نان پز ان بی بی صاحبہ کو اپنا پیشوا اور پیر سمجھتے ہیں۔ زبانی مجاوراں معلوم ہوا کہ بیوی تنوری صاحبہ کے خاوند کا نام ساندل ولی تھا۔

"محلہ بی بی پاک دامناں" میں ایک بہت قدیم قبرستان موجود ہے۔ ایمپرس روڈ پر سے ایمپرس پارک میں داخل ہوں تو دربار سٹریٹ میں بی بی پاک دامناں کا احاطہ مزارات واقع ہے۔ بی بی حاج کی قبر ایک اونچے چبوترے پر سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔" (مؤلف)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۔۔۔ ۱۱۴

حکم دیا کہ شہر کے لوگ سب کے سب قتل ہوں بلکہ کوئی ذی جان حیوان بھی جانبر نہ ہو۔ چنانچہ ہزاروں انسان و حیوان قتل ہوئے۔ اس وقت یہ پانچوں بیبیاں شہر کے باہر اپنے صومعہ میں جہاں ان کا باپ رہتا تھا موجود تھیں۔ جب مخالفین نے ان کو قتل و غارت کرنا چاہا تو انہوں نے دعا کی کہ الٰہی ہم کو پوشیدہ زمین کرے اور نامحرم مردوں کی صورتیں نہ دکھلا۔ چنانچہ دعا قبول ہوئی اور زمین نے ان کو اپنے آپ میں چھپا لیا۔ جب مخالفین دیوار توڑ کر مکان میں گھسے، تو کوئی ذی جان موجود نہ پایا۔ البتہ زنانہ کپڑوں کے کنارے زمین کے باہر نظر آئے۔ چند آدمی یہ کرامت دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور انہوں نے اس مزار گوہر بار کی مجاوری اختیار کر لی۔ یہ تذکرہ بہت مشہور نہیں ہے شاید کوئی اس پر یقین نہ کرے گا مگر عجیب بھی نہیں ہے کہ ایسا ہوا ہو اور واقعہ قتل و غارت لاہور سنہ ۱۴ھ میں وقوع میں آیا تھا اور سید احمد توختہ کی وفات سنہ ۶۲۰ھ میں ہوئی تھی۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۱۶ پر ملاحظہ ہو)

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۔ ۱۱۵

پیر غلام دستگیر نامی اپنی کتاب "تاریخ جلیلہ" میں لکھتے ہیں کہ "جب تک ہماری خاندانی کتب کا مؤرخین نے مطالعہ نہیں کیا تھا وہ اپنی تالیفات میں یہی افواہ درج کرتے رہے کہ بیبیاں پاک دامن جن کا چلہ خانہ نوخنتہ کے مزار (محلہ چلہ بیبیاں اندرون اکبری دروازہ) کے سامنے جانب جنوب ہے اور جن کے مزار قلعہ گوجر سنگھ کے متصل ایمپرس روڈ پر واقع ہیں۔ حضرت علیؓ یا ان کے بھائی عقیلؓ کی بیٹیاں تھیں جو واقعہ کربلا کے موقعہ پر بھاگ کر لاہور آگئیں اور کافروں کے خوف سے دعا کرکے زندہ در گور ہو گئیں۔ مگر جب مؤرخین کو یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ واقعہ کربلا کے وقت جب لاہور میں کوئی مسلمان نہ تھا تو وہ کفر گڑھ میں کیوں آئیں، اور نہ ان کو کوفیوں اور شامیوں سے خطرہ تھا۔ اگر تھا بھی تو حرمین شریفین جاکر زیادہ محفوظ رہ سکتی تھیں جیسا کہ دیگر اہل بیت مظلوم ہوئے۔ نیز بیبیوں کے نام تاج، حاج، حور، نور، گوہر، شہباز ظاہر کرتے ہیں کہ وہ خالص عربی نام نہیں، نہ ایسے نام اس وقت عرب میں مروّج تھے اور نہ حضرت علیؓ یا حضرت عقیلؓ کی صاحبزادیوں کے یہ نام تھے، تو انھیں مؤرخین مثلاً مفتی غلام سرور اور محمد دین فوق نے تسلیم کر لیا کہ یہ حضرت سید احمد توختہ ہی کی بیٹیاں تھیں جو چنگیز خانیوں کی غارت گری لاہور کے سال یعنی ۶۲۱ھ میں پیوند زمین ہو گئیں۔"

رائے بہادر کنہیا لال "تاریخ لاہور" میں یہ تسلیم کرکے کہ بیبیاں پاک دامن حضرت توختہ رحمہ ہی کی صاحبزادیاں تھیں، لکھتے ہیں کہ سید احمد توختہ کی وفات کے بعد یہ بیبیاں لاہور کے حصار کے باہر جا کر قیام پذیر ہوئیں اور لوگوں سے الگ بعبادت حق مصروف رہیں۔

آخر جب ۶۱۵ھ میں کفار مغل نے بہ تعاقب سلطان جلال الدین خوارزمی پنجاب پر لشکر کشی کی اور لاہور کی رعایا بہ جرم مقابلہ و مجادلہ قتل ہوئی تو یہ بیبیاں بھی کہ مستورہ و مخدرہ تھیں نہایت گھبرائیں کہ اب نامحرم لوگ آکر ہم کو بے پردہ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۱۷ پر ملاحظہ ہو)

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۔۔۔ ۱۱۶

کریں گے، اور سب نے مل کر دستِ دعا خدا کے حضور اٹھائے کہ یا الٰہی ہم کو زمین کا پیوند کر لے چنانچہ ایسا ہی ہوا، زمین جا بجا سے پھٹ گئی اور وہ چھٹوں بیبیاں مع خادمہ عورتوں بی بی تنوری وغیرہ کے زمین میں سما گئیں اور ان کی اوڑھنیوں کے پلّے ذرا ذرا سے باہر رہ گئے جن پر بعد امن و امان لوگوں نے قبریں بنا دیں۔

(بحوالہ تاریخ جلیلہ مؤلفہ غلام دستگیر نامی)

پیر مکیؒ

حال ان کا معلوم نہیں ہوتا۔ کوئی کہتا ہے کہ محمود غزنوی کے ساتھ آئے اور کوئی کہتا ہے کہ جب زیب النساء کا باغ بننے لگا تو یہاں دیوار بنانے لگے تھے، وہ گر گر پڑتی تھی اب سے یہ قبر بنائی گئی ہے۔ الغیب عند اللہ، کسی کتاب میں ان کا ذکر مطالعہ میں نہیں آیا۔

کتاب تذکرۂ فقراء میں کسی حضرت سعد الدین مکیؒ کا قدرے ذکر یوں درج ہے کہ وہ مکہ معظمہ سے زیارتِ خانقاہ پیر سید علی گنج بخش ہجویریؒ کے لیے لاہور میں آئے تھے اور چند سال معتکف رہ کر فوت ہوئے۔ اس وقت شاہ جہان بادشاہ لاہور میں تھا۔ اس کے حسب الحکم لبِ دریا دفن ہوئے اور مقبرہ بھی بنایا گیا۔ وہ شاید یہی حضرت ہوں، مگر ان کا مقبرہ نہیں۔ اگر گر گیا ہو تو عجب بھی نہیں۔ ان کی تاریخِ وفات ۱۲ ربیع الثانی ۱۰۴۸ھ ہے۔[1]

---

[1] : صاحب خزینۃ الاصفیاء کا بیان ہے کہ "سید شیخ عزیز الدین مکی ثم الاہوری قدس سرہٗ سادات عظام اور اعاظم علماء اور کبریٰ اولیائے اہلِ شریعت و طریقت سے ہیں۔ بقولِ صاحب رسالہ تحفۃ الواصلین ان کی اصل بغداد سے ہے۔ اور ان کا سلسلۂ طریقت چند واسطوں سے سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔ یہ حضرت پہلے بغداد سے مکہ معظمہ میں تشریف لائے بارہ سال تک وہاں قیام فرمایا اور مجاورت بیت اللہ میں معتکف رہے اور پیر مکیؒ کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔ بعد ازاں بایمائے ربانی مکہ معظمہ سے د باقی حاشیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱۹ پر)

"حضرت کا مزار شریف پیر مکی روڈ پر (جو راوی روڈ میں سے بجانب غرب نکلتی ہے) زیارت گاہِ خلق ہے۔ مزار حضرت شاہ جمال کی طرح یہاں بھی رات کو نہیں رہنے کیونکہ رات کو یہاں سیاہ رنگ کے اژدہا چاروں طرف سے دکھائی دیتے ہیں۔" یادِ رفتگان

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ــــــــ ۱۱۸

عازم ہندوستان ہوئے اور سال ۵۷۶ھ میں کہ جب سلطان شہاب الدین غوری نے لاہور کا محاصرہ کیا ہوا تھا لاہور میں فائز ہوئے۔ خسرو ملک بن ظہیر الدولہ خسرو شاہ جو اولادِ غزنویہ سے لاہور کا فرمانروا تھا اس کے محاصرہ سے نہایت تنگ آ گیا، اور حضرت عزیز مکی کی خدمت میں باستدعائے دعا حاضر ہوا۔ حضرت نے دعا کی اور فرمایا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے تجھ کو چھ سال تک اور امان ہے۔ بعد ازاں اس اقلیم کا قبضہ مملکت شاہانِ غوری کو دیا گیا ہے۔ پس اس سال سلطان شہاب الدین لاہور سے ناکام واپس گیا اور پھر ۵۸۲ھ میں براہ سیالکوٹ عازم لاہور ہوا۔ اور پہلے قلعہ سیالکوٹ تعمیر کر کے لاہور کا محاصرہ کیا اور فتح حاصل کی۔

حضرت پیر مکی لاہور میں چھتیس سال تک تدریسِ علوم اور تلقینِ خدام میں مصروف رہے اور خلقِ کثیر کو حق تعالیٰ تک پہنچایا۔

آپ نے ۶۱۲ھ میں وفات پائی اور لاہور میں مدفون ہوئے۔ قطعۂ تاریخ

ز دُنیا چو شد در بہشتِ معلّی   شہ دین شیخ زمن پیر مکی

وصالش بگو "آفتاب حسین"   بخوان نیز "پیر حسن پیر مکی"

منشی محمد دین فوق مآثرِ لاہور میں لکھتے ہیں کہ اس حساب سے آپ کی وفات سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں ہوئی اور آپ کے مزار سے بھی اس واقعہ کی قدامت کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن صاحبِ تحقیقاتِ چشتی نے تذکرۃ الفقرا کے حوالے سے (باقی حاشیہ صفحہ ۱۲۰ پر ملاحظہ ہو)

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۔۔۔۔۔ ۱۱۹

جو یہ لکھا ہے کہ حضرت سعد الدین مکی بعہدِ شاہجہان حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخشؒ کے مزار پر معتکف ہونے کے لیے لاہور آئے اور چار برس رہ کر انتقال کر گئے، ان کا مزار شاہجہان کے حکم سے تعمیر ہوا اور سالِ وفات آپ کا ۱۲ ربیع الثانی ۱۰۴۸ھ ہے، یہ صحیح نہیں ہے، مزار کی تعمیر سے کوئی علامت عہدِ شاہجہانی کی تعمیرات کی نظر نہیں آتی۔ مزار عہدِ شاہجہانی سے بہت پہلے زمانہ کا ہے۔

صاحبِ تاریخ لاہور نے آپ کا نام سید جلال الدین لکھا ہے، اور لکھتے ہیں کہ آپ مکہ معظمہ سے لاہور آئے اور آپ ہی کے سامنے سلطان شہاب الدین غوری نے لاہور پر یورش کی۔ اس وقت پنجاب پر خسرو ملک غزنوی کی حکومت تھی۔ خسرو نے آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا ابھی ایک سال تک کوئی خطرہ نہیں، چنانچہ دوسرے برس شہاب الدین نے لاہور پر اور بعد میں رائے پرتھی راج کے دارالحکومت دہلی پر بھی قبضہ کر لیا۔

تاریخ ہندوستان مولوی ذکاء اللہ جلد اوّل میں شہاب الدین غوری کی فتح لاہور کے حالات میں یہ درج ہے کہ سلطان ۵۷۷ھ میں لاہور آیا۔ خسرو ملک نے صلح صفائی اور اپنے فرزند خسرو شاہ کو یرغمال دے کر اپنا پیچھا چھڑایا۔ یہ وہی سال ہے جس سال شہاب الدین لاہور سے آگے نہیں بڑھا تھا اور حضرت پیر مکی نے خسرو ملک سے فرمایا تھا کہ اس سال یہ بلاٹل جائے گی۔ سلطان ۵۸۰ھ میں پھر لاہور آیا اور اس نے ہندوستان میں خاندانِ غزنویہ کا خاتمہ کر دیا۔ خزینۃ الاصفیاء کے سنین کی نسبت تاریخ ہندوستان کے سنین جو مصنف نے بہت سی قدیم تاریخوں کے مطالعہ کے بعد لکھے ہیں زیادہ قابلِ اعتماد ہیں۔ (مآثر لاہور فوق)

شاہ چراغ گیلانیؒ

کتاب نسب نامہ حضرت پیر نظام الدین شاہ گیلانی سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت عبدالرزّاق المشہور شاہ چراغ بن سیّد عبدالوہاب بن سیّد عبدالقادر ثالث بن محمد غوث بالا پیر بزرگ ترین سادات سے ہیں۔ انہوں نے حج بھی کیا تھا۔ جب یہ پیدا ہوئے تو حضرت عبدالقادر ثالث نے فرمایا کہ یہ لڑکا ہمارے خاندان کا چراغ ہوگا۔[1] شاہجہان بادشاہ ان کا نہایت معتقد تھا اور چاہتا تھا کہ حضرت کے کسی فرزند

[1] : حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ مشائخ قادریہ عالیہ میں سے یہ بزرگ صاحب عبادت و ریاضت و زہد و تقویٰ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ ان کو سیر کا بہت شوق تھا۔ انہوں نے اکثر ملکوں کی بطور تجربہ سیر کی۔ خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ آپ علوم ظاہری و باطنی و شرافت و نجابت و سیادت و شجاعت و سخاوت میں جامع تھے۔ اور اپنے پدر بزرگوار سے خرقۂ ارادت و خلافت پایا تھا۔ جب پیدا ہوئے تو آپ کے جدِ امجد حیات تھے انہوں نے فرمایا کہ "درخانۂ ما چراغی پیدا شدہ است کہ خانۂ خاندانِ ما ازو منور گردد۔" پس اس روز سے شاہ چراغ کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ تاریخ وفات یہ ہے : قطعہ

شاہِ دُنیا شاہِ عقبیٰ شہ چراغ — رفت چوں او از جہاں اندر جناں
گشت روشن سالِ ترحیلش زدِل — سیّدِ حق آفتابِ عارفاں
۱۰۶۸ھ

ایضاً

چراغِ ہر دو عالم عبدِ رزّاق — چو روشن گشت اندر خلدِ اعلیٰ
عجب تاریخ وصلش جلوہ گر شد — سراج الاتقیا قطبِ معلّیٰ
۱۰۶۸ھ

کے ساتھ اپنی دختر کی شادی کرے مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔

یہ حضرت بھی بڑے بزرگ تھے ۔ سیّد گیلانی ہیں اور حضرت موج دریا بخاری کے سالے کے بیٹے ہیں۔ ان کی وفات ۱۰۷۸ھ میں واقع ہوئی اُس دن روز جمعہ بائیسویں ذی قعدہ کی تھی۔ جہاں اب اُن کا روضہ منوّرہ ہے اس وقت بعملداری مغلیہ یہاں کا محلّہ گزر لنگر خاں مشہور تھا اور اکثر اشخاص اس گزر کو آپ کے نام سے بھی زبان زد کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ لنگر خاں اُمرائے شاہی میں سے تھا۔

ان کا مقبرہ شروع عہد عالمگیر بادشاہ میں حسب الحکم عالمگیر بنا ہے۔ اس مقبرہ کے اندر آٹھ قبریں ہیں۔ ایک تو حضرت شاہ چراغ کی۔ دوسری ان کے صاحبزادے زین العابدین کی، اور تیسری سیّد عبدالقادر ثانی کی، اور بقیہ ان کی صاحبزادیوں کی۔

اِس نواح کا نام بوقتِ آبادی بیرون شہر لاہور محلّہ لنگر خان تھا، اور بعدہ جب شاہ محمد غوث بالا پیر نے ست گھرہ سے آکر یہاں ایک محلّہ رسُول پورہ آباد کیا اور محمد غوث بالا پیر کے صاحبزادہ کا نام عبدالوہاب تھا۔ ان باپ بیٹوں کی قبریں ست گھرہ میں ہیں اور عبدالوہاب کے صاحبزادے سیّد عبدالرّزاق المشہور شاہ چراغ ہوئے اور سب لوگ ان کو بزرگ جانتے ہیں۔[۱]

اُن کا مقبرہ بڑے ڈاک خانہ کے جنوب میں ہائی کورٹ کے متّصل واقع ہے۔ مقبرہ کے مغرب

---

[۱] : منشی محمّد دین فوقؔ صاحبِ مآثرِ لاہور لکھتے ہیں کہ ان کے بزرگ قصبہ اوچ (بہاول پور) سے ست گھرہ (منٹگمری) میں آئے۔ ست گھرہ سے ان کے جدّ امجد محمد غوث بالا پیر لاہور پہنچے۔ یہ زمانہ غالباً ہمایوں بادشاہ کا تھا۔ آپ نے شہر سے باہر جنوب مشرق کی طرف قیام کیا، اور اپنے علاقہ کا نام (بقول صاحبِ تحقیقاتِ چشتی) رسول پورہ رکھا۔ لیکن جب ہمایوں نے لنگر خان بلوچ کو لاہور میں جاگیر دی اور لنگر خان نے یہاں اپنے عالیشان مکانات تعمیر کرائے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

کی طرف ایک مسجد بھی ہے۔ جس کو ناظم لاہور نواب بہادر خاں نے اپنی والدہ کی وصیت کے مطابق بنوایا تھا۔ مسجد کے غرب رویہ ایک چبوترہ پر ایک بوسیدہ سی چاردیواری ہے جس پر حضرت شاہ چراغ کے مرید ثبوت شاہ کا مزار ہے[۱] (یادرفتگاں باضافہ مؤلف)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲

اور رفتہ رفتہ یہاں ایک محلہ آباد ہو گیا تو رسول پورہ کی جگہ گزر لنگر خاں نے لے لی۔ اب نہ رسول پورہ ہے نہ محلہ لنگر خاں، نہ ان عالیشان مکانات کے کوئی آثار۔

حاشیہ صفحہ ھذا

[۱]: اب یہ مزار مسجد شاہ چراغ کے غرب رویہ اور اسٹیٹ بنک آف پاکستان سے ملحق ایک بلند چبوترہ پر واقع ہے اور اس کے دروازے پر ایک بورڈ پر "مزار مبارک حضرت ثابت شاہ ولی چشتی" لکھا ہوا ہے۔ (مؤلف)

شاہ ابو اسحاق قادریؒ

یہ حضرت اصل میں بخارا سے آئے تھے اور سیّد ہیں۔ بزبانی مفتی غلام سرور صاحب وغیرہ ساکنانِ موضع مزنگ اور حسب تحریر دارا شکوہ ثابت ہوا کہ حضرت شاہ ابو اسحاق اور حضرت خیر الدین شاہ ابو المعالی جن کا روضہ لاہور میں ہے، پیر بھائی ہیں اور ان دونوں حضرات کی بیعت بخدمت حضرت شاہ داؤد صاحب شیر گڑھ والا کے ہے۔[1]

حضرت ابو اسحاق کی وفات بماہِ محرم پانچویں تاریخ ۹۸۵ھ کو وقوع میں آئی۔ دو قطعہ تاریخ وفات آنحضرت درج ذیل ہیں۔ قطعہ

مرشد و دستگیر بو اسحاق ٭ بود پیرانِ پیر بو اسحاق،
چشتیِ زار سالِ وصلش گفت ٭ شاہِ عالی فقیر بو اسحاق؛
۹۸۵ھ

ایضاً

شیخ بو اسحاق پیر رہنما ٭ آنکہ آمد رہبر دین زماں؛
شد عیاں سالِ وصالِ آنجناب ٭ از ابو اسحاق تاج عارفاں،
۹۸۵ھ

شاہ ابو اسحاقؒ کے مقبرہ کی بنا اس طرح پر ہوئی کہ بعد وفاتِ حضرت آپ کا ایک سوداگر

---

[1] صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں کہ شیخ ابو اسحاق قادری لاہوری شیخ داؤد کرمانی کے خلفائے عظیم میں سے ہیں۔ عالم ظاہر و باطن و زہد و ورع و تقویٰ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۲۵ پر ملاحظہ ہو)

مرید تجارت کے لیے عرب کو جاتا تھا۔ بحر اسود میں جہاز پر اس کا متاع کسی جگہ پھنس گیا جب اس کو زیست و تجارت کی کچھ اُمید نہ رہی تو حضرت کی رُوح سے استمداد چاہی، یکایک کیا دیکھا کہ حضرت تشریف لائے اور جہاز کو کنارے سے اُٹھایا اور آب رواں میں پہنچا کر رُوپوش ہو گئے۔ جب وہ سوداگر بعد منافع تمام و آسودگی مال کلام شہر لکھنؤ میں واپس آیا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴

وسخاوت و ریاضت و مجاہدات کے جامع اور صائم الدہر اور قائم اللیل تھے، اور بہ اختیار ان سے خوارق و کرامت کا اظہار ہوتا تھا۔ شاہ ابوالمعالی کرمانی کے ساتھ ان کا رابطہ محبت و مودت مستحکم تھا اور عبادت و طاعت میں ہمیشہ شاہ ابوالمعالی کے ساتھ ہوتے تھے۔ آخر جب شاہ ابوالمعالی حضرت شیخ داؤد کی اجازت سے عازم لاہور ہوئے تو یہ بھی شاہ ابوالمعالی کے ساتھ محبت و اتحاد کی بنا پر پیر روشن ضمیر کی اجازت سے عازم لاہور ہوئے اور یہاں آ کر خلوں کے محلہ میں جو محلہ پیر عزیز بزرگ کے نام سے مشہور ہے، سکونت اختیار کی، اور طالبان حق کے ارشاد و ہدایت میں مشغول ہوئے اور ان کے خوارق کرامت سے سیکڑوں لوگوں نے بہرہ وافر پایا، آخر لاہور میں بتاریخ پنجم محرم ۹۸۵ھ وفات پائی اور اپنی جائے قیام میں دفن ہوئے۔ قطعۂ تاریخ

شد ز دار الفنا چوں در جنت	شیخ دین شاہ پیر بو اسحاق
گفت سرور ابدال تاریخش	**شاہ عالی فقیہ بو اسحاق**

حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ علما لوگوں نے آپ سے علوم فقہ و حدیث و تفسیر کی تعلیم پائی۔ منشی محمد الدین فوق تاریخ لاہور میں لکھتے ہیں کہ شیخ شمس الدین قادری جن سے شاہ بلاول کو خرقۂ ارادت و خلافت ملا ہے آپ کے تلمیذ تھے۔ شاہ بلاول آپ کی خانقاہ کے حجرہ میں چند سال تک مقیم رہے ہیں اور یہیں قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے (دیکھیے حالات شاہ بلاول)، پیر غلام دستگیر نامی کا بیان ہے کہ شیخ سعد اللہ اور شیخ منور جیسے ذی علماء کو ان کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ (تاریخ لاہور)

تو اس نے حالِ نجاتِ جہاز اور بوقتِ فریاد حضرت کا تشریف لانا بیان کیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ لوگوں نے حضرت کا حالِ وفات کہہ سُنایا تو وہ لاہور میں آیا اور یہ مقبرہ از راہِ صدقِ دل تعمیر کرایا۔ اس سوداگر کا نام عبداللہ بن عبدالقادر تھا۔ دوسرا مقبرہ جن میں حضرت کے صاحبزادگان مدفون ہیں اس مقبرہ کے بعد اس خاندان کے مُریدوں نے تعمیر کرایا۔

یہ مقبرہ موضع مزنگ کے شرق رویہ واقع ہے۔ صُورت مقبرہ کی مربع برنگِ سفید اور متصل لبِ بام چند کبوتر رہتے ہیں۔ غرب رویہ مقبرہ کے ایک مسجد موجود ہے مقبرہ کے بطرفِ شرقی ایک حجرہ بطور عبادت گاہ واقع ہے۔ یہ مقبرہ عملداری ہمایوں بادشاہ میں بنا ہوگا۔[1]

---

[1] : آپ کا روضہ مزنگ میں مزنگ ڈسپنسری کے بالمقابل روضہ ابواسحاق سٹریٹ میں واقع ہے۔ روضہ ایک بڑے گنبد کے نیچے ہے۔ مسجد روضہ ابواسحاق سے ملحقہ دوسرے گنبد کے نیچے آپکے تین فرزند محمد حسین، ملک حسین اور بار حسین آسودہ ہیں (مؤلف)

شاہ کاکو چشتیؒ

یہ حضرت خاندانِ چشت کے بڑے بزرگ ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت عالمگیر بادشاہ کے پیر تھے اور ان کی وصیت تھی کہ ہمارا مقبرہ عالیشان نہ بنایا جائے۔[1]

آپ حضرت خواجہ نظام الدین سلطان المشائخ زری زر بخش کے مرید ہیں جن کا روضہ منورہ دہلی میں ہے اور آپ کی چند ملاقاتیں حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے

---

[1]: حدیقۃ الاولیاء کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر کی اولاد سے یہ حضرت بڑے بزرگ صاحبِ عبادت و ریاضت و زہد و تقویٰ و توکل تھے۔ شیخ پیر محمد چشتی لاہوری سے انہوں نے خرقہ خلافت پایا اور تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ دولتِ ظاہری و باطنی ان کے نصیب تھی۔ کرامتیں ان کی بہت مشہور ہیں۔ وفات سنہ [illegible]ھ میں واقع ہوئی۔ مآثر لاہور میں ہے کہ حضرت شیخ کاکوؒ ابتدا میں شیخ نورالدین نام ایک بزرگ سے تحصیلِ علم کرتے رہے، جب لاہور آئے تو شیخ پیر چشتی سے فیض کامل حاصل کیا اور پھر لاہور ہی میں ساری عمر گزاری۔ آپ سنہ [illegible]ھ میں بزمانہ سلطان بہلول لودھی وفات پا گئے۔ ان کے فرزندوں میں شیخ اسحاق صاحبِ حال و قال گزرے ہیں۔ شیخ عارف چشتی لاہوری جو شاہجہان کے زمانہ میں لاہور کے مشہور اہل اللہ بزرگ تھے، شیخ اسحاق ہی کے مریدانِ باکمال میں تھے۔ حضرت شاہ کاکوؒ چونکہ مرفہ الحال تھے اور بالکل دنیاداروں کی طرح رہتے تھے اس لیے بہت کم لوگ آپ کے روحانی کمالات سے آگاہ تھے یہاں تک کہ حضرت میاں میرؒ کے زمانہ تک بھی لوگ اس مزار کو کچھ اس کی سادگی اور کچھ صاحبِ مزار کے کمالات سے لاعلم ہونے کی وجہ سے معمولی مزار سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت میاں میرؒ اس جگہ آئے اور فاتحہ پڑھ کر اپنے یاروں سے فرمایا کہ یہ مزار ایک کامل بزرگ اور بہت بڑے ولی کا ہے۔ اس زمانہ سے لوگوں کو آپ کے صاحبِ کمال ہونے کا علم ہوا۔

ہوئی ہیں[1] - ولیِ باکمال تھے - صدہا کرامات ان کی مشہور ہیں - بوقت آبادی بیرونِ شہر لاہور یہ
مقام جہاں اب مزار پُر انوار ہے محلّہ جواہر یاں اور نخاس مشہور تھا - یہ حضرت چند مدّت یہاں
سکونت پذیر رہے اور اپنے آپ کو ایسا مخفی رکھتا تھا کہ کوئی ان کو نہیں جانتا تھا کہ فقیر ہیں، مگر
ان کے نام کے باعث یہ محلّہ جہاں اب اسٹیشن ریلوے ہے محلّہ شاہ کاکو چشتی مشہور تھا - یہ
حضرت بڑے مرفہ الحال بہر طور آسودہ اور خرج دنیاداراں رکھتے تھے -

یہ حضرت شاہ کاکو چشتی جب فوت ہوئے تو بحکم آپ کے سادہ سی قبر تیار ہوئی، اور اس کے
شرق رویہ ایک بڑا باغیچہ خوبصورت تھا - وہ قتلِ احمد شاہی کے وقت سے خراب وخستہ ہو گیا -
اب وہاں زراعت ہوتی ہے اور بوقتِ فصل یہ قبر بھی چاروں طرف سے زراعت میں
آجاتی ہے -

" ان کا مزار لنڈا بازار میں مسجد شہید گنج میں تھا - جولائی ۱۹۳۵ء میں سکھوں نے مسجد کو گوردوارہ
بنالیا اور قبر اس کے چبوترہ اور بیری کے ذیلم درخت کا نام ونشان تک نہ رہنے دیا "

---

[1] ؛ بابا گنج شکرؒ جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے پیرِ طریقت تھے ۵۸۴ھ میں پیدا ہوئے اور
۶۶۴ھ کو وفات پا گئے اور خواجہ نظام الدین اولیاء ۶۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۲۵ھ کو انتقال فرما
گئے - صاحبِ خزینۃ الاصفیاء اور صاحبِ تاریخ جلیلہ (بحوالہ تذکرہ شیخ چوہڑ قطب العالم) شیخ کاکو کا
سالِ وفات ۸۸۲ھ لکھتے ہیں، اس طرح شیخ کاکو جو شیخ نظام الدین اولیاء اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے
بہت بعد فوت ہوئے ہیں، ان دونوں بزرگوں سے کس طرح مستفید ہو سکتے ہیں (مآثر لاہور فوق)

صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے یہ قطعہ تاریخ درج کیا ہے -

چو از دنیائے دوں رخت سفر بست	جناب شاہ والا جاہ کاکو
چو سرور جست تاریخ وصالش	ندا شد " شاہ اکبر شاہ کاکو "
	۸۸۲ھ

سید جھولن شاہؒ

المشہور گھوڑے شاہ لاہوری، ان کا اصلی نام محمد حفیظ المشہور جھولن شاہ ہے۔ کتاب ابراہیمی سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک سو تین سال کی عمر پائی اور محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں سولہویں ماہ رجب المرجب ۱۱۴۶ھ کو فوت ہوئے۔[1]

وجہ مشہوری نام گھوڑے شاہ یہ ہے کہ ان حضرت کو گھوڑوں کے ساتھ بہت شدید رغبت تھی، جب کسی کو فرمائش کرتے تھے تو گھوڑا ہی مانگتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ کے سینہ کوئی مرید اسپ چوبی لایا۔ آپ نے اس پر سواری کی اور سینہ میں آکر فرمایا کہ لے گھوڑے دوڑ، قدرت الٰہی سے وہ گھوڑا دوڑ پڑا۔ اس روز سے ان کا نام گھوڑے شاہ مشہور ہو گیا۔

۱؎: صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں کہ صاحب تحقیقات چشتی کا یہ بیان کہ حضرت جھولن شاہ کا نام محمد حفیظ ہے اور یہ حضرت سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت حسن شاہ اور وہ حضرت جان محمد چشتی لاہوری ارادت رکھتے تھے محض غلط ہے۔ یہ حضرت سید شاہ محمد بن سید عثمان بخاری کے صاحبزادہ بلند اقبال ہیں اور ان کا آبائی نسب سید جلال الدین مخدوم جہانیاں اوچی سے ملتا ہے۔

ان کا نام بہاؤ الدین تھا۔ یہ حضرت مادرزاد ولی تھے (باقی حاشیہ صفحہ ۱۳۰ پر دیکھیں)

ان کا معمول تھا کہ اکثر شہر میں پھرا کرتے تھے۔ جب یہ کرامت ان کی مشہور ہوئی تو مسمات سوداں طوائف ان کی مرید ہوئی - اُس وقت یہ نواح جہاں اب مزار ہے چوہٹہ سوداں مشہور تھا۔ اس نے اپنے مکان کے پاس آپ کا مقبرہ معہ مسجد بنوا دیا۔

"آپ کا مزار نواحِ لاہور میں موضع گھوڑے شاہ میں گھوڑے شاہ روڈ پر واقع ہے۔ شاہ بلاولؒ کا مزار بھی اسی راستے پر آتا ہے۔ حضرت گھوڑے شاہ کے مزار کے اردگرد مٹی کے گھوڑوں کے کئی انبار موجود ہیں۔ چبوترہ پہ تین مزار ہیں، ایک تو حضرت کا اور دو آپ کے خلفاء کے"۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ــــــــ ۱۲۹

اور پانچ سال کی عمر میں ان سے صدہا کرامات و خوارق کا اظہار ہوتا تھا۔ بچپن میں حضرت کو گھوڑوں کے ساتھ سب سے زیادہ رغبتِ خاطر تھی اور جو کوئی اہلِ حاجت آپ کی خدمت میں مٹی کا بنا ہوا گھوڑا لے کر حاضر ہوتا فوراً مراد کو پہنچتا۔ جب آپ کی کرامت کا شہرہ دُور دراز اقالیم میں ہوا تو اہلِ مراد اور سائلانِ حاجات جوق در جوق آپ کے دروازۂ فیض انداز پر حاضر ہونے لگے۔

آپ کے والد ماجد نے یہ خبر سُنی تو بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ خدایا اس بچے کو جو انکشافِ اسرار کا باعث اور اظہارِ استتارِ الٰہی کا موجب ہے دُنیا سے اُٹھا لے۔ والد بزرگوار نے یہ کلمات کہے ہی تھے کہ حضرت چھوڑن شاہ دس سال کی عمر میں رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے۔

اس جامع الکمالات کی وفات حسبِ اندراج شجرہ نسبیہ سید حاکم شاہ ولد محمد شاہ (جو سید عمادی الملک برادرِ حقیقی سید چھوڑن شاہ کی اولاد سے لاہور میں سکونت رکھتے ہیں) گیارہویں ربیع الاول ۱۰۱۰ھ کو واقع ہوئی، اور ان کی وفات کے بعد سید شہباز بن عمادی الملک ساتویں رجب ۱۱۲۱ھ کو اور سید کھیوی شاہ (باقی حاشیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۱ پر)

بقیہ حاشیہ صفحہ ـــ ۱۳۰

بن عارف شاہ بن عمادی الملک بائیسویں رجب سنہ ۱۰۵ھ کو ان کے مزار کے پہلو بہ پہلو مدفون ہوئے۔

سید جھولن شاہ کی تاریخ وفات یہ ہے : قطعہ

شاہ جھولن چوں زدنیا رخت بست　　　سالِ وصل آں ولی بحر و بر
عالم اسرار جھولن شاہ داں　　　نیز جھولن شاہ شاہِ نامور
۱۰۰۳ھ　　　۱۰۰۳ھ

سیّد موج دریا بخاریؒ

حضرت محمد شاہ بن سیّد صفی الدین کلاں المشہور موج دریا بخاری، حال ان کا یہ ہے کہ یہ حضرت اولادِ حضرت میر سیّد جلال الدین المشہور بہ میر سُرخ ہیں جن کا مزار اوچ میں ہے۔ یہ حضرت بھی اوچ میں تشریف رکھتے تھے۔ زہد و ورع و تقویٰ و کرامت میں مشہور تھے اور اپنے آبا و بزرگوار کی خانقاہِ عالیجاہ کے سجّادہ نشین تھے۔[1]

ان کے لاہور میں تشریف لانے کا باعث یہ ہوا کہ اکبر بادشاہ کو قلعہ چتوڑ گڈھ کی مہم درپیش ہوئی۔[2] بہت سے امیرانِ بادشاہ وہاں پہنچے لیکن قلعہ مفتوح نہ ہوا۔ آخر خود اکبر بادشاہ وہاں پہنچا اور ہر چند تدبیر کی لیکن فتحِ قلعہ ممکن نہ تھی۔ بالآخر نجومیوں سے پوچھا کہ یہ قلعہ فتح نہیں ہوتا، بتاؤ کہ اس قلعہ کی فتح کس شخص کے نام ہے۔ نجومیوں نے بیان کیا کہ سیّد بخاری

---

[1]: حضرت موج دریا بخاریؒ ساداتِ عظام بخاری اور مشائخ کرام سہروردی کے مشاہیر میں سے ہیں۔ ان کی ولادت باسعادت باقوال صحیح ۹۴۲ھ میں واقع ہوئی (خزینۃ الاصفیاء) یہ بزرگ مظہرِ انوارِ شرافت، واقفِ اسرارِ طریقت و حقیقت و رہنمائے طریقِ معرفت تھے۔ (حدیقۃ الاولیاء)

[2]: لیکن تعجب ہے کہ اقبال نامہ اکبری، دربارِ اکبری اور طبقاتِ اکبری وغیرہ میں کسی جگہ مہم چتوڑ کے ساتھ اس واقعہ کا ذکر نہیں۔ بہرحال آپ کے تقدس کی وجہ سے یا اس واقعہ کی بدولت اکبر کا بڑا احترام کرتا تھا۔ (تاریخِ لاہور، فوق)

حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری کے اور وہ اوچ میں رہتے ہیں، اگر وہ آئیں تو یہ
قلعہ ان کے نام سے فتح ہو گا۔ لہٰذا اکبر نے اپنے معتبر بھیج کر ان کو طلب کیا اور سواری کے
واسطے سانڈھنی بھیجی۔ جب وہ لوگ حضرت کی خدمت میں پہنچے اور اکبر بادشاہ کی عرض بیان
کی تو آپ نے فرمایا کہ تم سانڈھنی لے چلو ہم آپ ہی چتوڑ گڈھ پہنچ جائیں گے۔ چلتے وقت انہوں نے
حضرت کا نشانِ تشریف آوری دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس روز تم بادشاہ کے لشکر میں داخل
ہو گے اس روز بڑی آندھی آئے گی اور تمام ڈیرے اور قناتیں گر جائیں گی اور سب لشکر کی
مشعلیں اور چراغ گل ہو جائیں گے مگر ہمارے ڈیرے کا ایک چراغ روشن ہو گا اور اس
چراغ کے پاس ہم بیٹھے ہوں گے۔ غرض جب وہ لوگ چتوڑ گڈھ پہنچے اور حضرت کا پیغام بادشاہ
کے پاس عرض کیا تو سرِ شام سخت اندھیری آئی اور تمام خیمے و شامیانے گر پڑے اور ہوا کی شدت
سے مشعلیں اور چراغ گل ہو گئے۔ اس وقت بادشاہ حسبِ وعدۂ حضرت ان کی تلاش کے درپے
ہوا تو دور سے ایک چراغ نظر آیا۔ بادشاہ پابرہنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض تسلیم کی۔
حضرت نے فرمایا کہ جاؤ کل کو قلعہ فتح ہو جائے گا۔ دوسرے روز حضرت خود بھی علی الصبح قلعہ
کے پاس تشریف لے گئے اور تین بار آوازِ بلند اسمِ مبارک "اللہ" زبانِ مبارک سے فرمایا۔
اسی وقت قلعہ فتح ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت نے اوچ کی طرف مراجعت کا ارادہ فرمایا تو اکبر
بادشاہ نے عرض کی کہ حضرت اب میرے پاس رہیں، میں آپ کا خادم ہوں اور اس ملک میں
جہاں مرضی مبارک ہو تشریف رکھیں۔ بعد رد و کد آپ نے لاہور میں رہنا قبول کیا، اور بمقام لاہور
تشریف لائے اور رہائش سے خود خانقاہ اور حویلی کی بنا کی۔ اکبر بادشاہ نے براہِ عقیدت و ارادت
نو لاکھ روپیہ[۵] کا علاقہ بٹالہ وغیرہ میں ان کو جاگیر میں عطا کیا، اور جس قدر روپیہ جاگیر کا حاصل

---

[۵]: حدیقۃ الاولیا اور تاریخ لاہور میں جاگیر کی رقم ایک لاکھ روپیہ لکھی ہے۔ (مآثر لاہور۔ فوق)

ہوتا تھا حضرت فقراء و مساکین کی خدمت میں صرف کر دیتے تھے۔

ان کی کرامات اکثر مشہور ہیں[1] چنانچہ ایک مشہور کرامت یہ ہے کہ اکبر بادشاہ کے امیروں نے اس سے کہا کہ آپ نے اس قدر جاگیر کثیر ایک سیّد فقیر کو دے دی ہے۔ اگر اس قدر جاگیر بہت لوگوں کو تقسیم ہو کر دی جاتی تو اس جاگیر میں خلق کثیر کا گذارہ ہونا ممکن تھا۔ اب جو ایک ہی شخص کو اس قدر زر کثیر ملتی ہے تو اور بہت لوگ کہ شریف و خاندانی ہیں۔ اس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اکبر نے جواب دیا کہ ان حضرت کو اوروں سے کیا نسبت ہے، کیونکہ یہ حضرت صاحب عرفان و کرامت ہیں۔ امیروں نے عرض کی کہ اگر ہم آپ حضرت کی کوئی کرامت بچشم خود دیکھیں تو یقین کریں۔ اکبر نے کہا کیا مضائقہ ہے جو کرامت چاہو حضرت دکھلا دیں گے۔ تب امیروں نے کہا کہ یہ بات مشہور ہے کہ جو سیّد حسبی نسبی ہو آگ میں نہیں جلتا۔ اگر آپ سیّد ہیں تو آگ میں جائیں، اگر نہ جلیں گے تو ہم معتقد ہوں گے کہ آپ سیّد اور ولی صاحب کرامت ہیں۔ حضرت نے قبول فرمایا اور قلعہ شاہی میں ایک بڑا تنور آگ سے گرم ہوا۔ جب حضرت کے صاحبزادہ سیّد شہاب الدّین نے سُنا کہ آج حضرت کے

---

[1] ان کی کرامت دخوارق کے ذکر میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت سے روبرو کسی نے کہا کہ سیّد کبھی سُنّی نہیں ہوتا کیونکہ ان کو اصحاب ثلاثہ سے کمال محبّت ہوتی ہے۔ پس جب اصحاب کبار کی نسبت اعتقاد ہوا تو سُنّی ہوا سیّد کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ پنجابی مثل زبان پر لایا کہ سیّد سُنّی نہیں کاٹھ کی گنّی نہیں، یعنی سیّد سُنّی نہیں ہے اور لکڑی کی ہنڈیا نہیں ہے۔ یہ تقریر سن کر حضرت نے ایک لکڑی کی ہنڈیا منگوائی اور دونوں پاؤں کا چولھا بنا کر اس میں آگ لگا دی اور ہنڈیا میں چاول ڈال دیے، جب تک چاول پک نہ گئے پاؤں پر ہنڈیا رکھی رہی۔ خدا کی قدرت سے نہ تو پاؤں جلے اور نہ لکڑی کی ہنڈیا جلی۔ جب چاول پک چکے تو فرمایا دیکھو سیّد بھی سُنّی ہے اور ہنڈیا بھی لکڑی کی۔ یہ کرامت دیکھ کر اہل مجلس حیران ہوئے۔ (حدیقۃ الاولیاء)

ہے قلعہ شاہی میں تنور گرم کیا گیا ہے تو آپ بھی قلعہ کی طرف گئے۔ دروازہ قلعہ کے سپاہیانِ محافظ نے اندر نہ جانے دیا تو آپ فی الفور بصورتِ شیر منتقل ہو گئے اور اِس صورت سے اندرونِ قلعہ دربارِ شاہی میں پہنچے اور اکبر کی طرف ایک طمانچہ اُٹھایا۔ اکبر خوف زدہ ہوا اور حضرت موج دریا سے پناہ مانگی۔ حضرت نے آواز دی کہ اسے شہاب الدّین کیا تو نہرا ہو گیا۔ فقیروں کو ایسی گرمی نہیں چاہیے۔ یہ سُن کر آپ اصلی شکل پر آئے اور عرض کی کہ یا حضرت امیرانِ اکبر اور اکبر آپ سے کرامت چاہتے ہیں کہ آپ اس تنور میں جائیں، اوّل بندہ جو آپ کا فرزند ہے تنور میں جاتا ہے، اگر مجھ کو آگ کی تاثیر ہو گئی تو آپ کو اختیار ہو گا کہ آپ خود تنور میں جائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کچھ حاجت نہیں کہ تم اور ہم تنور میں جائیں، بلکہ یہ کرامت ایک ادنیٰ خادم سادات سے سرزد ہو سکتی ہے۔ یہ بات کہہ کر آپ نے اپنے خدمتگار فریاد کو جو خدمتِ باورچی اور وضو کرانے پر مقرر تھا ارشاد کیا کہ تنور میں جاؤ۔ میاں فریاد یہ ارشاد سنتے ہی اللہ اکبر کہہ کر آگ میں کُود کر مشغول یادِ الٰہی ہوا۔ یہ حال دیکھ کر اکبر بادشاہ کے امیر نہایت نادم ہوئے اور تنور پر جمع ہو کر ہر چند میاں فریاد کو آواز دی کہ باہر آئے مگر وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا تھا۔ آخر الامر حضرت کی خدمت میں آ کر ملتجی ہوئے کہ حضرت خود شیخ فریاد کو آواز دیں کہ وہ تنور سے باہر آئے۔ حضرت نے اس کو آواز دی۔ فی الحال وہ باہر آ کر حضرت کے قدموں پر گر پڑا۔ ہماری زبان میں نہرا شیر کو کہتے ہیں، جس روز سے کہ حضرت سیّد شہاب الدّین بصورتِ شیر مبتدل ہوئے اُس روز سے شہاب الدّین نہرا کے خطاب سے مشہور ہوئے۔

کمترین خود ان کے روضہ پر گیا اور یہ سب حال زبانی سیّد حسین شاہ بن سیّد پیر شاہ جو اولادِ سیّد صفی الدّین سے لاہور میں رہتے ہیں اور اصغر علی اولادِ سیّد شہاب الدّین نہرا سے

آپ کی وفات اکبر بادشاہ کے فوت ہونے سے ایک سال قبل بتاریخ ۱۱ ماہ ربیع الاوّل ۱۰۱۳ھ وقوع میں آئی۔ چنانچہ مفتی غلام سرور صاحب نے قطب سے ان کا حال لے کر درج کتاب خود فرمایا اور یہ تاریخ جو اُن کی تصنیف ہے بطور یادگار لکھتا ہوں۔ قطعہ

حضرتِ میراں محمد شاہ خُلد — موجِ دریائے سخا عین الیقیں

سُہروردی پیرِ شیخ باصفا — بُود بحرِ فیض بر رُوئے زمیں

زیں جہانِ مجلس حُزن و ملال — گشت چوں اندر ارم منزل گزیں

گشت سرور سالِ ترحیلش عیاں — از "محمد شاہ میراں میرِ دیں"

"آپ کا مقبرہ ایڈورڈس روڈ پر اکونٹنٹ جنرل کے دفتر کے قریب واقع ہے روضہ کے اوپر بہت بڑا گنبد ہے اور اس کے اندر گیارہ قبریں ہیں جو آپ کے فرزندوں اور عزیزوں کی ہیں۔ روضہ کے دروازہ پر ایک پتھر پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے" روضۂ مقدسہ زبدۃ الواصلین قدوۃ العارفین مقبول بارگاہِ ایزدباری میراں سید محمد شاہ موج دریا بخاری نوراللہ مرقدہٗ در عہدِ اکبر بادشاہ تعمیر یافت" یہ مقبرہ حسبِ درخواست اکبر بادشاہ حضرت کے بحینِ حیات تعمیر ہوا تھا۔ اگرچہ حضرت نہیں چاہتے تھے کہ مقبرہ بنوائیں لیکن اکبر نے بضد ہو کر حضرت کے لیے یہ مقبرہ بنوایا۔"

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سید شہاب الدین مہرا رح

بن حضرت موج دریا بخاری رح، ان کا حال سید اصغر علی شاہ کی زبانی جو اولاد سید شہاب الدین مہرا سے ہیں یوں معلوم ہوا کہ جب یہ حضرت سید شہاب الدین مہرا[1] خلف حضرت موج دریا دریا بخاری رح چار سال چار ماہ چار روز کے ہوئے تو حسب دستور شرع محمدی ان کے والد نے ان کو تحصیل علوم ظاہری کے لیے ایک معلم مسمی فضل رسول لاہوری کے حوالے کیا۔ جب استاد پڑھانے لگا تو اس نے کہا، کہو الف، آپ نے فرمایا، الف، پھر اس نے کہا کہ آگے کہو ب، آپ چپ رہے اور کچھ نہ بولے۔ پھر اس نے کہا کہ پڑھو، تو بھی آپ چپ رہے۔ الغرض استاد نے خفا ہو کر کہا کہ پڑھو ب۔ آپ نے ناراض ہو کر ایک طمانچہ استاد کے منہ پہ مارا اور فرمایا کہ اے بے وقوف استاد! ہم کو ایک ہی الف اللہ کا کافی ہے۔ ہم ب سے واقف نہیں، استاد یہ ذکر سن کر حضرت موج دریا بخاری کے پاس گیا اور رنجیدہ ہو کر کہا کہ حضرت آپ کے صاحبزادہ نے مجھ کو ایسا طمانچہ مارا ہے کہ میرے دانت ٹوٹ گئے ہیں، اور الف سے زیادہ نہیں پڑھا۔ حضرت موج دریا بخاری نے یہ حال سن کر آپ کو بلوایا اور کہا اور آپ سے یہ کیا حرکت ہوئی ہے کہ استاد کو طمانچہ مارا ہے۔ آپ نے کہا کہ سچ ہے ہم کو ایک الف اللہ کا کافی ہے اور ماسوا اس کے ہم کو

[1]: اسم مہرا کی وجہ تسمیہ کا حال حضرت موج دریا بخاری رح میں مفصل تحریر ہو چکا ہے (چشتی)

سب علم حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ شکمِ مادر میں تعلیم فرما گئے ہیں، چنانچہ تمام قرآن شریف اُسی وقت نوکِ زبان سُنا دیا۔ اس پر حضرت ممدوح دریا بہت خوش ہوئے اور دوگانہ شکر ادا کیا اور اُستاد بھی حیران ہو کر چلا گیا۔[۱]

حضرت کی وفات کا ذکر یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت کا واقعہ گیارہویں ماہ ذی الحجہ ۱۱۴۱ھ کو بمقام بٹالہ ہوا ہے۔ شبِ وفات آپ نے اپنے صاحبزادے شاہ مصطفیٰ کو فرمایا کہ ہم صبح کو فوت ہو جائیں گے تم کو لازم ہے کہ ہمارا جنازہ بٹالہ سے اُٹھا کر بطرفِ لاہور روانہ ہونا پس جہاں ہمارا جنازہ رُک جائے وہیں دفن کر دینا، چنانچہ جب یہاں بمقام مزار موجود جنازہ آ پہنچا تو رُک گیا۔ مشہور ہے کہ ان ایام میں یہاں ایک ہندو سادھو جوگی رہتا تھا۔ اس کو بعالمِ رؤیا حضرت کی طرف سے آگاہی ہوئی کہ تو یہاں سے دہلی چلا جا کہ یہاں ہمارا مقبرہ ہوگا۔ اُس نے جواب میں عرض کی کہ بچشم چلا جاؤں گا مگر اُمیدوار ہوں کہ زیارتِ جنازہ کر لوں، جب یہاں جنازہ آ پہنچا تو وہ ہندو فقیر باہر آیا اور جنازہ کی زیارت کر کے چلا گیا اور حضرت یہاں دفن ہوئے اور قبر خام تیار ہوئی۔ چونکہ آپ کے خادم بہت امیر اُمرا تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ حضرت کا مقبرہ عالی شان بنائیں تو اُن کو بعالمِ خواب آپ سے حکم ہوا کہ خبردار ہماری قبر خام رہنے دو پختہ نہ بناؤ، جو کوئی ہماری قبر پختہ بنائے گا تکلیف پائے گا۔

نیز مشہور ہے کہ جب حضرت ممدوح کی عمر چودہ سال کی ہوئی تو ایک شخص سید

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء میں ان کے تعارف میں لکھا ہے کہ "سیادت و ولایت و کرامتِ موروثی داشت و در وقتِ خود قطبِ زمانہ و مردِ یگانہ بود تمام عمر در ذوق و شوق و ہدایتِ خلق گذرانید و خوارقِ بسیار از وی بظہور می آمدند۔"

شبیر شاہ نامی کہ نامی گرامی سادات عظام سے تھا[1] اور ہر جگہ اور ہر مقام میں سیر کرتا پھرتا تھا اور ہر سید کو کہتا تھا کہ اگر تم سید ہو تو شبیر کی سواری کرو، اور اس کے پاس ایک زنجیر آہنی اور چوبی کلہاڑی تھی، اس کی بابت کہا کرتا تھا کہ اس زنجیر آہنی کو اس چوبی کلہاڑی سے توڑ دو اور تنور گرم میں جا کر سلامت نکل آؤ۔ جب یہ امر کوئی نہ کر سکتا تو شبیر شاہ اس کو قید کر لیتا تھا۔ اس خوف سے اکثر سادات سیادت سے منکر ہو جاتے تھے حتیٰ کہ وہ موضع چونڈہ میں، جو امرتسر (مشرقی پنجاب) میں ہے آ پہنچا اور وہاں آکر یہ اشتہار دیا۔ اس وقت حضرت بٹالہ میں تھے۔ حضرت یہ ذکر سن کر ایک شخص محمد رفیع آہنگر کو جو اُن کے خاندان کا مرید تھا، ہمراہ لے کر موضع چونڈہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ اس نے عمائد سادات بالکرام مقید کیے ہوئے ہیں۔ جب لوگوں نے ان کو دیکھا تو عرض کی کہ صاحبزادہ جی آپ یہاں کیوں آئے ہو واپس چلے جاؤ ورنہ یہ آپ کو بھی ہمارے ساتھ مقید کر لے گا۔ آپ نے فرمایا خاموش رہو اللہ معنا۔ یعنی اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس کے خوف سے ہم سیادت سے منکر کیونکر ہوں کیونکہ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لعنۃ اللہ علی خارج النسب و داخل النسب یعنی لعنت ہے اس پر جو کسی کے نسب میں داخل ہو یا اپنے نسب سے نکلے، یعنی اگر کوئی سید نہ ہو اور سید کہلائے یا سید ہو اور اپنے نسب کو چھپائے تو وہ ملعون ہے۔ اس اثنا میں شبیر شاہ بھی وہاں آ گیا اور آپ سے ملاقات کی۔ آپ نے فرمایا کہ بابا یہ کیا معاملہ ہے جو تجھ سے وقوع میں آتا ہے۔ اُس نے کہا کہ اگر آپ سید ہیں تو میرے یہ تین سوال پورے کریں۔ آپ نے فرمایا کہ فقرا کا امتحان کرنا اچھا نہیں ہوتا آگے تمہاری مرضی۔ یہ کہہ کر آپ شبیر

---

[1] خزینۃ الاصفیاء میں اس شخص کی نسبت "شبیر شاہ حاکم پنجاب کہ خود را سید صحیح النسب می دانست و دیگر کسی را از سادات ہندوستان بخیال نمی آورد" لکھا ہے۔ (مؤلف)

کے پنجرے کے پاس گئے اور شیر کو کان سے پکڑ کر باہر نکالا اور فرمایا کہ جاؤ جنگلوں میں سیر کرو۔ بعدازاں زنجیرِ آہنی پر چوبی کلہاڑی ماری تو زنجیر فی الفور پاش پاش ہو گئی۔ پھر شیر شاہ کو کہا کہ جلد تنور گرم کر۔ اور اللہ سے عرض کی کہ یا الٰہی کرم کر۔ جب تنور خوب گرم ہوا تو آپ نے اپنے خادم محمد رفیع لوہار کو فرمایا کہ تو لوہار ہے اور تیرا آگ ہی سے سروکار ہے، تو تنور میں جا اور انشاء اللہ تعالیٰ آتشِ تنور تیرے لیے گلزار ہے اور حضرت غفار تیرا حامی و مددگار ہے۔ اس کے بحرِ کرم سے یہ نار تجھ کو آزار نہ دے سکے گی۔ الغرض وہ اس تنور میں کودا اور حضرت نے اس کے اوپر سے ڈھکن رکھ دیا، اور آپ ایک دیوار پر جا بیٹھے اور اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے پھنڈڑ یہ دو قدم تو چل (پھنڈڑی ملتانی زبان میں بہن کو کہتے ہیں) بموجب ارشاد وہ دیوار چند قدم چلی۔ شیر شاہ نے جب یہ کرامت دیکھی تو قدموں پر گرا اور خادم ہوا۔ اس کے بعد آپ نے اس کو حکم دیا کہ تمام سادات جو تیرے پاس قید ہیں۔ ان کو چھوڑ دے اور ان کو حکم دے کہ جو اسباب تیرا ہے فی سبیل اللہ لوٹ کر لے جائیں، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ جب اس کے پاس صرف پارچات ملبوسہ رہ گئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ بھی اتار کر تقسیم کر دے اور ستر عورت کے واسطے کمر پر ایک چٹائی لپیٹ لے اور یہاں ہی بیٹھا رہ، اور اس کا ایک نظر سے کام تمام کر دیا یعنی وہ عارفِ کامل ہو گیا اور تمام عمر وہیں تارک الدنیا ہو کر بیٹھا رہا، چنانچہ اب تک اس کا مقبرہ موضع خیرپور میں موجود ہے۔

نیز بڈھے شاہ کی زبانی جو حضرت موج دریا بخاری کے سجادہ نشین حال میں معلوم ہوا کہ حضرت موج دریا بخاری صاحب کے دو قبیلے تھے، ایک بیوی وڈی صاحبہ اور دوسرے مائی نورنگ بی بی۔ مائی بیوی وڈی صاحبہ سے ایک بیٹا سید غنی الدین صاحبزادہ کلاں پیدا ہوا اور مائی نورنگ بی بی سے دو فرزند ہوئے، ایک شاہ شہاب الدین دوسرا

اور دوسرے بہاؤ الدین جو لاولد مر گئے[51]

شاہ شہاب الدین نہرا کی تاریخِ تولد ۹۶۴ھ اور تاریخِ وفات ۱۰۴۱ھ ہے[52] اور جو قطعات تاریخ تولد و وفات مفتی غلام سرور صاحب نے بامیدِ اندراج کتاب ہٰذا حسبِ تحقیقات بندہ عنایت کیے وہ درج ذیل ہیں : تاریخِ ولادت سے

چو بر روئے زمین شد پرتو افگن — بشکلِ ماہ شہاب الدین نہرا

چو جستم سالِ تولیدش زہاتف — بگفتا "شاہ شہاب الدین نہرا"
۹۶۴ھ

اور تاریخِ وفات : سے

ماہِ روئے زمین شہاب الدین — شیخِ اہلِ یقین شہاب الدین

عقل تاریخِ انتقالش گفت — پیرِ نورِ شاہِ دین شہاب الدین

"آپ کا مزار نواحِ لاہور میں موضع بھوگیوال کے متصل واقع ہے اور آپ کی وصیت کے مطابق خام ہے" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

۵۱ : حضرت موج دریا بخاری کے احوال میں گذر چکا ہے کہ سید صفی الدین اور بہاؤ الدین، بیوی وڈی صاحبہ کے بطن سے اور شہاب الدین نہرا بی بی نورنگ کے بطن سے متولد ہونے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء کا بھی یہی بیان ہے۔ (مؤلف)

۵۲ : خزینۃ الاصفیاء میں ولادت باسعادت باقوالِ صحیح ۹۶۵ھ میں لکھی ہے اور تاریخِ وفات میں ۱۰۴۱ھ کے علاوہ ۱۰۴۰ھ بھی دیا ہے۔ (مؤلف)

شاہ شمس الدین قادری رح

یہ حضرت بڑے سید سادات حسینی تھے اور نہایت ولی کامل۔ آپ حضرت شاہ ابو اسحاق[1] کے خادم ہیں جن کا روضہ موضع مزنگ میں زیارت گاہِ خلق اللہ ہے۔ یہ حضرت شاہ بلاول کے پیر بھائی ہیں اور سلسلہ آپ کا قادریہ ہے[2]

اِن کی وفات بروز چہار شنبہ گیارھویں رجب المرجب ۱۰۲۱ھ میں واقع ہوئی جب جہانگیر بادشاہ نے اِن کا حالِ وفات اور شاہزادہ خرّم کے حکم سے تعمیرِ روضہ کی خبر سُنی تو بادشاہ نے اس کے گرد و نواح میں ایک باغ عالی شان تعمیر کرا دیا۔ کہتے ہیں کہ عہدِ محمد شاہی تک وُہ باغ آباد تھا۔ عوام لوگ اور نیز ایک خادم فقیر اس مزار کا بیان کرتا ہے کہ حضرت کی مرضی نہیں کہ کوئی یہاں رات کو شب باش ہو بہت ہیبت آتی ہے۔

پہلے ان کے مقبرہ کے چاروں گوشوں کے اُوپر چار مینار تھے اب مسمار ہو گئے ہیں۔

---

[1]: اِن کا ذکرِ خیر پہلے گذر چکا ہے۔ (مؤلف)

[2]: حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ انہوں نے شاہ ابو اسحاق قادری لاہوری سے نعمتِ خلافت پائی۔ اور لاہور ہی میں سکونت رکھ کے مشغول بتدریس و تلقین ہوئے۔ دُنیا کے طالب بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کبھی خالی نہ جاتے۔ جہانگیر بادشاہ اِن کا کمال معتقد تھا۔ ہر سال جب کشمیر کے سفر کو جاتا ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ ان کے کامل و مکمل مُرید بہت تھے (باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

مکان نہایت نورانی ہے۔ در شمالی کے اوپر اندر کی طرف یہ دو شعر بخط نستعلیق تحریر ہیں[ل] شعر

چو شمس الملل زیں جہاں رخت بست | بیاراست ایزد برائش بہشت
بجستم ز پیر خرد سالِ او | بگفت از سرِ لطف جائش بہشت
۱۰۲۱ ھ

بوقتِ تصنیف کتابِ ہذا ایک قطعۂ تاریخ مفتی غلام سرور لاہوری نے بامیدِ اندراج

پیش کیا جو بجنسہٖ درج ذیل ہے : قطعہ

جناب شاہ شمس الدین شہ دین | کہ بود او عالم و عامل مکمّل
عجب سالِ وصالش گشت روشن | ز شمس الدین شہ کامل مکمّل

"اس وقت ان کا مقبرہ باغِ جناح کے قریب گاف روڈ پر چمبرلین میں واقع

ہے" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۳

خزینۃ الاصفیا کا بیان ہے کہ آپ شیخ ابو اسحاق قادری لاہوری کے خلفائے کبار میں سے ہیں۔ از جملہ

بزرگ، عالم و عامل و عارفِ کامل فرد و یگانۂ زمانہ، علمِ شریعت و طریقت میں طاق و یگانۂ آفاق اور سماع و کشف

کرامت سے نہایت محترز تھے۔ لاہور میں فتوحِ عظیم پائی اور طالبانِ خدا فوج در فوج ان کی خدمت

میں حاضر ہوئے۔ بادشاہِ وقت شاہ جہانگیر بھی ان کا معتقد ہو گیا اور کبھی ان کے حکم سے سر نہ پھیرتا۔ یہ حضرت بادشاہ

کو رقعہ لکھ کر حاجت مندوں کی سفارش کرتے تو بادشاہ بہزار خورسندی اہلِ حاجت کی حاجت روائی کرتا تھا۔

حاشیہ صفحہ ھذا

سلہ : یہ اشعار اب موجود نہیں۔ (مؤلف)

شیخ حسین لاہوریؒ

کتاب حقیقت الفقراء میں شیخ پیر محمد صاحب کہ جن کا تاریخی نام شیخ محمود اور جو حضرت مادھو کے خاص خادم تھے، ان کے حالات عام طور پر یوں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت کا نام مشہور ڈھاڈا حسین ہے اور ڈھڈا پنجاب کے راجپوتوں میں ایک ذات ہے۔ یہ حضرت ننھیال کی طرف سے ڈھڈا اور باپ کی جانب سے کلسرائے تھے۔ یعنی آپ کے بزرگوں میں سے جو شخص کہ اوّل مشرف با سلام ہوا اس کا نام کلسرائے تھا۔ جب وہ مسلمان ہوا تو شیخ الاسلام خطاب پایا۔ اس وجہ سے اس کی اولاد کلسرائے مشہور ہوئی۔[1]

حضرت کے والد کا نام شیخ عثمان تھا۔ اس نے بباعث محتاجی بافندگی کا پیشہ اختیار کیا، اور حضرت حسین بالتدریج تارک دنیا اور واقفِ راہ معرفت و سلوک ہوئے۔ حضرت کی تاریخ تولد بقول شیخ پیر محمد یہ ہے۔ شعر

چوں وجودِ مبارکش بجہاں — آمد از پردۂ عدم بہ عیاں

بود آں سال در شمار عدد — چہل و پنج زیادہ بر نہصد (۹۴۵)

اور جب راقم نے چاہا کہ تاریخ تولد منظوم ہو تو یہ شعر موزوں ہوا۔ شعر:

---

[1] حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ ان کا دادا کلجس رائے ہندو تھا جس نے فیروز شاہ تغلق کے وقت میں اسلام قبول کیا۔

سالِ مولودش از سروشِ الٰہ   خواست چشتی کہ تا شود آگاہ

آمدش پس ندا ز عرشِ مجید   "صبحِ صادق بر اوجِ فقر دمید"[1] (۹۴۵ھ)

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لفظ فقر کے تین حرف ہیں۔ طالب کو چاہیے کہ ان حروف کے رازسے آگاہ ہو۔ اوّل فا، اس سے مراد فقر و فاقہ و فنا اور فرائضِ حق کا گزارنا، اور راہِ تجرید میں فیروزی حاصل کرنا اور فسق و فجور سے ترک، اور قاف سے قناعت اور قصدِ دل باخدا اور عہدِ خدا پر استقرار اور قیام کرنا اور قربِ حق کو ڈھونڈنا: اور را سے ریاضت اور رضا اور روئے دل غیرِ خدا سے پھیرنا اور راہِ راست پر چلنا اور نفسِ امّارہ کی خیانت سے آگاہ رہنا اور راہ بحق پانا ہے۔

سجّادہ نشینِ خانقاہ حضرت کے پاس ایک بیاض ہے، اس میں ان کے دستخطِ خاص سے لکھا ہوا ہے کہ درویش کے پانچ حرف ہیں، سو درویش کو لازم ہے کہ ان پانچ حرفوں کے اشاروں سے آگاہ ہو۔ دال سے دردِ دل اور را سے ریاضت و ترکِ ریا اور غیرِ حق سے رخصت ہونا، اور واؤ سے وحدت اور وداعِ وجود اور واصلِ بحق ہونا، اور یا سے یاری غیرِ حق سے نہ چاہنا اور یادِ حق کے سوا دم نہ مارنا اور یک رنگ و یک دل رہنا، اور شین سے شکرِ حق ادا کرنا اور شکایت سے لب بند کرنا اور خدا سے شرم رکھنا اور شریر نہ ہونا مراد ہے۔

حضرت لال حسین کی بیعت جناب حضرت بہلول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تھی اور ان کی بخدمت حضرت شہ لطیف برّی اور ان کی بخدمت شاہ محمد مقیم اور ان کی بخدمت حضرت حیات المیر قادری جو حضرت غوث الاعظم قدس اللہ سرہٗ العزیز کے نبیرہ ہیں۔

---

[1] صاحب حقیقۃ الفقرا نے اسی مصرع سے تاریخ ولادت، اخذ کی تھی۔ (خزینۃ الاصفیاء)

حضرت شیخ بہلول مذہب امام اعظم میں بڑے صاحب ریاضت و عبادت اور اپنے وقت کے شبلی و جنید تھے۔ مزاج حضرت کا سیاح سفر پسند تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ پیر کامل کی مہربانی سے جو نصیحت مجھ کو عطا ہوئی ہے برکات سفر سے حاصل ہوئی ہے، جب حضرت کو اول شوق الٰہی ہوا تو نجف اشرف اور کربلائے معلی میں معتکف رہ کر فیوض تمام حاصل کرکے بیت اللہ میں آئے اور بعد تقدیم مراسم حج بعزم طواف روضہ منورہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف روانہ ہوئے اور بر روضہ عالیہ حضرت شاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والتحیت حاضر ہو کر مدت بھر وہاں جاروب کشی کی اور معتکف رہے، بعد شش ماہ حضرت شاہ نبوت کی طرف سے یہ ارشاد ہوا کہ تم اب یہاں سے حضرت مخزن کرامت غوث الثقلین قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی کی زیارت کے لیے بغداد میں جاؤ، اور سعادت دارین اٹھاؤ، چنانچہ حضرت شیخ مدینہ سے روانہ ہو کر بغداد میں پہنچے اور ایک سال کامل جاروب کشی کی اور وہاں سے بزیارت روضہ مقدسہ حضرت امام اعظم شرف یاب ہوئے۔ اور وہاں سے عجائبات الٰہی دیکھ کر جناب حضرت موسیٰ امام کاظم کے روضہ مبارک کی زیارت کی اور پھر اشرف البلاد بغداد سے باجازت جناب حضرت غوث الاعظم روانہ مشہد مقدس ہوئے اور وہاں پہنچ کر بزیارت روضہ منورہ دیدہ و دل روشن کرکے چندے وہاں تشریف رکھی تب امام انام سے حکم ہوا کہ آپ یہاں سے کوہستان کی طرف جائیں اور کوہ پنجشیرہ کی بلندی پر جاکر پھر اس کی اس طرف سے اتریں کیونکہ وہاں ایک غار بمقدار غار اصحاب کہف ہے اس میں ایک فقیر صاحب کمال ظاہر مجذوب اور فی الاصل حیرت افزائے سالکان مسلک بسلسلہ قادریہ ہے اس سے آپ کو فائدہ مطلوبہ عنایت و مرحمت ہوگا۔ یہ مژدہ سن کر آپ بہزار خوشی کوہ پنجشیرہ پر پہنچے اور وہاں سے آکر اس غار میں مشرف ہوئے۔ وہاں ایک بزرگ کو دیکھا کہ

بحالتِ فنا فی اللہ سر مراقبہ میں ڈالے ہوئے بیٹھا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے دو نظریں ایک جلالی اور دوسری جمالی عنایت کی ہوئی ہے۔ یعنی ان پر دو حالتیں طاری ہوتی تھیں، حالتِ جلالی میں تو آپ جس پر نظر ڈالتے تھے وہ جل کر خاکستر ہو جاتا تھا اور حالتِ جمالی میں جدھر دیکھتے تھے وُہ نہال اور سرسبز ہو جاتا تھا، اور جو آدمی اس دم رُوبرو آتا ولی کامل ہو جاتا۔ قدرتِ الٰہی سے جب حضرت شیخ بہلول وہاں پہنچے تو ان پر حالتِ جلالی کا وقت تھا، لوگوں نے ان کو مطلع کیا اور آپ بچ گئے۔ پھر جب وہ مشغولِ مراقبہ ہوئے تو یہ حضرت شیخ بہلول وہاں سے کسی گاؤں میں گئے اور آلاتِ مُوتراشی بہم پہنچا کر ان کی خدمت میں آئے اور ان کے درِ دولت پر آ بیٹھے۔ اس وقت ان پر حالتِ جمالی طاری تھی۔ جب اس صاحبِ کمال مجذوب کی نظرِ مبارک آپ پر پڑی تو یہ قطبِ زمانہ ہو گئے اور جس قدر عقدے تھے حل ہو گئے۔

اُس شیخ مجذوب کا نام کسی کو معلوم نہیں کیونکہ حضرت بہلول نے کسی سے ظاہر نہیں فرمایا، مگر اشارتاً اکثر "مردِ حق" لکھا کرتے تھے۔ پھر حضرت بہلول نے اس "مردِ حق" سے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو فدوی حضرت کی مُوتراشی کرے۔ آپ نے اشارتاً فرمایا کہ اچھا جو چاہے سو کرو۔ حضرت نے آپ کی مُوتراشی مسنُونہ فرمائی اور پھر مردِ حق سے رخصت چاہی، انہوں نے فرمایا کہ یہاں سے برابر لاہور جاؤ اور جناب حسین کو راہِ ہدایت دکھلاؤ۔ آپ وہاں سے بہرتن قدم ہو کر تشریف فرمائے لاہور ہوئے۔ جب لاہور میں پہنچے تو حضرت حسین کی تلاش کرنے لگے۔ اس وقت الہامِ الٰہی سے ان کے کوچہ میں تشریف لائے۔ راوی کہتا ہے کہ اس وقت حضرت لال حسین دس سالہ کے تھے اور بخدمت مولوی ابوبکر ساکن بگہ قرآن شریف کا ساتواں سیپارہ حفظ کر رہے تھے۔ حضرت بہلول ان کے مکتب میں آئے اور حضرت حسین پر بنظرِ نوازش نگاہ کر کے حافظ ابوبکر سے پوچھا کہ اس لڑکے کا کیا نام ہے اور کیا پڑھتا ہے۔

انہوں نے عرض کی کہ یا مولیٰ اِس کا نام حسین ہے اور ساتواں سیپارہ حفظ کر چکا ہے، اب آٹھواں شروع کرے گا۔ بعد ازاں حضرت بہلول نے کہا کہ اس لڑکے کو کہو کہ ہمارے وضو کے لیے دریا سے پانی لائے۔ کہتے ہیں کہ حضرت حسین کا مکتب انہیں کے محلہ میں تھا اور وُہ محلہ بیرونِ دروازہ ٹکسالی لاہور متصل کنارہ دریائے راوی تھا۔ حافظ ابوبکر نے حضرت حسین کو کہا کہ جاؤ اور اس بزرگ کے لیے جلد دریا سے پانی لاؤ۔ جب وُہ پانی لایا تو حضرت بہلول نے وضو فرما کر اس کے حق میں دعائے خیر کی کہ یا الٰہی اس کو فقیر عارف باللہ کر۔ بعدہٗ حضرت اس مردِ حق کے حسب الحکم چند مدت لاہور میں مشغولِ حالِ حضرت حسین رہے اور حضرت بہلول کی ان پر نظرِ عاشقانہ ہو گئی۔ الغرض ان کو بہت جلد تیار کیا۔

اس اثنا میں ماہِ رمضان المبارک بھی نزدیک آیا اور حضرت بہلول نے حافظ ابوبکر سے فرمایا کہ نماز تراویح میں امام نماز حسین ہو اور قرآن شریف سنائے۔ الغرض اوّل رمضان سے تا ششم حضرت حسین نے چھ سیپارے خوانارہ نماز تراویح میں سنائے اور ساتویں روز حضرت نے مرشد کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کی کہ یا مولیٰ جو قرآن مجید کو یاد تھا میں سنا چکا ہوں، اب آگے کے لیے کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا کہ تو نے اب تک پڑھا ہوا سنایا ہے کچھ عجب نہیں دکھلایا، اب تجھے لازم ہے کہ بعد وضو نماز ادا کر اور پھر قرآن شریف پڑھتا ہوا لبِ دریا جا اور ہمارے لیے دریا سے پانی لے آ۔ لیکن جب کوزہ بھرنے لگا تو وہاں تجھے ایک شخص سبز پوش ملے گا، جو کچھ کہ وہ تم کو کہے اس کو بجا لاؤ۔ انہوں نے ویسا ہی کیا، جب پانی بھر کے روانہ ہوئے تو ایک سبز پوش نورانی صورت شخص وہاں ظاہر ہوا۔

گفت کائے کودک السلام علیک   ارسل اللہ الی وحیت الیک

خضر پیغمبرم مرا بشناس   تا نباشد بخاطرت وسواس

خاطرِ خویش جمع دار از من | بیقین دان و شک بدار از من
حق فرستادہ ست بر تو مرا | کہ ترا علم بخوانانم،
چوں تو ایں علم حق ز من خوانی | ہر چہ ناخواندہ ہمہ دانی
آب ازشکر علم بے شکوہ | ریز در دستِ من ازیں کوزہ
تا بریزم بکام تو آں آب | کشف گردد ز علم بر تو حجاب
ایں سخن چوں از و شنود حسینؒ | سر بپائش نہاد زود حسینؒ
گفت جان و دلم ازیں احساں | باد در زیر پائے تو قرباں
آب از کوزہ چہ بل از دل و جاں | ریزم اکنوں اگر دہی فرماں
گفت خضرش کہ اے پسر زنہار | تو سر خود ز پائے من بردار

اور پھر فرمایا کہ میرے ہاتھ پر اس کوزہ سے پانی ڈال۔ حضرت حسینؒ نے کوزہ سے ان کے ہاتھ پر تھوڑا سا پانی ڈالا اور انھوں نے اس میں سے قدرے پانی حضرت حسینؒ کے منہ میں ڈالا۔

آب کز فیض دستِ خضر چشید | ہر چہ بودش نہاں عیاں ہمہ دید

پھر حضرت خضرؑ نے ان کو حوالہ بخدا کر کے رخصت کیا اور فرمایا کہ اپنے شیخ کو ہمارا سلام دینا۔ جب حسینؒ اپنے شیخ کے پاس آئے تو انھوں نے فرمایا کہ اس راز کو مخفی رکھنا، اور بعدہٗ فرمایا کہ اب رات کو امامت کرنا اور قرآن مجید پڑھنا، الغرض بتاریخ ۲۷ رمضان المبارک انھوں نے ختم قرآن کر لیا اور ناخواندہ کو بطور خواندہ پڑھ سنایا، القصہ حضرت حسینؒ کو جنابِ الٰہی میں قربِ کلّی حاصل ہو گیا۔

جب حضرت بہلولؒ حسب الحکم پیرانِ عظام و امامانِ ہمام حضرت حسینؒ کی تربیت

کے بیے آئے اور ان کو کامل بنایا تو اس وقت بقول حضرت پیر محمد صاحب حقیقت الفقرا سال ۹۵۵ھ تھا۔ جب حضرت بہلول کو ان کی طرف سے کلی خاطر جمعی ہو گئی تو آپ نے حضرت حسین سے رخصت ہونا چاہا اور بوقتِ رخصت فرمایا کہ اے حسین یہاں لاہور میں جناب حضرت پیر مخدوم علی گنج بخش ہجویریؒ کا مزار پر انوار ہے جب ہم چلے جائیں تو ہماری ہاجرتِ عوری سے غم نہ کرنا ہم نے تم کو پیر علی گنج بخش ہجویریؒ کی خدمت میں سپرد کیا ہے آپ کو لازم ہے کہ اُن کے دروازہ فیض انداز پر حاضر رہنا تمہاری کشودِ کار بار رجنہ کمال وہاں سے ہو گی، اور وہ راہِ حق میں تمہارے مرقی ہوں گے اور تم کو جلد زواصل اللہ کردیں گے، یہ نصیحت فرما کر آپ روانہ وطن مبارک ہوئے۔

ادھر حضرت حسین نے راہِ حق میں بکوششِ تمام عبادت کرنی شروع کی اور اکثر دریا پر مشغولِ ریاضت اور ہمیشہ دائم الصوم اور قائم اللیل رہا کرتے تھے حتیٰ کہ اسی طرح ان کے چھبیس سال زہد و ریاضت میں گذرے اور یہ حضرت گرما و سرما میں اکثر ریگستان میں اوقات بسری کیا کرتے۔ رات کو آپ تمام رات دریا میں کھڑے ہو کر تا بسحر ختم قرآن کیا کرتے اور دمِ صبح ختم شریف کر کے دریا سے باہر آتے اور نمازِ صبح و اشراق پڑھ کے حضرت پیر علی گنج بخش ہجویریؒ کی خانقاہ پر حاضر ہوتے۔ حضرت نے کبھی اس عرصہ میں نماز بے جماعت ادا نہ کی تھی ہمیشہ نماز با جماعت ادا کیا کرتے تھے، اور بارہ برس تک حضرت کا یہ معمول رہا کہ حضرت کی خانقاہ پر صبح سے تا بچاشت ؎

کردی از سحر کلام حق آغاز

بسم تا ناس ختم کردی باز

ایک دن روزِ جمعہ ماہ رمضان کا ذکر ہے کہ مخدوم ہجویریؒ کے مرقدِ پُر نور سے نورِ

ربانی کا ایک پیکر نظر آیا۔ حضرت حسینؒ نے یہ صورت نورانی دیکھ کر ان کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کون ہیں اور حضرت کا نام نامی کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرا نام شیخ پیر علی ہے۔ تو نے بارہ برس ہماری خدمت کی، اس کے عوض تو ولی کامل اور ارشاد مقبول ہو گیا ہے، اب جو تو کہے گا وہی ہو گا۔ اب تو شراب وحدت سے مست بلکہ الست ہو جائے گا۔

اگرچہ حضرت حسینؒ کو یہ سرافرازی جناب الٰہی سے عطا ہوئی مگر پھر بھی اب بدستور تا چاشت وہاں ختم قرآن کرتے تھے اور پھر قدرے قیلولہ کر کے نماز ظہر ادا فرماتے، اور بعد ازاں مدرسہ میں جا کر تا عصر تفاسیر قرآنی کی سماعت میں مشغول رہا کرتے اگرچہ تمام علم حضرت پیر الٰہی پیر کی نوازش سے مکشوف ہو گیا تھا، بعد ازاں نمازِ عصر ادا کر کے مشغولِ اوراد ہوتے اور تمام رات دریا میں کھڑے ہو کر ختم قرآن فرمایا کرتے اور بعد افطار تا عشاء نفل پڑھتے، آپ کا یہ معمول تھا کہ اگر کبھی ان کو بیماری عائد حال ہو جاتی تھی تو بھی اپنے وظائف معمولی کو نہ چھوڑتے تھے۔ جب چندے اس طرح رہے تو پھر وہ عبودیت کو چھوڑ کر ربوبیت کے درجہ میں جا ملے اور فنا فی اللہ ہو کر مستغنی بقا ہو گئے۔ ؎

سرِ توحید ست بر وے مکشوف　　شد بوصفِ موحدے موصوف

پہلے وہ محب تھے پھر وہ محبوب ہو گئے اور طالبی سے گذر کر مطلوب بن گئے۔

اس اثنا میں آپ شیخ سعد اللہ نامی سے کچھ تفاسیر بھی پڑھا کرتے تھے، شیخ سعد اللہ بھی عالم عامل اور ولی کامل خدارسیدہ تھے اور حضرت حسینؒ ان سے تفسیر مدارک پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ کے سبق میں ایک آیت توحید اس مضمون کی آئی کہ زندگانی جہاں بے اعتماد اور لہو ولعب ہے[1]۔ اس پر حضرت حسینؒ نے استاد پر سوال کیا کہ اس

---

[1]: وما الحیٰوۃ الدنیا الا لعبٌ و لھو (سورۂ انعام)

کے حلِ معنی میں حال درکار ہے نہ قال، چونکہ خدا نے اس دنیائے فانی کی زندگی کو لہو و لعب کہا ہے اس سے کیا مراد ہے، اُستاد نے کہا کہ اس کے معنی تم کو معلوم نہیں کہ لہو و لعب سے مراد تفسیر میں کیا ہے، یہ سُن کر حضرت حسینؒ نے ہاتھ پاؤں پر مارا اور رقصِ مستانہ شروع کیا، پھر فرمایا کہ اب میں نے سمجھا کہ دُنیا تمام لہو و لعب ہے۔ پھر شیخ سعداللہ نے کہا کہ اس مطلب کو ہوشیار نہیں سمجھ سکتے۔ آپ نے فرمایا کہ ہوشیار وہ ہے جو دونوں جہان میں خوش ہو، پھر اُستاد نے کہا کہ رقص بمسجد کیا معنی رکھتا ہے، آپ نے فرمایا کہ جب علم کے ساتھ عمل نہ ہو اس علم سے ناچنا کودنا بہتر ہے، ازاں جا کہ کارِ دُنیا لہو و لعب ہے پس اس بازی سے ہم کو کیا سازی ہے: زندگانی جہان کو جو جناب الٰہی نے لہو و لعب فرمایا ہے یہ اس کی سہو تو نہیں بلکہ سب مخلوق اس کی لہو و لعب ہے، پس مجھ کو لازم ہے کہ لہو و لعب کروں تاکہ مخلوقِ خدا عبث نہ ہو، اگر ہم اس لہو و لعب سے اکراہ کریں تو فضلِ خدا سے اکراہ ہے جس نے خدا کے فضل کو مکروہ جانا وہ خود مردُود مطلق ہے، اور اپنے اس جوش میں وُہ وُہ کلام فرمایا کہ اس کی سماعت کے لیے گوشِ حق نیوش کم ہم پہنچا ہے، اور یہ فرمایا کہ جنابِ الٰہی کی ذات گنجِ مخفی تھی، جب اس نے چاہا کہ اپنے حسن کی تجلّی کو عیاں کرے تو راز احببت ظاہر ہوا، پھر اس راز سے خلق کو پیدا کیا تاکہ خدا کو شناخت کریں اور دُنیا کو بازی فرمایا۔ پس اس میں یہ بازی رہنا چاہیے۔ جب شیخ سعداللہ نے یہ سنا تو سعادت خاموشی میں دیکھی اور پھر اُن کے رقص پر خوردہ گیری نہ کی، اور ان کو یقین ہوا کہ حسینؒ اسی کے اخفا کے لیے علم ظاہری پڑھتے تھے، بعد اس کے حضرت ممدوح پائے کوباں اور رقص کُناں مدرسہ سے باہر نکلے۔

کتابِ بہاریہ میں تحریر ہے کہ اس مدرسہ کے باہر ایک چاہ تھا۔ اس میں آپ نے

تفسیر مدارک پھینک دی۔ طالب علم اس حرکت سے ناراض ہوئے اور ان کے حق میں طعن
کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اب اس کتاب سے گذرا، اگر تم کو مطلوب ہے تو لے
لو۔ یہ کہتے ہی پانی کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا، اے پانی ہمارے یارانِ جانی
کتاب کے پھینکنے سے خفا ہوتے ہیں، ہماری کتاب واپس دے دے۔ قدرتِ الٰہی سے
کتاب خشک آب نرسیدہ چاہ سے باہر آ گئی۔ طالب علمانِ ہم درس آپ کی یہ کرامت دیکھ کر
حیران ہوئے اور تمام شہر میں اس کرامت کا چرچا پھیلا، اور اس روز سے آپ نے طریقۂ
ملامتیہ اختیار کر لیا تاکہ لوگ اُن سے نفرت کریں اور وہ بفراغتِ تمام یادِ الٰہی
میں مشغول رہیں۔

اس کے بعد آپ نے ریش مبارک منڈا ڈالی اور جام بکف رکھ لیا ؎

ساقی و مطرب و شراب و رباب ہر گز بارہ و نکرد ہیچ حجاب

جس وقت حضرت نے یہ طریقۂ ملامتیہ اپنے اوپر جاری کیا تو اس وقت عمر آپ کی
چھپن (۵۶) برس کی تھی (سنہ ۹۸۱ھ) پھر تو آپ صومعہ سے رونق افزائے میخانہ ہوئے، مگر ان
کا یہ تمام عیش و طرب خود خواری کے سبب تھا۔ آپ رات دن لونڈی اور لونڈوں میں بسر کیا
کرتے تھے، رات گئی تک تو آپ ہنستے کھیلتے رہتے اور پھر تا نصفِ شب بخیالِ
ناپائداری جہانِ فانی آپ لبِ مبارک کو آشنائے خندہ نہ فرماتے، اور نکیر سے
پھر آپ با دلِ گریاں دعا کرتے تھے، بعد اس کے آپ رندانہ مستانہ ہو جاتے تھے[1]

---

[1]: آپ کی ایک کافی ملاحظہ ہو :- ؎

دنیا والے نوں دنیا دا مان نشنگاں نیوں ننگ کہی تاں اسیں ننگ نہ دنیا والے ہماری جنگ کھٹی

دنیا چھوڑ فقیر ہتیا سے جاگی پریم گنی کہے حسین فقیر سائیں دا جانے آپ وکھنی

جب اس حال کی خبر حضرت شیخ بہلول کو پہنچی کہ حسین احاطۂ علاج سے باہر ہو گیا ہے تو وہ یہ سنتے ہی لاہور میں تشریف لائے اور حضرت حسین کو دیکھ کر ان کی باطن پر متوجہ و مراقب ہوئے اور کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت حسین واصل باحق ہیں پھر تو ان کی تسلی ہو گئی اور ان کو اسی حالت میں چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ بعد اس کے جب دو برس گزرے تو جناب بہلول اس دارِ پُر ملال سے بقربِ ایزد متعال واصل ہوئے۔ حسبِ تحریر بہاریہ شیخ بہلول کا سال رحلت ۹۸۳ھ ہے۔

بعدہٗ حضرت حسین بدستور لاہور میں مست مئے و لعب رہے اور ان کا معمول تھا کہ مستِ شراب ہو کر اکثر چنگ و رباب کی عادت پر پا کوب رہا کرتے تھے لیکن یہ امور محض اپنے اخفائے حال کے لیے فرماتے تھے۔ مگر حضرت کا یہ معمول تھا کہ پچھلے پہر رات کو ہر شب ختم قرآن کیا کرتے اور اشخاص ظاہر بین ان کے حق میں کچھ کچھ کہا کرتے۔ چنانچہ شیخ پیر محمد لکھتے ہیں۔ شعر

چوں کساں در جہاں برائی العین　　　می نبر وند پے بحال حسین

می بگفتندش اکثرے بے راہ　　　حبش ملحد و نسب جولاہ

مگر ان کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ جولاہ نہیں بلکہ جو ئے الٰہ ہے۔

حضرت حسین کی خدمت میں نور الدین جہانگیر بادشاہ کو اعتقاد بدرجۂ کمال تھا چنانچہ اس نے ایک شخص بہار خاں نامی کو آپ کی خدمت میں مقرر کیا ہوا تھا کہ ہر شب و روز میں آپ جو کچھ کیا کریں اس سے وہ بطور روزنامچہ حضرت ظلِ سبحانی کو اطلاع کیا کرے اور اس نے آپ کے حالات کی ایک کتاب بہاریہ تمام تصنیف کی ہے۔

کتاب حقیقت الفقراء میں لکھا ہے کہ اکبر بادشاہ سکندرہ بار میں لوگوں سے اکبر

کہا کہ لاہور میں ایک فقیر حسین نامی ایسا ہے کہ ڈاڑھی منڈا کر لباس ہائے سُرخ پہنتا ہے
اور مادھو نام ایک لڑکے کے ساتھ صحبت رکھتا ہے اور شراب پی کر رقص کناں پڑا پھرتا ہے،
اس کے باوجود دعویٰ ولایت کرتا ہے۔ اکبر نے یہ سُن کر ملک علی کوتوال شہر لاہور کے نام
فرمانِ تاکیدی بھیجا کہ بفور پہنچنے فرمانِ ہذا کے حضرت حسین کو باطوق و زنجیر قید کر کے ہمارے
پاس لائیے، وُہ چند مدت آپ کی تلاش میں رہا مگر آپ اس کو نہ ملتے تھے۔ ایک دن
کا ذکر ہے کہ دُلّا بھٹی جو بڑا مفسد و باغی اور راہزن تھا حسب الحکم بادشاہ گرفتار ہو کر لاہور
میں آیا اور حکم شاہی تھا کہ اس کو بازارِ نخاس میں پھانسی دیویں۔ ملک علی کوتوال اس کو پھانسی
دینے کے لیے وہاں گیا ہوا تھا اور اس وقت اس کے پاس اس کا حسین و جمیل بیٹا بیٹھا ہوا
تھا۔ اتفاقاً وہاں حضرت حسین آ پہنچے اور اس حسین لڑکے کو دیکھنے لگے۔ لوگوں نے دیکھ کر
کوتوال کو خبر دی کہ حضرت حسین وُہ کھڑے ہیں۔ اُس نے اُسی وقت آپ کو گرفتار کیا۔ آپ
نے کہا تو مجھ کو کیوں گرفتار کرتا ہے، اس نے کہا کہ مے نوشی و غیر شرعی حرکات کے باوجود
باعث پوچھتا ہے۔ بعد ازاں بحکم ملک علی آپ کے پاؤں میں زنجیر ڈالی گئی۔ قدرتِ الٰہی سے وُہ
زنجیر اُسی وقت ٹوٹ گئی، پھر پہنائی پھر ٹوٹ گئی۔ وہ حیران ہوا۔ حضرت نے اس سے کہا کہ
مجھ کو چھوڑ دے۔ اس نے کہا کہ تو جادوگر ہے۔ میں تجھے اب ایسی میخ ماروں گا کہ جانبر نہ ہوگا۔
اس اثنا میں فرمانِ اکبر اس کے نام پہنچا کہ دُلّا بھٹی کو جلد تر پھانسی دو، اور دار پر کھینچے جانے
کے وقت وہ جو گفتگو کرے ہم کو اس کی رپورٹ دو۔ اُس نے اسی وقت اس کو دار پر
چڑھایا اور دُلّا بھٹی نے بوقت دار اکبر کو ہزار ہا گالیاں دیں، پھانسی دینے کے بعد ملک علی
کوتوال نے اکبر کے حضور میں بدیں مضمون عرضی لکھی کہ بوقت دار دُلّا بھٹی نے آپ کو فلاں
فلاں گالیاں دی ہیں اور حضرت حسین کا بھی تمام حال لکھا کہ اس طرح اُس کے پاؤں سے

اتنی دفعہ زنجیر ٹوٹ گئی تھی۔ جب وہ عرضی اکبر نے سُنی تو کہنے لگا کہ اس پاجی ملک علی نے کچھ خیالِ ادب نہ کیا اور نفیس و ارگالیاں درج عریضہ کیں۔ الغرض اسی وقت حکم دیا کہ ملک علی کے سفرہ میں میخ ٹھونکیں اور اس وقت سے اس کو بابیں۔ الغرض وہ اسی طرح سے مارا گیا۔ اور حضرت حسین کی یہ کرامت تمام شہر میں مشہور ہوئی اور اکبر تک خبر پہنچی۔ وہ سُن کر حیران ہوا۔

بادشاہ نے حضرت کو اپنے پاس بلوایا۔ جب آپ حضورِ اکبر میں پہنچے تو اس وقت شراب کی بوتل ہاتھ میں تھی۔ اکبر نے دیکھ کر کہا کہ اے فقیر یہ کیا تماشہ ہے؟ غیر شرع ہونا اچھا نہیں ہوتا۔[1] یہ بات سن کر آپ نے اس بوتل سے ایک جام بھر کر اس کو دیا اور فرمایا کہ دیکھو اس میں کیا ہے۔ جب اکبر نے دیکھا تو آب سرد تھا۔ پھر دوسرا جام دیا تو شیر تھا۔ بعد ازاں اکبر نے ان کو شراب کی اور بوتل منگوا کر دی تاکہ امتحان کرے۔ انہوں نے اس میں سے بھی پیالہ بھر کر اسے دیا۔ وہ شربت تھا۔ الغرض آپ نے آٹھ پیالے دیے اور ہر ایک پیالہ میں سے الگ چیزیں نکلیں۔ یہ دیکھ کر اکبر ان کو کہنے لگا کہ ہم اس کرامت کے معتقد نہیں کوئی اور کرامت دکھاؤ۔ اور آپ کو ایک حجرہ میں بند کر کے محلوں میں داخل ہوا۔ جب وہ اندر زنانہ میں گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ حضرت اس کی بادشاہ بیگم کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ اکبر حیران ہو کر باہر آیا اور حجرے کا دروازہ کھلوایا تو کیا دیکھا کہ آپ اسی حجرہ میں سر بمراقبہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر وہ محل سرا کے اندر گیا تو حضرت وہاں پشت بستون محل میں کھڑے ہیں۔ اکبر اس سے نہایت شرمندہ ہوا اور قدموں پر گرا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو

---

[1] خزینۃ الاصفیاء کی عبارت ملاحظہ ہو "آنحضرت بایں حالت کہ بیک دست صراحی شراب و بیک دست جام رو برو نے بادشاہ تشریف برد۔ بادشاہ فرمود کہ باوجودیکہ بیعت سلسلۂ قادریہ داری ایں چہ حالت است"

جانے دو ورنہ ایک دم میں تیری سلطنت برباد ہو جائے گی، بادشاہوں کو فقرا کا تکلیف دینا لازم نہیں۔ اکبر دل و جان سے آپ کا خادم ہوا اور اس نے اپنے وزیر با تدبیر سے کہ اس وقت ابوالفضل تھا سب حال کہہ سنایا۔ اُس نے عرض کی کہ اے جہاں پناہ، فقرا باب اللہ سے کوئی بات بعید نہیں۔ پھر تو اکبر نے ان کو با عزت رخصت فرمایا اور ہمیشہ ان کی جناب میں ارادت دلی رکھتا تھا، اور ما سوائے اس کے شاہزادہ سلیم اور تمام بیگمات ان کی ارادت مند تھیں اور شاہ دانیال اور شاہ مراد ان کے دلی غلام تھے اور امراء خواجہ دولت خاں اور خان خاناں اور منتی اور میر عدل اور شیخ ابوالفضل ان کے دلی معتقد ہوئے، اور شیخ عبدالرحمان کے بیٹے نے ان کی مہربانی سے افضل خاں کا خطاب پایا، اور جعفر خاں و بہادر خاں و صادق خاں و شہباز خاں اور تمام امراء و راجہ ہائے نامور ان کے مطیع فرمان اور امیدوار فرمائش تھے، مگر آپ کسی کی طرف کوئی التجا نہ لاتے تھے اور شراب پی کر رقص کناں پھرتے رہتے تھے۔

نیز لکھتے ہیں کہ جب اکبر بادشاہ نے ملک ٹھٹھہ کی مہم کا ارادہ کیا تو اس وقت عبدالرحیم خان خاناں کو کل افواجِ قاہرہ مامورہ ٹھٹھہ کا سپاہ سالار کیا اور حکم دیا کہ فی الفور وہاں جائے۔ جب وہ لاہور میں پہنچا تو اتفاقاً ان ایام میں شیخ ابوالفضل لاہور میں تھا، اور خان خاناں اس کی خدمت میں دعوئے شاگردی رکھتا تھا۔ اس لحاظ سے اُس نے اس کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر اس شہر میں کوئی فقیر کامل ہو تو مجھ کو اطلاع دیجے تا کہ میں اس سے استمداد کروں۔ شیخ ابوالفضل نے حضرت حسین کا نام لیا اور کہا کہ ان کی خدمت میں جا، اگر وہ تجھے دشنام دہی کریں تو عین سعادت ہے، اس سے دل شکستہ نہ ہونا کیونکہ اُن کی دشنام دہی عین دعا ہے۔ خانخاناں نے اس سے کہا کہ آپ مجھے اپنے ہمراہ لے چلیں۔ شیخ نے کہا کہ ان کا

وقتِ لطف نیم شب کا ہے، تجھ کو لازم ہے کہ اس وقت تن تنہا بعجز تمام ان کی خدمت میں حاضر ہو۔ اس نے بجان منت قبول کیا کہ ضرور آج رات بھر حضرت حسین کی خدمت میں حاضر رہوں گا۔
اس کے بعد خانخاناں نے حضرت کا حال معلوم کیا۔ اتفاقاً اس شب کو حضرت حسین ایک مرید کے یہاں مہمان تھے، جب میزبان کے گھر میں گئے تو جاتے ہی فرمانے لگے کہ آج دو پراٹھے یعنی دو نان مرغن شیریں تیار کر رکھنا۔ اس نے حضرت کی فرمائش کو عین سرفرازی سمجھا اور پراٹھے تیار کرائے۔ جب حضرت میخواری میں مشغول ہوئے اور اس سے فراغت کے بعد سفرہ کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ دو پراٹھے جو ہم نے پکوائے تھے علٰحدہ رکھو، ایک مہمان غیب سے آئے گا یہ دونوں اُس کا حصہ ہوں گے۔ جب وقتِ نیم شب ہوا تو خانخاناں نے اس دروازے پر دستک دی۔ آپ نے طلب کیا۔ جب وہ رُوبرو آیا تو اس نے مبلغ پانسو روپیہ نذر چڑھایا اور آپ نے وہ دو نان مرغن اس کو عنایت کیے۔ اور وہ آتے وقت دل میں یہی اقرار کر کے آیا تھا کہ اگر حسین فقیر کامل ہے تو اس وقت مجھ کو پراٹھے کھلائے گا۔

بعد ازاں حضرت حسین نے اس کو چند گالیاں دیں اور وہ روپیہ لے کر فرمایا کہ مبلغ پانسو روپیہ میں اس نے ملک ٹھٹھہ ہم سے خرید کیا۔ پھر اس کو فرمایا جا روانہ ہو، اور پھر فرمایا کہ اب اس فتح کے واسطے کسی اور فقیر سے درخواست نہ کرنا، کیونکہ یہ ملک ہم نے تجھ کو بخشا۔ جب وہ لاہور سے روانہ ہو کر ملتان میں پہنچا تو حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کی خانقاہ پر حاضر ہوا۔ اس وقت وہاں شیخ کبیر بالا پیر روشن ضمیر مزار حضرت مخدوم کے سجادہ نشین تھے۔ اس نے ان کی خدمت میں دو سو روپیہ نذرانہ گذارا۔ انہوں نے لے لیا مگر دُوسرے روز صبح کو انہوں نے وہ روپیہ واپس دے دیا۔ خانخاناں نے جب باعث پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آج رات کے وقت حضرت جدّی نے مجھ کو خواب میں فرمایا ہے کہ یہ روپیہ واپس دے دے کیونکہ خانخاناں

نے بمراد فتح ملکِ ٹھٹھہ یہ روپیہ دیا ہے اور پہلے وہ ملک حضرت حسین لاہوری کی دعا سے خانخاناں کو عطا ہو چکا ہے، ہم یہ روپیہ کس کے عوض لیں، اگر دیتا ہے تو حسبتاً للّٰہ دے ورنہ ہم تا قیامت اس کے احسان کے زیرِ بار رہیں گے۔ یہ سن کر خانخاناں حضرت لال حسین کا زیادہ تر معتقد ہوا اور آخر کار اس نے ملک ٹھٹھہ پر فتح پائی، اور جو کچھ حضرت حسین نے فرمایا تھا وہ سب بدستور رہا۔

نیز نقل ہے کہ ایک شخص حاجی یعقوب نام مدنی تھا، وہ ہمیشہ حضرت حسین کو مدینہ منورہ میں بروضہ مطہرہ جناب رسالت مآب صلّی اللّٰہ علیہ وسلم روز و شب معتکف دیکھا کرتا تھا اور اکثر حجوں میں وہاں سے یکجا ہو کر بیت اللّٰہ شریف کو جایا کرتے تھے، اس باعث سے وہ آپ کا بخوبی شناسا تھا۔ اتفاقاً وہ سیر کرتا ہوا لاہور میں آ پہنچا۔ ایک دن اس نے یہاں حضرت حسین کو اس حال میں دیکھا کہ شراب کی بوتل ہاتھ میں ہے اور نغمہ و رقص کناں پھر رہے ہیں۔ وہ یہ امر دیکھ کر حیران ہوا کہ آیا یہ کیا معاملہ ہے، یہ شخص تو مدینہ میں بڑا زاہد و متشرّع تھا یہاں لاہور میں اس کی کیا حالت ہے۔ لاچار ہو کر لوگوں سے پوچھا کہ یہ شخص ریش و بروت تراشیدہ میخوار کون ہے۔ لوگوں نے کہا کہ چپ رہو ایسی بات زبان پر نہ لانا، یہ حضرت حسین ولی کامل ہے۔ حاجی صاحب نہ رہ سکے اور حضرت کے پاس جا کر کہنے لگے کہ اے مردِ خدا تم لاہور میں کب سے آئے ہو، میں نے تو تم کو مدینہ منورہ میں بایں صورت چھوڑا تھا اور میں ہمیشہ آپ کو وہاں دیکھا کرتا تھا کہ تم عرب بصلاح مشہور تھے اور ہمیشہ مکّہ و مدینہ میں میں اور آپ یکجا پھرا کرتے تھے، راست فرمائیے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ حضرت نے کہا کہ آنکھ بند کر اور دیکھ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ جب اس نے آنکھ بند کی تو حضرت کو بلباس عارفانہ دیکھا، اور نیز دیکھا کہ حضرت اسی طرح بروضہ مطہرہ نبویہ معتکف ہیں۔ جب وہ حاجی حضرت کی یہ کرامت دیکھ

چکا تو آپ نے فرمایا کہ اے شخص اب یہاں سے چلا جا اور میرا راز کسی سے فاش نہ کر، میں تو ہمیشہ لاہور میں رہتا ہوں کبھی مکّہ و مدینہ میں نہیں گیا، مگر اس نے نہ مانا اور با آوازِ بلند کہا کہ اے ساکنانِ لاہور یہ ولی کامل ہے، میں اس کو طواف کعبہ میں چھوڑ کر لاہور روانہ ہوا ہوں اور مدینہ شریف میں یہ میرا بڑا دوست تھا۔ جب حضرت نے دیکھا کہ اس نے اس کا راز فاش کر دیا ہے تو آپ اس کی آنکھوں سے گم ہو گئے۔ بعد از اں اس نے ہر چند تلاش کی مگر نہ پایا۔ جب وہ تلاش سے مایوس ہوا تو اس نے ارادہ کیا کہ اب مکّہ میں جا کر دیکھوں شاید اب بدستور وہاں ہی موجود ہوں۔ جب وہاں گیا تو بدستور آپ کو طواف کعبہ میں سربسجود پایا۔ وہاں جاتے ہی حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور خادم ہوا۔ پھر اس کی خبر نہیں کہ کہاں گیا اور کیا ہوا۔

نیز کہتے ہیں کہ حضرت کے وقت میں ایک شخص کیمیا گر تھا۔ وہ ایک تولہ اکسیر بنا کر آپ کے پاس لے گیا۔ آپ نے اس کو دیکھ فرمایا کہ اے بیوقوف تو نے ناحق اتنی محنت اٹھائی یعنی پہلے سیماب لایا اور جنگل میں بوٹیوں کی تلاش میں پھرا کیا اور راتوں کا دھواں کھایا اور پھر بہزار محنت اکسیر بنائی۔ وہ تو بڑے فخر سے آپ کے پاس گیا تھا لیکن یہ سن کر نادم ہوا۔ بعد ازاں آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور گوشۂ محفل میں لے جا کر اس کے ویرکو لبول کیا۔ قدرت الٰہی سے جہاں آپ کا بول گرا وہ جگہ تمام طلا ہو گئی۔ وہ دیکھ کر نادم و خادم ہوا۔

حضرت دارا شکوہ کتاب شطحیات میں تحریر فرماتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت حسین سے پوچھا کہ آپ کون ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ میں مقیم ہوں نہ مسافر، نہ مسلمان نہ کافر، آلاں کماکاں۔ یہ حضرت استادِ اہلِ ملامت اور ہمیشہ ریش و بروت تراشیدہ رکھتے اور آپ تمام مسکرات تناول فرمایا کرتے تھے اور ہمیشہ باساز و نواز قوالانِ رنگین اندر شہر لاہور میں پھرا کرتے تھے کہتے ہیں کہ حضرت حسین کے وقت میں لاہور میں مخدوم الملک قاضی القضات

تھا، اس نے ارادہ کیا کہ حضرت کو تعزیر کرے۔ ایک دن جناب حسین قدس کے گھوڑے کو پکڑ کر کھڑا کر لیا اور فرمایا کہ قاضی صاحب ارکانِ اسلام کتنے ہیں۔ اس نے کہا کہ پانچ یعنی توحید، حج، زکوٰۃ، نماز، روزہ۔ آپ نے فرمایا کہ توحید خدا تعالیٰ عز اسمہ جو ہے اس میں تُو اور ہم دونوں شریک ہیں بلکہ خدا کی وحدانیت پر تمام مخلوق قائل ہے، اور دُوسرے حج و زکوٰۃ سو ان دونوں کو تم نے ترک کیا اور بعینہٖ جو دو یعنی روزہ نماز تھے ان کو میں نے ترک کیا۔ پس اس کا کیا باعث ہے کہ دو ارکانِ اسلام کے ترک میں حسین لائق تعزیر ہوا اور آپ محفوظ رہیں۔ یہ سُن کر حضرت قاضی خاموش ہُوئے اور ان کے دل پر کچھ ایسی تاثیر ہوئی کہ پھر بعد کبھی حضرت کو تکلیف نہ پہنچائی۔

نیز دارا شکوہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ اکبر بادشاہ نے اپنے وزیر کو لاہور میں آپ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ حضرت حسین غیر شرع ریش مقرض رکھتے ہیں، اس پر ان کو تعزیر کرے۔ جب وہ وزیر حضرت کے روبرو آیا تو آپ نے اپنی مقرضِ ریشِ مبارک کو ہاتھ میں پکڑ کر اسی وقت دراز کر دکھایا اور جو جو چیزیں وہاں از قسم شراب وغیرہ مسکرات موجود تھیں وہ سب دُودھ بن گئیں۔ یہ دیکھ کر وزیر جو تعزیر کے لیے آیا تھا حضرت کا مُرید باخلاص بن گیا۔

حضرت حسین کا یہ معمول تھا کہ آپ موضع بابا پورہ میں اکثر تشریف لایا کرتے تھے اور وہ موضع بابا پورہ اب باغبانپورہ مشہور ہے اور وہیں اب حضرت کا مزار پُر انوار واقع ہے اور یہ مقام بابا پورہ حضرت کو بہت پسند تھا۔

نقل ہے کہ ایک دن حضرت متصل شاہدرہ تشریف لے گئے اور وہاں ایک جگہ مصفّا دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہاں ایک چاہ کندہ کرو اور سبزہ لگاؤ کہ یہاں ہماری قبر ہو گی اور جب ہم یہاں دفن ہو جائیں گے تو تیرہ سال کی مدت کے بعد یہاں سیلاب آئے گا اور ہمارے دوست

قبر سے ہماری لاش نکالیں گے اور پھر بابو پورہ میں لے جا کر دفن کریں گے، اور میری وفات سے ایک برس بعد مادھو سفر کو جائے گا اور پھر بارہ برس کے بعد لوٹ کر آئے گا اور میری سنت پر قائم ہوگا اور میرے بعد میرا سجادہ نشین مادھو ہے اور بقدر پینتیس سال میری قبر پر سجادہ نشین رہے گا، بعد ازاں وہ اہل بحق ہوگا اس کی قبر بھی میری قبر کے برابر کرنا، الغرض جو کچھ آپ نے فرمایا تھا وفات کے بعد وہی ظہور میں آیا۔

حضرت کی عمر تریسٹھ ۶۳ سال کی ہوئی جس کی فہرست اوقات بسری اس طرح سے ہے کہ بعمر دہ ۱۰ سال تو آپ کو پیر کامل ملا۔ بعد ازاں چھبیس ۲۶ سال تک بدرجۂ کمال زاہد و عابد رہے اور ستائیس ۲۷ سال آپ نے رندانہ میخواری میں عمر صرف کی، اور آخر کار فوت ہوئے۔

وہ اشخاص جو ہمیشہ حضرت حسین کے ساتھ شریکِ مجلس رہا کرتے تھے ان میں سے سرحلقہ درویشان جانباز حضرت مادھو تھے، اور ماسوا اس کے میاں شعبان اور ابراہیم اور ملا محمود اور شیخ یعقوب اور بہار خاں اور قاضی شاہ اور بابو ڈہاڑی اور باباجی عبدالسلام و شہاب الدین اور شیخ لکا کوا اور شیخ یسین اور شیخ صالح یہ سب لوگ مقبولانِ حضرت حسین تھے[1]

---

[1]: حقیقت الفقراء میں لکھا ہے کہ شیخ حسین کے خادم کامل و مکمل نو ہزار افراد تھے اور بعض کے نزدیک آپ کے ایک لاکھ پچیس ہزار مرید تھے، ان میں سے سولہ خلفائے نامی گرامی ہوتے جن میں سے چار تو مخاطب بخطاب غریب تھے اور چار کا خطاب دیوان اور چار کا خطاب خاکی اور چار کا خطاب بلالی تھا۔ چار غریب یہ تھے پہلا شاہ غریب جو مقام رتی ہٹھہ متصل وزیر آباد مدفون ہے، دوم شاہ غریب موضع لنگھ والی در وزیر آباد میں، تیسرا شاہ غریب بمقام چیلا پور علاقہ دکن میں مدفون ہے، چوتھے شاہ غریب کی قبر حضرت کی قبر کے پاس ہے۔ اور چار دیوانوں میں سے پہلے دیوان حضرت کے محبوب و معشوق شیخ مادھو دوسرے دیوان گودکھ تیسرے للہ دیوان لاہور میں مدفون ہیں (باقی حاشیہ برصفحہ ۱۶۴)

حالِ وفات آں جامع الکمالات صاحب حقیقت الفقراء یوں تحریر کرتا ہے کہ ایک روز آپ بروز شنبہ سیر کناں دریائے راوی سے پار جاتے تھے، وہاں یعنی دریائے راوی میں آپ کو ایک ریگستان نظر آیا۔ آپ نے کشتی بان سے فرمایا کہ ہمیں یہاں اُتار دے، جب اس نے آپ کو وہاں اُتارا تو آپ نے چاہا کہ وہاں تیر و کمان سے طبع کو بہلائیں، چنانچہ آپ نے ایک نشانہ رکھ کر چند تیر چلائے بعد ازاں مُریدانِ ہمراہی سے فرمایا کہ دوستو جب کوئی دوستِ حقیقی اپنے دوست کو اپنی طرف بُلائے تو کیا کرنا چاہیے۔ دوستوں نے کہا کہ اگر دوست بارادہ وصل بلانے تو بجانِ منت اُٹھ کر جانا چاہیے۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ اے یاراں ہمیں جناب الٰہی اپنے وصال میں طلب فرماتے ہیں۔

وقتِ جاں دادن از دلش ناگاہ ۔۔۔ نالہ آمد برون کہ حق اللہ،

چوں حق اللہ گفت جاں بسپرد ۔۔۔ بادۂ صافِ وصلِ اللہ خورد،

الغرض دوستوں نے وہیں سازِ تجہیز و تکفین کیا اور نمازِ جنازہ پر تمام اولیاء اللہ تشریف لائے اور پھر لاش کو لے جا کر دریا کے پار اس جگہ میں کہ آپ نے خود پسند فرمائی تھی حضرت کو دفن کیا۔ راوی صادق کہتا ہے یعنی کتاب بہاریہ سے تصدیق ہوا کہ اُس دن روز جمعہ سلخ ماہ جمادی الثانی ۱۰۰۰ھ تھا چنانچہ شیخ پیر محمد نے حضرت کی یہ تاریخ وفات کتاب حقیقت الفقراء کے زیب صفحہ کی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۱۶۳

اور چوتھے دیوان بخشی بیجاپور دکن ہیں، اور چار خاکی، پہلے مولا بخش خاکی، دوسرے خاکی شاہ لاہور میں، تیسرے خاکی شاہ وزیر آباد میں اور چوتھے حیدر بخش خاکی دکن میں مشہور ہیں، اور چار بلاول اوّل شاہ رنگ بلاول، دوم بدھو بلاول سوم شاہ مست بلاول لاہور میں اور چہارم شاہ بلاول دکن میں مدفون ہیں (حدیقۃ الاولیاء)

سالِ تاریخش از حساب جمل　　　　گفت ہاتف کہ "مستِ عشقِ ازل"[۱]
۱۰۰۸ھ

اِس حادثۂ جانکاہ سے ہر ایک شخص کو بے اندازہ غم حاصل ہوا۔ سبحان اللہ و بحمدہ حضرت حسین کی ذات بابرکات عجب مظہر کرامات تھی۔

بیان تعمیر مزار حضرت حسین یہ ہے کہ اوّل بوقتِ وفات ۱۰۰۸ھ میں حضرت حسین مرحوم شرق رویہ شاہدرہ مدفون ہوئے، چونکہ آپ نے براہِ پیشین گوئی فرمایا ہوا تھا کہ دریائے راوی ۱۲ سال کے بعد ہماری قبر کو گرا دے گا اس خیال سے کسی نے وہاں قبر پختہ و روضہ نہ بنوایا۔ جب وہاں سے ان کے حسب وصیت حضرت کا جنازہ بابو پورہ (موجودہ نام باغبانپورہ) میں لے کر آئے تو یہ معاملہ پیش ہوا کہ اس وقت یہاں بمقام مدفن جوگیان گورکھ ناتھ کا مکان تھا اور وہاں ایک جوگی مستی ہیر گورکھ ناتھ مع چیلوں کے رہا کرتا تھا مگر کچھ عمارت موجود نہ تھی۔ جب جنازہ فیض اندازہ آیا تو وہ جوگی دفن سے مانع ہوا اور بولا کہ مکانِ ہنود ہے، یہاں مسلمان کی قبر ہونی محال ہے، اس وقت حضرت کی لاش سے آواز آئی کہ اے جوگی فلاں جگہ کو کہ جہاں اب حضرت کی قبر ہے کھود، اگر وہاں سے تسبیح اور مصلّی اور قرآن شریف اور دستارِ سرخ نکلے تو مکان ہمارا ورنہ تیرا۔ غرض جب اس جگہ کو کھدوایا تو وہ اسباب بجنسہٖ وہاں سے نکلا۔ جب وہ نادم ہوا تو اس نے عرض کی کہ اب میں کہاں جاؤں۔ ارشاد ہوا کہ بمقام ٹلہ گورو گورکھ ناتھ جا کر رہ۔ وہ ادھر روانہ ہوا اور حضرت کی یہ کرامت دیکھ کر اس کا ایک لائق مند چیلہ حضرت کا خادم ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا جس کا نام خاکی دیوان رکھا گیا، اور اس کی قبر حضرت کی چاردیواری میں موجود ہے، اور حضرت وہاں ہی یعنی اسی کنارہ جگہ میں دفن ہو گئے، اور اس خاکی دیوان کو حضرت کی طرف سے حکم ہوا کہ یہ دستارِ سرخ ہمارے محبوب مادھو کی امانت ہے، جب وہ یہاں آئیں تو ہماری یہ امانت ان کو دے دینا۔

---

[۱] صاحبِ حقیقۃ الفقراء نے ایک مادۂ تاریخ "از مے محبت مست الست" بھی نکالا ہے۔ (انتہیٰ)

اس کے بعد جب حضرت مادھو آئے تو اس نے وہ امانت ان کے سپرد کر دی اور آپ زندہ زمین میں سما گیا۔ چنانچہ اب تک مثل مشہور ہے کہ مادھو آیا خاکی سمایا، اس وقت حضرت کی قبر کچی خام تھی۔ بعد چندے جب معز الدین بن جہاندار شاہ تخت نشین حکومت ہندوستان ہوا اور پھر حسب خرخشۂ برادرانِ حکومت سے خارج ہو کر لاہور میں بمزارِ حضرت حسین مشرف ہوا تو اس نے حضرت کی جناب میں نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے تختِ بادشاہی پھر عطا کرے تو میں حضرت کے مزار پر سائبان بچوب ہائے طلائی و دو دیگ پُر از روپیہ واشرفی نذر چڑھاؤں۔ جب حضرت کی امداد سے وہ دوبارہ تخت نشین ہوا تو اس نے ادائے نذر کی اور حضرت رنگ بلاول صاحب نے حضرت کی خانقاہ پر عمارت کرائی۔

یادداشت: واضح ہو کہ کمترین نے حضرت حسین کے تمام حالات کتاب حقیقت الفقراء مصنفہ حضرت سید پیر محمد جو انہوں نے بزبانِ فارسی نظم میں ۱۱۰۱ھ میں تصنیف فرمائی ہے اور کتاب بہاریہ سے لیے ہیں۔ سبحان اللہ حضرت پیر محمد صاحب و بہار خاں کا کلام عجب صاحبِ تاثیر ہے کہ اکثر اوقات ان کتابوں کے مطالعہ سے فردی کو ایک عجیب نسبتِ لطیف پیدا ہوتی ہے۔

"حضرت حسین کی خانقاہ موضع باغبانپورہ میں واقع ہے ۱۰۵۶ھ میں جب آپ کے محبوب خلیفہ شیخ مادھو فوت ہوئے تو ان کو بھی آپ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ احاطے کے درمیان میں اونچے چبوتروں پر قبروں کے تعویذ ہیں۔" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما

شیخ مادھو لاہوری رح

احوالِ حضرت شیخ مادھو قدس سرہٗ العزیز یہ ہے[51] کہ مادھو ایک حسین لڑکا ذات کا برہمن تھا، اتفاقاً ایک وز بصد آرائش سوار ہوا چلا جاتا تھا کہ حضرت حسین کی نظرِ فیض اثر اس پر جا پڑی، وہ دیکھتے ہی عاشقِ زار ہو گئے اور دوستوں سے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ برہمن پسر ساکن قصبہ شاہدرہ ہے[52]۔ حضرت اسی وقت بسواری کشتی وہاں تشریف لے گئے اور ان کی یہ نوبت ہو گئی کہ اس کے دیکھے بغیر جان بیجان قالب میں نہ رہتی تھی۔ پھر تو حضرت کا یہ معمول ہوا کہ شب کو اس کے گھر کے گرد طواف کیا کرتے[53]۔

---

[51]: خزینۃ الاصفیاء میں اِن کا ذکر ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے "از خلفائے ارجمند و محبوبانِ دل پسند شیخ حسین لاہوری است، صاحبِ عشق و محبت و جذب و شوق و ذوق و ذکر و فکر بود"۔

[52]: مادھو کے ماں باپ جو قوم کے برہمن تھے قصبہ شاہدرہ میں رہتے تھے۔ (حدیقۃ الاولیاء)

[53]: حضرت حسین اس حالت کو ایک کافی میں اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

من اٹکیا بے پرواہ نال — اوہ دین دُنی دے شاہ نال

قاضی مُلاں متیں دیندے — کھرے سیانے راہ دسیندے

عشق کی لگے راہ نال

ندیوں پار رانجھن دا ٹھانا — کیتا قول ضرور ت جانا

منتاں کراں ملاح نال

وہ اپنے قبیلہ کے ساتھ ہم بستر رہا کرتا تھا اور جان بوجھ کر وہ کافر بچہ آپ کی طرف متوجہ نہ ہوتا تھا۔ اور وقتِ طواف جو جو باتیں وہ مخفی طور پر اپنی زوجہ سے کیا کرتا حضرت علی الاعلان وہ باتیں باہر بیان کرتے۔ الغرض اسی طرح چند برس گذر گئے کہ حضرت اس کے عشق میں بدنام اور زبان زدِ خاص و عام ہو گئے، اور بے قراری کا یہ حال تھا کہ آپ صرف اس کے تصور میں بے خور و بے خواب رہا کرتے تھے۔ اس قدر تکلیف اٹھانے کے بعد حضرت کے عشق نے اُس کے دل میں بھی اثر کیا، پھر تو وہ ہمیشہ شب و روز حضرت کی خدمت میں حاضر رہنے لگا؛ بلکہ جب تک کہ حضرت کی زیارت نہ کر لیتا اس کو صبر و قرار نہ آتا تھا، اور ہمیشہ ان کے ساتھ شریکِ بادہ نوشی ہوتا اور وہیں بیٹھتا اور وہیں اٹھتا اور وہیں سوتا۔[1] دو سال کے بعد اس کے لواحقین کو خبر ہوئی کہ مادھو رام حسین ہو گیا تو ان کو یہ خوف پیدا ہوا کہ مبادا مادھو مسلمان ہو جائے اور ہماری عزت و آبرو کو بٹا لگ جائے۔ اس پر انھوں نے متفق ہو کر اس بات پر کمر باندھی کہ جب حسین و مادھو ہم بستر نظر آئیں تو حسین کو شہید کر ڈالیں۔ بقدرتِ الٰہی سے گو کہ وہ ہر روز یکجا ہم بستر رہتے تھے مگر رات کے وقت جب وہ بارادۂ قتل آتے تو مکان کا دروازہ نہ پاتے اور شرمسار ہو کر چلے جاتے۔ آخر کار مادھو ظاہراً بھی مسلمان ہو گیا اور مذہبِ ہنود سے مفارقت کی۔

انہیں ایام میں بحسبِ اتفاقات روزِ بسنت پہنچی آ گیا تو ہندوؤں نے حسبِ رسم

---

[1] : شاہ حسین نے ان پنجابی اشعار میں غالباً اسی کیفیت کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

تسیں رل مل دیو مبارکھاں میرا سوہنا سجن گھر آیا ہی
جس سجن نوں میں ڈھونڈھدی دتاں سو سجن میں پایا ہی
دیہڑا تاں آنگن میرا اجیا سہاونا ماتھے نور سہا یایا ہی
کہے حسین فقیر نماناں مرشد دوست ملایا ہی

(کلام شاہ حسین لاہوری)

معمولِ خود عیش و عشرت شروع کی اور ہولی کی تقریب پر رقص و نشاط میں مشغول ہوئے حضرت مادھو نے ایسا دیکھا تو ان کو بھی ہولی اور بسنت کا شوق دامنگیر حال ہوا اور بنازِ معشوقانہ رنگ گلال لاکر حضرت حسینؒ پر ڈالا اور ان کی ریش و بروت کو رنگین کیا۔ حضرت یہ دیکھ کر حالتِ وجد میں آ گئے اور اپنے ہم نشینوں کے ساتھ رقص و نشاط میں مشغول ہوئے،
بعد ازاں تاحینِ حیات حضرت حسینؒ ہر سال بروز بسنت خوشی فرمایا کرتے تھے۔ اسی برکت سے اب تک بروزِ بسنت ان کے مزار پر سرود و سماع در رقص و رنگ اندازی ہوتی ہے، اور آپ نے فرمایا ہوا ہے کہ لے مادھو تیرے ان لواحقین کی بسنت چند روزہ ہے اور ہماری تمہاری بسنت تا قیامت قائم رہے گی۔

کتاب بہاریہ اور حقیقت الفقرا میں درج ہے کہ مادھو کے مسلمان ہونے کا باعث یہ ہے کہ ماہِ چیت میں حسبِ معمول زنار بندانِ ہنود مادھو کے لواحقین روانے گنگا پر غسل کے لیے تیار ہوئے، اور مادھو نے حضرت سے آ کر عرض کی کہ یا حضرت میرے والدین غسلِ گنگا کے لیے چلے ہیں اور ہمارے مذہب میں اس غسل کا ثواب عظیم ہے اگر آپ فرمائیں تو میں بھی ان کے ساتھ جاؤں اور غسل کر آؤں۔ چونکہ حضرت کو مادھو کی تاب مفارقت نہ تھی اس واسطے فرمایا کہ اے مادھو اگر تم کو ضرور گنگا جانے کا شوق ہے تو میرے پاس ٹھہر اور بروزِ مقررہ غسل گنگا کہ یکم ماہِ بساکھ ہوتا ہے ہم کو اطلاع دو۔ میں اسی دم تم کو غسلِ گنگا کرا لاؤں گا۔ الغرض اس کے لواحقین روانہ گنگا ہو گئے اور مادھو نے بروز مقررہ حضرت کو آ کر کہا کہ یا حضرت آج روزِ غسلِ گنگا ہے اور میرے والدین وغیرہ لبِ گنگا غسل کرتے ہوں گے مجھے کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا۔ پھر اسی وقت آپ اٹھے اور اس کو کہا کہ میرے قدم پر قدم رکھ اور آنکھ بند کر۔ جب اس نے ایسا کیا تو بعد ایک قدم زنی کے آپ نے اس کو کہا کہ آنکھیں

کھول دیے، جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو گنگا پر دیکھا، حیران ہو کر آپ سے
دریافت کیا کہ یا حضرت یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ نے کہا کہ یہ رازِ ربانی ہے، اس کا بیان کرنا
مناسب نہیں، جاؤ غسل کرو اور والدین سے ملو اور پھر آ کر جلد تجھ کو داخلِ لاہوت کر دوں
الغرض مادھو گیا اور غسل کیا اور والدین سے مل کر پھر حضرت کے پاس آ یا اور بدستورِ
سابق لاہور میں پہنچ گیا۔ اسی روز مادھو بصدقِ دل مسلمان ہو گیا۔ جب وہ مسلمان ہوا تو اس
کی عمر ہژدہ[۱۸] سالہ تھی اور سال ۱۰۰۱ھ تھا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کو شراب پلائی اور اس کے
دل سے کدورتِ کفر رفع کی، پھر از سرِ نو اس کو قربِ حق حاصل ہو گیا۔

ایک روز حضرت حسین نے مادھو کو فرمایا کہ آج تم اور ہم بابو پورہ میں علحدہ بیٹھ کر
شرابِ وحدت پئیں اور ایک ساعت وہاں تنہا بیٹھیں۔ مادھو نے انکار کیا اور عرض کی کہ
یا حضرت آپ شراب پی کر مجھے خلوت میں طلب کریں گے تو میں خلق میں بدنام ہو جاؤں گا،
لوگ کیا کہیں گے، مگر ہائے افسوس اس کو خبر نہ تھی کہ اس خلوت میں کیا جلوت جلوہ گر
ہو گی۔ الغرض آپ اس کو بابو پورہ میں لے گئے اور ایک مکانِ تنہا میں جا بیٹھے تو حضرت
حسین نے حالتِ مے نوشی میں مادھو کو بغل میں لے کر واصل بحق کر دیا اور بے محنت
و مشقت ولیِ کامل بنا دیا۔ اس کے بعد مادھو حسب الارشادِ حضرت، راجہ مان سنگھ
کا ملازم ہو کر دہلی چلا گیا[۲] اور بحکم اکبر شاہ، راجہ مان سنگھ مہم دکن پر روانہ ہوا۔ وہ مادھو

---

[۱] : بابو پورہ اسی بابو کا آباد کیا ہوا تھا جو حضرت حسین کا مرید خاص اور حاضر باشِ صحبت تھا، وہ
بابو پورہ اب باغبان پورہ مشہور ہے۔ (چشتی)

[۲] : "چوں شیخ مادھو بکمالات نامہ رسید حسین لہ ئے ارشاد کرد کہ حالا زمی باید کہ از لاہور نوکر راجہ مان سنگھ
شدہ در مہم دکن ہمراہ وی آدی ہمیشہ از مفارقت کنی" (خزینۃ الاصفیاء)

کو بھی ہمراہ لے گیا۔ وہ راجہ حالِ درویشاں سے بے خبر تھا، اس لیے حضرت مادھو کی قدر نہ جانتا تھا۔ جب وہاں لڑائی ہوئی تو راجہ کی فوج بے دل ہو کر بھاگنے کو مستعد ہوئی۔ لاچار راجہ نے مادھو کو کہا کہ اب وقتِ امداد ہے، اگر توقف ہوئے تو اس وقت میری یاری کر۔ حضرت مادھو کو اس کے حالِ زار پر رحم آیا اور بعالمِ باطن متوجہ ہو کر حضرت حسین سے امداد چاہی۔ اس وقت حضرت حسین لاہور میں مشغول بہ عیش و طرب تھے کہ یکایک آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور یارانِ حاضرین سے فرمایا کہ تم یہاں بیٹھو اور ہم بھی آتے ہیں۔ یہ کہہ کر بزورِ کرامت آپ دکن میں مادھو کے پاس جا پہنچے اور کہا کہ لے پیارے کیا حکم ہے، اور کس واسطے ہم کو یاد کیا ہے۔ مادھو نے حال بیان کیا۔ حضرت نے کہا اچھا راجہ سے جا کر کہو کہ لڑائی شروع کرے اور نظر آسمان کی طرف رکھے، جب جنگ شروع کی اور راجہ نے آسمان کی طرف تو کیا دیکھا کہ آسمان پہ فوجِ قلندراں بکثرت کھڑی ہے اور عدو کُشی میں مشغول ہے۔ اسی وقت دشمن کو شکست ہو گئی اور آپ بعد فتح ایک ساعت مادھو کے پاس بیٹھ کر روانہ لاہور ہوئے اور بعد ساعتے اپنے یارانِ ہمدم کے پاس آ گئے اور تمام حال کہہ سنایا۔ بعد فتح راجہ نے مادھو کے پاؤں پر سر رکھا اور کہا کہ آج سے میں آپ کا مرید ہوں۔ انہوں نے کہا کہ جب تک تو ہمارے حال سے بے خبر تھا ہمارا یہاں رہنا مناسب تھا۔ اب ہم کو رخصت دے تاکہ میں حضرت حسین کی خدمت میں جاؤں، پھر اگر وہ اجازت دیں گے تو میں تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ الغرض راجہ سے رخصت ہو کر آپ واردِ لاہور ہوئے اور پھر حضرت حسین کو چھوڑ کر کہیں نہ گئے۔

سنہ۱۰۰۸ھ میں حضرت حسین کی وفات ہوئی تو پنجاب و ہند میں چہ از شاہ، چہ از گدا ایسا کون تھا کہ جس کو حضرت حسین کا غم نہ ہوا ہو گا، مگر خصوصاً حضرت مادھو کا یہ حال تھا کہ شب و

روز حضرت کی قبر مبارک کو بغل میں لے کر رو یا کرتے تھے۔ الغرض جب ایک سال کامل اس طرح سے گزرا تو عالم رویا میں حضرت مادھو کو الہام ہوا کہ حضرت حسین فرماتے ہیں کہ اب تو لاہور سے ہندوستان کی طرف جا کر راجہ مان سنگھ کی دوبارہ نوکری کرو اور بارہ برس سفر کر کے پھر یہاں آ۔ اگرچہ ان کا دل حضرت حسین کی زیارت کے بغیر کسی طرف مشغول نہ ہوتا تھا مگر بمضمون المامور معذور حضرت مادھو روانہ سمت ہندوستان ہوئے۔ جب راجہ مان سنگھ کے پاس گئے تو اس نے حضرت کے پاؤں پر اپنا سر رکھا۔ جب باعث تشریف آوری پوچھا تو حضرت مادھو نے کہا کہ ہم نوکری کرنے آئے ہیں۔ راجہ نے کہا کہ میں آپ کا نوکر بلکہ غلام ہوں یہ کیا بات ہے۔ آپ مسند پر تکیہ لگا کے بیٹھیں اور میں آپ کا مرید و مخلص خاص ہوں۔ جب تک زندہ ہوں چاکر ہوں جب مر جاؤں گا تو بھی آپ میرے مالک الملک ہیں۔ اگرچہ یہاں اہل اسلام کم ہیں مگر پھر بھی جو میری اولاد میں سے ہو گا آپ کا تابع رہے گا۔ فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ حضرت حسین نے جو آپ کو لاہور سے روانہ کیا تھا اس کا یہ بھی باعث تھا کہ اگر حضرت مادھو یہاں رہیں گے تو غم و الم مفارقت حسینی سے مر جائیں گے۔ بعد ازاں حضرت مادھو نے راجہ مان سنگھ سے کہا کہ میں حضرت پیر و مرشد یعنی حسین کے حسب الحکم یہاں آیا ہوں اور بارہ برس کے بعد مجھ کو پھر لوٹ جانے کا حکم ہے۔

جب بارہ برس گزر گئے تو راجہ مر گیا اور حضرت مادھو نے بھی واپس آنے کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں دریائے راوی میں سیلاب آیا اور حضرت حسین کے مزار تک پانی چڑھ آیا۔ دوستوں نے قبر مبارک کو شگاف کیا تا کہ حسب الوصیت آپ کی لاش مبارک بابو پورہ میں دفن کی جائے۔ جب قبر کو کھولا تو قبر درمیان سے خالی نکلی یعنی نہ تو اس میں لاش تھی

نہ خاک نہ استخوان۔

اس اعجوبہ سے تمام مرید اور خادم حیران ہوئے اور بے ہوش ہو کر واپس آئے جب چند قدم ادھر آئے تو پھر قبر میں سے ایک نور آسمان تک بڑھتا ہوا نظر آیا۔ پھر سب لوگ لوٹ کر وہاں آئے اور محمد صالح نامی ایک مرید کے دل میں الہام منجانب اللہ ہوا کہ قبر کے اندر جا کر دیکھو۔ وہ قبر میں جا کر کودا، اس میں قدرتِ الٰہی سے کیا دیکھتا ہے کہ ایک گلدستہ گلہائے ریحاں لٹک رہا ہے۔

اس وقت اس کے کان میں حضرت حسین کی زبانی آواز آئی کہ جنابِ الٰہی کی مہربانی سے میرا جسم صورتِ گلدستہ بن گیا ہے اور یہی گلدستہ ہماری لاش ہے اس کو لے جاؤ مگر اس کو کوئی نہ سونگھے اور یہ راز کسی سے ظاہر نہ ہو، اس کو یہاں سے جلد لے جاؤ اور مقام بابوپورہ میں دفن کرو، اور جس کو میرے دیکھنے کی خواہش ہو تو مادھو کو کہ کبھی اس سال میں آتا ہے دیکھے، مجھ میں اور اس میں کچھ فرق نہیں۔

یہ راز محمد صالح نے سب دوستوں کو سنایا اور اس گلدستہ کو دفن کرکے دوبارہ نمازِ جنازہ ادا کی اور باعزاز تمام لا کر اس جگہ جہاں اب مزارِ مقدس واقع ہے دفن کیا۔ جب حضرت کو دوبارہ دفن کیا تو سال ۱۰۲۱ھ تھا۔

جب حضرت کو فوت ہوئے تیرہ برس کامل گزر گئے تو حضرت مادھو نے اپنا کمال ظاہر کیا یعنی ہند سے آ کر حضرت کے مزار پر بطور سجادہ نشین ہو بیٹھے۔ اس وقت قدرتِ الٰہی سے وہ حضرت حسین کے ہم شکل بن گئے کہ جو قدیمی دوست حضرت حسین کے تھے وہ بھی یہی کہتے تھے کہ حضرت حسین نے دوبارہ جنم لیا ہے۔

جب حضرت مادھو فوت ہوئے تو اس وقت ۱۰۵۶ھ ماہ ذی الحجہ کی بائیسویں اور

دوشنبہ کا دن تھا، اور اُن کی عمر تہتر ۷۳ سال کی تھی کیونکہ ؎

سالِ میلادِ او، ز رُوئے عدد   سہ وہشتاد بُود بر نہصد (۹۸۳)

جب وُہ اٹھارہ برس کے ہوئے تو مشرّف بہ اسلام ہوئے اور پھر جب تک زندہ رہے بالکل متوجہ بدُنیا نہ ہوئے اور فنا فی اللہ رہے۔ الغرض جب وہ فوت ہوئے تو تمام دوستوں نے نماز جنازہ ادا کی اور ہم پہلوئے مزار حضرت حسین اُن کی قبر نکالی اور وہاں فرشِ گُل بچھا، اس نازنین، محبوبِ حسین کو لٹا کر دفن کیا۔

رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہما

المشہور پیر حسن تیلی یا حسو تیلی، حال ان حضرت کا یہ ہے کہ حضرت اوّل چوک جھنڈا (لوہاری منڈی) میں دکان غلّہ فروشی کیا کرتے تھے۔ اب تک مشہور ہے کہ چوک جھنڈا کے خوجہ ٹے گندم فروش کم تولتے ہیں اور حسبِ رسم قدیم اوّل حضرت بھی ایسا کیا کرتے تھے، ایک روز اتفاقاً آپ نے بخدمت حضرت شاہ جمال صاحب حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ مجھ کو خدا کا رستہ بتائیں اور کوئی نصیحت فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ برابر تولا کر، چنانچہ اس دن سے آپ نے اپنا یہ دستور مقرر کیا کہ ترازو اور سنگِ ترازو مع غلّہ کے دکان میں رکھ چھوڑتے تھے۔ جب خریدار آتا تو آپ اس کو کہہ دیتے کہ اس قدر نرخ ہے بموجب اس کے گندم وغیرہ تول کر لے جا[1] کوئی مدت آپ نے یہ طریقہ جاری رکھا پھر تو خدا کے فضل سے ان کو اس قدر برکت ہوئی کہ سونے کے سنگ ترازو بنوائے۔ پھر ایک روز آپ نے مع سنگ ترازوئے طلائی کے حضرت شاہ جمال کے پاس حاضر ہو کر عرض کی کہ یا مولیٰ مجھ کو اس قدر کشادگیِ دنیا ہو گئی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ سنگ ترازو دریا میں پھینک دے، چنانچہ آپ دریا میں

---

[1] : خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ جو خریدار بباعث طمع زیادہ لے جاتا تھا گھر میں جا کر تولنے پر اس کا سودا کم نکلتا تھا اور جو پورا لے جاتا تھا اس کا زیادہ ہو جاتا تھا۔

پھینک کر چلے آئے۔ اتفاقاً دو روز کے بعد کوئی کمہار دریائے راوی سے پار جا رہا تھا، اُس کے پاؤں میں چوٹ لگی، جب دیکھا تو سنگ ترازو نے طلائی نظر آیا، وہ پہچان کر حسوّ تیلی صاحب کے پاس لے آیا۔ آپ پھر اس سنگ ترازو کو لے کر حضرت شاہ جمال کے پاس حاضر ہوئے اور حال کہہ سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ اے حسوّ دیکھا سچ دریا میں پھینکا ہوا بھی ضائع نہیں ہوتا۔[لے] آپ خوش ہو کر واپس آ گئے اور تارک الدنیا ہو کر شاہ دان سہروردیہ میں حضرت شاہ جمال کے خادم ہو گئے۔[لے]

بعد چند سے ایک دن آپ گندم تول رہے تھے اور دہڑوائیوں کے حسبِ دستور دھار میں گن رہے تھے۔ جب بارہ دھاریں تول چکے اور تیرھویں دھارن کی نوبت آئی تو کسی نے ان کو بلایا۔ دہڑوائیوں کا دستور ہوتا ہے کہ جب کسی سے بولتے ہوئے کلام بھی کرتے ہیں تو وہ بسبب اس کے کہ بھول نہ جائیں دھارنوں کا شمار بار بار بولتے جاتے ہیں۔ انہوں نے اس کے جواب میں چند دفعہ تیراں میں تیراں کہا، انہوں نے اس کے یہ معنی سمجھے کہ یا الٰہی میں تیرا ہوں۔ یہ بات کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور گندم فروشی چھوڑ دی بعد میں تیل بیچنا شروع کیا اور تمام تیلی آپ کے خادم ہو گئے۔

سیر العارفین میں مذکور ہے کہ حضرت حسوّ تیلی اور حضرت مادھو لال حسین ہم عہد ہیں۔

لے : خزینۃ الاصفیاء کے الفاظ یہ ہیں برائے حسن ایں امتحان راستی بود چوں کم وزنی گذاشتی و راستی را بیار استی صاحب برکت شدی و آنچہ از کسب حلال پیدا کردی بار دریا انداختی ضائع نشد و باز بدست تو آمد۔

لے : خزینۃ الاصفیا اور حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ یہ بات سن کر فوراً تارک الدنیا ہو گئے اور اپنی دکان راہِ خدا میں لٹا دی۔ اسی روز سے حضرت شاہ جمال ان کی تکمیل میں مصروف ہوئے اور چند سال میں مقام قرب تک پہنچا دیا۔ انہوں نے باقی ماندہ عمر اپنے مرشد کی خدمت میں بسر کی۔

طریقہ حضرت لال حسین کا مجذوبانہ قلندرانہ تھا۔ وہ اسی راہ سے جہاں چوک جھنڈا میں حضرت حسّو تیلی کا مکان تھا شور و غل کرتے ہوئے پیر علی مخدوم گنج بخش ہجویری رحؒ کے مزار پر آیا جایا کرتے تھے۔

ایک روز حضرت حسّو تیلی صاحب نے ان کو فرمایا کہ اے لڑکے اتنا شور و غل مچاتے ہوئے یہاں سے نہ جایا کر۔ نیز اپنے حاشیہ نشینوں سے فرمایا کہ مجھ کو یہ شخص کبھی مجلسِ نبوی میں نظر نہیں آیا اور یہاں ناحق اس قدر شور و غل مچاتا ہے۔

حضرت لال حسین رحؒ نے ان کی تقریر پر کچھ توجہ نہ دی اور بدستور اسی راہ سے آمد و رفت رکھی حتّٰی کہ تین روز اسی طرح گذر گئے۔ اس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شب حضرت حسّو مجلسِ نبوی میں حاضر تھے۔ یکایک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خورد سال لڑکا آکر جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھ گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پیار کرتے ہیں، بعد ازاں وہاں سے اُٹھ کر حضرت حسّو تیلی کی خدمت میں آ بیٹھا۔ انہوں نے بلحاظِ جنابِ نبوی اس لڑکے کو گود میں لیا۔ اس لڑکے نے حسبِ عادتِ طفلانِ خورد سال حضرت حسّو کی داڑھی پر ہاتھ مار کر چند بال اُکھاڑ لیے۔ پھر ایک روز حضرت لال حسین شور و غل مچاتے ہوئے چوک جھنڈا سے گذرے۔ حسّو تیلی صاحب نے وُہی سخن مکرّر فرمایا۔ یہ سُن کر حضرت لال حسین رحؒ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ میاں تم اس بات سے باز نہیں آتے آؤ ادھر دیکھو، جب وہ پاس آئے تو وہی بال جو انہوں نے مجلسِ نبوی میں حضرت حسّو تیلی صاحب کی ریشِ مبارک سے اُکھاڑے تھے۔ ان کو دکھائے وہ دیکھ کر پہچان گئے بیشک یہ وہی لڑکا ہے جو آغوشِ مبارک نبوی میں بیٹھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پیار کرتے تھے، اس کے بعد آپ نے اس کو چھاتی سے لگایا اور غلبۂ محبت سے فرمایا کہ "حسّو حسین اور حسین حسّو ——" اور ارشاد کیا کہ جو شخص

ہمارا خادم ہو رہے وُہ حضرت لال حسین کا ادب پیروں کی طرح کرے۔

حضرت حسو تیلیؒ کی تاریخ وفات سوئم شوال ۱۰۰۲ھ ہے۔[1] آپ کے خادم حضرت سعد اللہ بُرقعہ پوش ہمیشہ اپنے منہ پر بُرقعہ رکھتے تھے اور ان کی صدہا کرامات مشہور ہیں۔

"شیخ حسن تیلیؒ کا مزار ایبٹ روڈ پر جانکی دیوی جمیت سنگھ خیراتی ہسپتال کے متصل ایک وسیع احاطے میں بلند چبوترے پر واقع ہے" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ے

[1] : مفتی غلام سرور لاہوری نے حدیقۃ الاولیاء اور خزینۃ الاصفیاء میں شیخ حسن کا سالِ وفات باقوالِ صحیح ۱۰۱۲ھ لکھا ہے۔ اور قطعہ تاریخ یہ درج کیا ہے۔

رفت از دہر در بہشتِ بریں — چوں حسن شیخ متقی مخدوم

رحلتش ہست "شیخ اہل اللہ" — نیز "محسن حسن ولی مخدوم"

۱۰۱۲ھ — ۱۰۱۲ھ

پیر بُرہان رح

یہ حضرت بخارا سے آئے تھے اور اکبر بادشاہ کے عہد میں فوت ہوئے تھے[1]
زکی دروازہ کے باہر شرق رویہ اس سڑک کے جو متصل شہر ہو کر قلعہ کو جاتی ہے۔
لب راہ ایک تکیہ ہے، اس کے گرد و نواح پختہ چار دیواری ہے۔ اس میں دو قبریں ہیں۔ ایک
پیر بُرہان صاحب کی، اور دوسری نامعلوم الاسم۔ پیر بُرہان کی قبر پہلے خوبصورت بنی ہوئی تھی
مگر کنور نونہال سنگھ نے مسمار کرا دی تھی اب امام الدین حجام نے از سر نو بنوائی ہے۔
”پیر بُرہان صاحب کا مزار یکی دروازے کے باہر سرکلر روڈ پر پیر بُرہان سٹریٹ میں واقع ہے۔“

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] : حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ ”اصل ان کا شہر بخارا تھا“ وہاں سے بعہدِ اکبر شاہ ہند کو آئے، اور لاہور میں آکر قیام کیا۔ لاہور کے بزرگوں حضرت میاں میر اور شاہ بلاول سے قادریہ فیض پایا۔ ان کا مزار لاہور کے دہلی دروازے کے باہر واقع ہے۔ پہلے یہ مکان بہت عمدہ بنا ہوا تھا مگر بعہدِ سلطنت کھڑک سنگھ اس کے بیٹے نونہال سنگھ نے چاہا کہ لاہور کے باہر دور دور تک مکان صاف کر کے میدان بنا دیے جائیں۔ اس وقت یہ مکان بھی گرا دیا گیا اگر اس کے بعد خدا کی قدرت سے کھڑک سنگھ اور نونہال سنگھ باپ بیٹا ایک ہی روز مر گئے اور وہ تجویز موقوف رہی۔ اعتقاد مند لوگوں نے پھر یہ مزار تعمیر کر دیا۔“

شیخ حسین جامی رح

یہ حضرت جہانگیر بادشاہ کے عہد میں بڑے مولوی کامل اور مدرس تھے اور بڑے فاضل، اب تک ان کا نام مشہور ہے۔[1]

قبرستان میانی کے اندر حضرت شیخ طاہر رح کی چار دیواری کے گوشہ شمالی مشرقی میں ایک نشان دیوار محراب دار مسجد کھڑا ہے اس کے آگے زمین دوز خشتی قبر مولوی جامی کی ہے۔

"شیخ حسین جامی کی قبر میانی صاحب میں احاطہ طاہر بندگی رح کے بجانب مشرق بیشمار قبروں کے درمیان گھری ہوئی ہے اور اس قدر معمولی حالت میں ہے کہ قدیمی گورکنوں کی رہبری کے بغیر اسکی نشاندہی بھی مشکل ہے۔" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

---

[1] : مآثر لاہور (مولفہ مفتی محمد الدین فوق) میں ہے کہ جہانگیر کے عہد میں یہ بزرگ لاہور کے نامور علماء میں شمار ہوتے تھے، ان کا درس بھی جاری تھا۔ جہانگیر نے تزک جہانگیری میں ان کا ذکر بڑے ادب کے ساتھ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"میری تخت نشینی سے چھ مہینے قبل شیخ حسین جامی نے جو درویش شیرازی کے مریدوں میں ہے اور اس وقت مسندِ درویشی پر متمکن ہے مجھے لکھا تھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ اولیائے بزرگ اور دوسرے حضرات نے سلطنت ہندوستان کا بوجھ آپ کے کندھوں پر رکھا ہے۔ آپ اس خوشخبری سے قوی دل اور مطمئن ہو کر فتوح غیب کے منتظر رہیں۔"

یہ وہ زمانہ تھا جب سلیم نے اپنے باپ سے ناراض ہو کر بغاوت (باقی حاشیہ صفحہ ۱۸۱ پر)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۰

برکمر باندھی ہوئی تھی اور الہ آباد میں مقیم تھا۔ اس کے ساتھ ہی مولانا جامی نے بادشاہ کو یہ بھی لکھا کہ جب خداوند کریم آپ کو سلطنت عطا کرے تو خواجہ زکریا جو سلسلہ احرار سے ہے اس کی تقصیرات پر قلم عفو پھیر دیا جائے۔

جب جہانگیر تخت نشین ہوگیا تو اس کو اپنے فرزند خسرو کی بغاوت دبانے کے لیے آگرہ سے لاہور تک آنا پڑا۔ وہ یہاں آکر حسین جامی سے بھی ملا۔ وہ لکھتا ہے "کابل جانے سے پیشتر میں نے شیخ حسین جامی سے ملاقات کی اور چونکہ اس نے مجھے خواب کے ذریعہ تخت کی بشارت دی تھی اور اس کے خواب سچے ظاہر ہوا کرتے تھے اس لیے میں نے اس کی خانقاہ کے لنگر خانے کے لیے بیس لاکھ درم جو چالیس ہزار روپیہ کے قریب ہوتے تھے مقرر کیے۔"

جہانگیر کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ جامی صرف مولوی اور مدرس ہی نہ تھے بلکہ صاحب دل اور روشن ضمیر درویش بھی تھے اور ان کے ہاں ایک لنگر خانہ بھی تھا جہاں فقرا اور مسافروں کا قیام رہتا تھا۔

ان کی تاریخ وفات کا کہیں ذکر نہیں۔ (مآثر لاہور۔ فوق مشمولہ ماہنامہ نقوش لاہور نمبر)

حاجی نور صاحبؒ

یہ حضرت میاں گاماں پراچے کے بزرگ ہیں۔ یہ بعہد شاہجہان بادشاہ لاہور میں بڑے زاہد اور عبادتی اور دولت مند تھے۔ ایک دفعہ شاہجہان بادشاہ کو کسی مہم عظیم کے لئے ضرورت ہوئی کہ چار کروڑ روپیہ کسی سے قرض لے۔ شہر میں بہت تلاش کی مگر کسی سے یہ روپیہ بہم نہ پہنچا۔ آخر کار لوگوں نے ان کا نام لیا۔ شاہجہان نے آپ کو بلایا اور روپیہ مانگا اور کہا کہ باوا جی ہم کو مہم کے لئے روپیہ درکار ہے۔ بعد فتح مہم ادا کیا جائے گا۔ آپ نے اسی وقت چار کروڑ شاہجہان کو قرض دیا۔ جب مہم سر ہو گئی اور شاہجہان نے وہ روپیہ آپ کو واپس دینا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ تو نے مجھ کو باوا کہا ہے پس تو میرا فرزند ہو چکا ہے۔ اب یہ روپیہ تیرا مال ہے مجھ پر حرام اور تجھ پر حلال ہے۔

کہتے ہیں کہ حاجی نور صاحب نے سات دفعہ حج بیت اللہ کیا۔ آپ کا مقبرہ بیت اللہ مکہ شریف کے نمونے پر بنا ہوا ہے۔

سالِ وفات حاجی نور صاحبؒ کا ۱۰۵۵ھ ہے۔

"آپ کا مزار میانی صاحب میں بہاول پور روڈ پر قبرستان پراچیاں میں ایک چاردیواری کے اندر ہے۔ چاردیواری میں چار مصلے بنے ہوئے ہیں اور اس کے اندر بہت سی قبریں ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

شیخ عارف چشتی رح

المشہور میاں دہڑا، ان کی یہ کرامت مشہور ہے کہ اب تک گاہ گاہ لوگوں کو ان کی قبر سے آواز آتی ہے کہ پرے پرے ہو کے جاؤ اور اکثر لوگوں سے ان کو بچشم ظاہر دیکھا بھی ہے جمیل اور سفید ریش ہیں۔ آپ کا اصلی نام محمد عارف چشتی ہے۔ ان کی قبر کے اوپر سے کوئی جانور آجا نہیں سکتا۔ ابتدا میں جو کوئی اس راستہ سے جاتا تھا تو بیمار ہو جاتا تھا۔ اسی واسطے راہ بند ہوا ہے[1]۔

ان کی وفات ۱۰۶۴ھ میں وقوع میں آئی۔ قطعہ تاریخ

عارف چشتی ست پیر عارفاں — بود شیخی صاحب رعب و جلال

سال ترحیلش چو جستم گفت دل — عارف چشتی ست تاریخ وصال
۱۰۶۴ھ

"ان کا مزار بھی میانی صاحب میں قبرستان پراچیاں میں حاجی لنز رح کی چار دیواری کے بجانب شرق واقع ہے۔ مزار ایک اونچے چبوترے پر شکستہ حالت میں ہے۔"

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] خزینۃ الاصفیاء میں شیخ عارف چشتی لاہوری کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہ شیخ اسحاق بن شاہ کاکو چشتی کے مریدان باکمال اور خلفائے اہل حال و قال میں سے ہیں اور میاں عارف کے نام سے مشہور تھے۔ شاہجہان بادشاہ کے عہد میں لاہور میں علم مشیخت بلند کیا اور ان کے بہت مرید تھے۔ آپ ہر ماہ کے آخری عشرہ میں اعتکاف میں بیٹھتے تھے اور دس روز (باقی حاشیہ صفحہ ۱۸۴ پر دیکھیں)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳

تک بے خور دخواب حجرہ میں گذارتے جب بتاریخ اوّل حجرہ سے باہر تشریف لاتے تو سب خاص و عام کو در حجرہ سے دُور کر دیتے۔ اگر کوئی اس وقت در حجرہ پر موجود ہوتا اور شیخ کی نظر جلالت اثر اس پر پڑ جاتی تو وہ تین روز تک بیہوش رہتا اور تارک الدنیا ہو جاتا۔ جس روز آپ حجرہ سے باہر آتے تو تمام دن تنہا بیٹھتے۔ اور کسی کو اپنے نزدیک نہ آنے دیتے جب آپ سماع میں بیٹھتے تو بہت تواجد و اضطراب کرتے یہاں تک کہ روح نکلنے کے قریب ہو جاتی تھی۔ آخر عمر میں حالتِ اعتکاف ہی میں جان بحق تسلیم کی۔

اس جامع الکرامات کی وفات ۱۰۶۴ھ میں ہوئی اور مزار پُر انوار لاہور میں گورستانِ میانی میں حضرت شیخ محمد طاہر مجدّدی لاہوری کے جوار میں ہے۔ قطعہ تاریخ

چوں جناب عارفِ چشتی ولی	سوئے جنت شُد ازیں عالم رواں
سالِ وصلش گو فرید حق پرست ۱۰۶۴ھ	بار دیگر عارفِ چشتی بخواں ۱۰۶۴ھ

سیّد جان محمد حضوری رح

حضرت سید محمود حضوری موسوی[1] بن سید شمس الدین عوفیین غوری ولایت غور سے لاہور میں آکر محلہ حاجی سوائے میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ سلسلہ آپ کا قادریہ اور وجہ تسمیہ حضوری کا یہ ہے کہ جو کوئی شائق دیدار حضرت شاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والتحیات آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ادعا سے زیارت کرتا تھا تو آپ اسی وقت اُس کا بازو پکڑ کر اُس کو مجلس نبوی میں حاضر کر دیتے تھے۔ حضرت سید محمود کے بعد اُن کے فرزند سید شاہ نور اور اُن کے بعد اُن کے صاحبزادے سید جان محمد حضوری ہوئے۔ ازاں بعد ان کے صاحبزادے حضرت سید سر ... دین ان ہر چہار صاحبان سمو المکان تک یہ کرامت رسولؐ نمائی قائم رہی اور یہ چاروں باعث حضوری ملقب رہے۔ مشہور ہے کہ جو شخص ایک دفعہ ان حضرات کے وسیلہ جمیلہ سے زیارت حضرت نبویؐ سے مستفید ہو جاتا تو پھر وہ تارک دنیا ہو کر زاہد و عابد ہو جاتا تھا۔[2]

---

[1] یہ بزرگ سادات صحیح النسب موسوی غوری تھے۔ ان کے باپ خواجہ شمس الدین المشہور شمس العارفین ملک غور کے رہنے والے تھے۔ ان کی وفات کے بعد سید محمود نے ہند کی سیر کا ارادہ کیا اور لاہور میں آ کر محلہ حاجی سوائے میں سکونت اختیار کی۔ (حدیقۃ الاولیاء)

[2] حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ لاہور کے بزرگوں میں سے یہ بزرگ صاحب محبت و جذب و خوارق و کرامت مشہور رہیں۔ انکے جد بزرگوار سید محمود کوہِ غور سے آ کر لاہور میں سکونت پذیر ہوئے۔ انہوں نے تربیت تکمیل اپنے باپ سید نور اور جد بزرگوار سے پائی اور انکی وفات کے بعد مسندِ ارشاد پر بیٹھے ہزاروں آدم ان کے حلقہ ارادت میں آئے اور قبولِ عظیم حاصل ہوا۔

حضرت سید محمود موسوی حضوری اور حضرت جان محمد حضوری مقبرہ موضع گڑھی شاہو سے بجانب غرب واقع ہے[1]۔ اس امر کا باعث کہ یہ مقبرہ بنام حضرت جان محمد حضوری مشہور ہے اور سید محمود شاہ کا نام کوئی نہیں لیتا یہ ہے کہ ایک شخص عبدالصمد نام سوداگر حضرت جان محمد حضوری کا مرید تھا جب حضرت جان محمد دہم رمضان ۱۰۶۴ھ کو رہگرائے عالم بقا ہوئے[2] تو اس نے یہ دونوں روضے یعنی سید محمود صاحب اور سید جان محمد صاحب مع مسجد متصلہ مقبرہ کے تعمیر کرے چونکہ وہ شخص حضرت جان محمد کا خادم تھا اس لئے یہ مقبرہ انہیں کے نام سے مشہور ہو گیا۔

تحقیقات کاملہ سے دریافت ہوا کہ سید محمود شاہ صاحب کی وفات سترھویں ربیع الثانی بروز جمعہ سنہ ۹۴۲ھ اور ان کے صاحبزادے سید شاہ نور صاحب کی بروز دوشنبہ نہم رجب سنہ ۱۰۰۳ھ اور سید جان محمد حضوری کی بروز پنجشنبہ دہم رمضان ۱۰۶۴ھ اور سرور دین کی بروز جمعہ اکیسویں شوال سنہ ۱۱ھ کو واقع ہوئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

حضرت جان محمد حضوری کا شجرہ یہ ہے کہ وہ خادم اپنے والد سید نور کے اور وہ سید محمود کے اور وہ سید شمس الدین المشہور شمس العارفین کے اور وہ سید یعقوب کے اور سید عبدالقادر کے

---

[1] : یہ احاطہ علامہ اقبال روڈ پر بین بازار گڑھی شاہو کے بالمقابل واقع ہے۔ سید محمد حضوری کے گنبد میں دوسری قبر ان کے صاحبزادے سید شاہ نور کی ہے۔ گنبد کے باہر حضرت محمود حضوری کا سال وفات سنہ ۹۴۲ھ لکھا ہے۔ اسی احاطے میں مسجد کے متصل سید جان محمد کا گنبد مزار ہے۔ اس میں دوسری قبر ان کے صاحبزادے سید سرور دین کی ہے۔ گنبد کے باہر حضرت جان محمد حضوری کی تاریخ وصال ۱۸ ربیع الثانی سنہ ۱۰۶۲ھ لکھی ہے۔ (مؤلف)

[2] : صاحب خزینۃ الاصفیا کے نزدیک سید جان محمد حضوری کا سال وفات (باقی حاشیہ صفحہ ۱۸۷ پر)

اور وہ سیّد علی کے اور وہ سیّد مسعود کے اور وہ سیّد احمد شاہ کے اور وہ سیّد جعفر کے اور وہ سیّد ابو الفرح کے اور وہ سیّد عبد الوہاب کے اور حضرت سیّد شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے۔

آپ کے مزار کے گنبد پر یہ شعر تحریر ہیں۔

محمدؐ جان حضور یئے بہشتی — چو در ذات خدا شد محو مطلق

بگفتم از سر اکرام تاریخ — محمدؐ جان بہشتی واصل حق

مگر حضرت کی اولاد کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ شعر آپ مولوی امام الدین صاحب امام مسجد بادشاہی نے تحریر کرتے ہیں، عند الحساب عددوں سے تاریخ بھی درست نہیں نکلتی ہے[۱]

---

[۱]: یہ اشعار اب محو ہو چکے ہیں۔ (مؤلف)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۶

باقوال صحیح ۱۰۶۴ھ ہے اور لکھتے ہیں کہ بعض نے ۱۰۶۵ھ بھی کہا ہے چنانچہ تاریخ وفات میں دونوں مادے نکالے ہیں۔

جان مرد جہان محمد جان — کرد چوں از جہان بخشند ظہور

فیض دیں سالک است تعلیمش — باز جہد و تلاش از محب حضور

۱۰۶۵ھ — ۱۰۶۴ھ

شاہ گدا لاہوریؒ

ان کا اصلی نام سیّد ابوتراب المعروف بابا شاہ گدا سید حسینی قادری شیرازی ہیں یہ حضرت بعہدِ ہمایوں بادشاہ شیراز سے لاہور میں تشریف لائے مشرب ان کا رندانہ قلندرانہ تھا آخری عمر میں بمقام گجرات بخدمت حضرت سلطان المشائخ خواجہ وجیہ الدین گجراتی مشرف ہو کر ولیٔ کامل ہو گئے مرشدِ ارشد کی وفات کے بعد پھر لاہور میں آئے تو بہت سے رؤسائے لاہوران کے خادم ہو گئے۔

نسب نامہ حضرت کا یہ ہے کہ سیّد ابوتراب المعروف شاہ گدا بن سیّد نجم الدین بن سید شمس الدین بن سیّد اسد الدین بن زین العابدین بن سید یونس بن سید عبدالوہاب بن سید عبدالہادی بن سیّد ابو البرکات بن سیّد انور علی بن عبداللطیف بن سید محمد شریف بن سیّد ابو المظفر بن سید عبدالباقی بن سیّد ابوالحسن علی بن سید عبدالعزیز شیرازی بن سیّد عبداللہ بن سیّد محمد امین بن سید قدرت اللہ بن سیّد موسیٰ بن سیّد مسعود بن سیّد صادق بن سید احمد بن سید باقر بن سید حسن بن سید زید بن سیّد جعفر بن سیّد محمود بن سیّد ہارون بن حضرت امام موسیٰ کاظم بن حضرت امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن حضرت زین العابدین علی بن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم اجمعین بن حضرت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔

جب ان کے شجرہ حسبی کی تلاش کی گئی تو بعد تلاش واضح ہوا کہ یہ حضرت بخدمت

حضرت وجیہ الدین گجراتی مشرف ہو سکتے اور وہ بخدمت حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری
جو مصنف کتاب جواہر خمسہ ہیں، اور وہ بخدمت شیخ ظہور حاجی اور وہ بخدمت حضرت
شیخ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست اور وہ بخدمت شیخ قاضن اور وہ بخدمت شیخ عبدالوہاب
اور وہ بخدمت شیخ عبدالرزاق اور وہ بخدمت محمود قادری اور وہ بخدمت شیخ عبدالستار
اور وہ بخدمت شیخ محمد قادری اور وہ بخدمت شیخ عبدالرحیم اور وہ بخدمت ابوبکر تاج الدین
اور وہ بخدمت حضرت قطب الاقطاب غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کے اور شیخ
وجیہ الدین کو سوائے اجازت طریق قادریہ کے طریقہ شطاریہ میں بھی اجازت تامہ حاصل تھی۔

حضرت شاہ گدا صاحب کے چھ خلیفہ ہوئے، ایک قاضی محمد افضل المعروف افضل گدا
جن کا مزار شرق رویہ مزار شاہ گدا صاحب کے موجود ہے۔ دوسرے قاضی فاضل گدا جن کا مزار دہلی
میں ہے، تیسرے شاہ جمال حسینی جن کا مزار رنتھا میں ہے، چوتھے لال گدا بہلول[1] جن کی قبر
شیخ شاہ سرمست کے مزار کے متصل ہے۔ پانچویں احمد گدا، ان کا مزار بھی شرق رویہ اہل شہداء حضرت
شاہ گدا کی چار دیواری کے باہر ہے۔ چھٹے شہباز گدا۔

کہتے ہیں کہ حضرت شاہ گدا اکثر بوضع مجذوبانہ بدن سے برہنہ رہا کرتے تھے اور
اکثر اوقات یہ شعر بحالت جذب پڑھا کرتے تھے۔ شعر

خود بود خدا بود علی بود گدا بود

در حضرت معبود علی بود گدا بود

ان کے سجادہ نشین قاضی محمد افضل گدا کے بقول ان کی عمر ایک سو چودہ برس کی
ہوئی اور وفات چہاردہم شوال ۱۱۴۱ھ کو ہوئی۔

---

[1] یہ لعل گدا صاحب بڑے صاحب کمال ہو گزرے ہیں۔ (چشتی)

"ان کا مزار گڑھی شاہو کے قریب ریلوے ناچ گھر (برٹ انسٹیٹیوٹ) کے متصل واقع ہے۔ ان کے پہلو میں فضل گدا کا مزار ہے۔" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

قاضی محمد افضل المشہور فضل گدا

یہ حضرت دہلی سے روانہ ہو کر بخدمت حضرت میاں میر بمقام انار کلی کہ جہاں اب چلّہ حضرت میاں میر کا ہے حاضر ہوئے حضرت میاں میر نے پوچھا کہ آپ کس واسطے آئے ہیں۔ قاضی گدا نے عرض کی کہ آپ کی زیارت کے واسطے آیا ہوں شاہ میر صاحب نے فرمایا کہ اچھا زیارتیں کرو۔ پھر قاضی گدا نے کہا کہ ہم سنتے ہیں کہ اس جگہ شاہ گدا صاحب فقیر غیر شرع ہیں شاہ میر صاحب نے فرمایا کہ تم اُن کو صاحب شرع کرنے کے واسطے آئے ہو۔ قاضی نے کہا کہ میں کون ہوں شرع جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو کچھ احکام قرآن شریف اور حدیث کے ہوں گے وہ بیان کر دوں گا۔ میاں میر صاحب نے فرمایا کہ اگر ہمارے کہنے کو سنو تو ان کے ساتھ تکرار نہ کرنا کیونکہ وہ بظاہر مست ہیں اور باطن میں سالک۔ قاضی نے کہا کہ اچھا میں ان کے پاس نہیں جاتا۔ میاں میر صاحب نے فرمایا کہ جاؤ زیارت کرو مگر بے ادبانہ گفتگو زبان پر نہ لانا۔ قاضی فضل وہاں سے روانہ ہو کر مکان حضرت شاہ گدا آئے۔ دیکھا کہ حضرت گدا کا آدھا بدن عمیق زمین کے اندر اور باقی اوپر ہے اور سر نگوں بطرفِ کعبہ شریف پڑے ہوئے ہیں۔ قاضی صاحب نے جا کر السّلام علیکم کہا۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ دوسری دفعہ پھر سلام کیا، پھر بھی جواب نہ ملا۔ تیسری دفعہ پھر سلام علیکم کہا، تب شاہ گدا صاحب نے

ا: صاحب خزینۃ الاصفیاء نے ان کی تاریخِ وفات میں یہ قطعہ درج کیا ہے۔

شہ گدا سیّد ولی متقی	بندہ حق خاکپائے بوتراب
گفت تاریخِ وصالِ او خرد	شہ ولی سیّد گدای بوتراب
	۱۰۷۱

سر اٹھا کر جواب سلام علیکم دیا اور پھر اپنا سر نیچے جھکا لیا۔ قاضی محمد افضل صاحب نے عرض
کیا کہ حضرت پھر سر اونچا فرمائیں کہ میں نے آپ کی زیارت بخوبی نہیں کی۔ حضرت شاہ گدا
نے پھر سر اونچا کیا۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے لبوں کے بال بڑھے
ہوئے ہیں اگر فرمائیں تو درست کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تم جانو جو چاہو سو کرو مجھ کو
حکم شرع سے کچھ انکار نہیں۔ قاضی صاحب نے مقراض سے اُن کے موئے لب درست
کر دیئے اور کہا کہ اب آپ کا چہرہ نورانی ہو گیا منہ پر ہاتھ پھیر کر دیکھیں۔ حضرت شاہ گدا صاحب
نے فرمایا کہ آپ کا چہرہ بھی نورانی ہو گیا تم بھی مہربانی کر کے منہ پر ہاتھ پھیرو جب اُس منہ پر
ہاتھ پھیرا تو داڑھی اور مونچھوں کے بال بدن سے بالکل علیحدہ ہو کر ہاتھ میں آ گئے اور
انڈے سی نکل آئی۔ پس ہاتھ باندھ کر قدموں پر گر پڑے اور استدعائے معافی تقصیر کی۔
آپ نے فرمایا کہ ہم غیر شرع ہیں تم کسی صاحب شریعت کے پاس جاؤ۔ وہ خاموش ہاتھ
باندھ کر بیٹھے رہے۔ ازانجا کہ دلی را دلی می شناسد حضرت شاہ میر نے اپنی جگہ پر معلوم
کر لیا کہ قاضی محمد افضل کے ساتھ کچھ واردات ہوئی ہے۔ انہوں نے بھی
وہاں قدم رنجہ فرمایا۔ حضرت شاہ گدا تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوئے اور ستر برہنگی کے
لئے ایک کمل اپنے اوپر اوڑھ لیا۔ شاہ میر صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہ قاضی آپ کا
غلام معصوم ہے اس پر مہربانی کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم تو غیر شرع ہیں تم مہربانی کرو
شاہ میر صاحب نے فرمایا کہ یہ شمشیر باطنی ہے آپ اس شمشیر کو میان کرو۔ دوسری مرتبہ پھر حضرت
شاہ گدا صاحب نے فرمایا کہ تم بھی کچھ کرو۔ پھر حضرت شاہ میر صاحب نے فرمایا کہ یہ آپ ہی
کا غلام ہے اور رہے گا۔ آپ ہی توجہ فرمائیے۔ آخر شاہ گدا صاحب نے قاضی صاحب
کو کہا کہ آپ پھر منہ پر ہاتھ پھیرئے۔ جب قاضی صاحب نے ہاتھ پھیرا تو دیکھا کہ ریش اور مونچھیں

ثابت اور سالم ہو گئی ہیں۔ اسی وقت حضرت شاہ میر صاحب کے رو برو حضرت کے قدموں میں گرا اور کہا کہ آپ میرے مرشد ہوئے۔ پھر حضرت شاہ گدا صاحب نے تسلی دی اور فرمایا کہ اچھا بیٹھو۔ بعد ازاں جو مال، گھوڑا، ہاتھی وغیرہ ان کے پاس تھا وہ سب کا سب شاہ میر صاحب کو دے دیا اور کہا کہ یہ مال فی سبیل اللہ لوگوں کو تقسیم کر دو۔ حضرت شاہ میر صاحب رخصت ہو کر اپنے مکان پر چلے آئے اور قاضی صاحب نے بخدمت حضرت شاہ گدا رہ کر تکمیل پائی۔

اب ان کا مزار حضرت شاہ گدا کی خانقاہ کے برابر ہے[1]۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

---

[1] صاحب خزینۃ الاصفیاء نے ان کی تاریخ وفات میں یہ قطعہ درج کیا ہے۔

کریم و اکرم و شیخ جہکرّم	شہ اہلِ کرم افضل محمدؐ
وصالش قطب افضل اہلِ دل گو	دگر پاکیزہ دم افضل محمدؐ
۱۰۹۲ھ	۱۰۹۲ھ

سیّد عبدالرزاق مکیؒ

ان کا نام سیّد عبدالرزّاق ہے اور سبزواری ساکن غزنی ہیں۔ یہ حضرت لعہد سلطنت ہمایوں شاہ غزنی سے آکر زمرۂ سپاہیان میں نوکر ہوئے پھر سنہ ۱۰۰۱ھ میں حضرت موج دریا بخاریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تارک الدنیا ہوئے اور عبادتِ حق میں مصروف رہ کر ولی کامل ہوئے۔

نام ان کا اگرچہ سیّد عبدالرزّاق ہے مگر سیّد مکی کر کے مشہور ہیں۔ اوّل ارادت اُن کی حضرت موج دریا بخاریؒ سے ہوئی، ان کے مقبرہ پر عبادت کے واسطے جاتے تھے اور رات بھر وہاں رہتے اور دن کو اس مقام پر جہاں اب روضہ ہے آرام پذیر ہوتے۔ یہاں اُن کے رہنے کے لئے ایک حجرہ اور دالان بنا ہوا تھا اور لوگوں کو فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم فوت ہوں تو ہم کو اسی حجرہ میں دفن کرنا، چنانچہ اُن کے حسبِ وصیّت لاش مبارک یہیں رکھی گئی اور مدّت بھر قبر خام رہی مشہور ہے کہ اُس وقت جمعرات کے دن یہاں شیر آیا کرتا تھا اور دُم سے جاروب کشی کرتا تھا۔ اِس کے بعد ایک رات حضرت موج دریا بخاریؒ اپنے متولّی خانقاہ کے خواب میں آئے اور ارشاد کیا کہ ہم کو جناب غوث الاعظم پیر دستگیر رضی اللہ عنہ سے حکم ہوا ہے کہ حضرت عبدالرزاق کا مقبرہ بنوادیں۔ سو ہم تم کو حکم دیتے ہیں کہ ان کا مقبرہ تیار ہو جانا چاہئے اور سب لوگوں کو ہماری زبانی کہہ دو کہ جو کوئی اس کی تعمیر میں زر صرف کرے گا اُس کو جنابِ الٰہی سے بہت ثواب ملے گا۔ صبح کو مجاور متولّی نے اُٹھ کر

یہ ذکر کیا، چونکہ اس میں حکم الہٰی اور خواہش ربانی تھی بمجرد استماع اس امر کے زر چندہ جمع ہونے لگا۔ جب بہت سا روپیہ جمع ہو گیا تو ایک دیندار معمار عبدالغفور نامی اس عمارت کا مہتمم مقرر ہوا۔ جب یہ مقبرہ قریب الاختتام پہنچا تو حضرت عبدالرزاق مہتمم کے خواب میں آئے اور فرمایا کہ اکثر اوقات پیران پیر اس مقام پر تشریف لاتے ہیں اور مقام نشست و برخاست کی تکلیف رہتی ہے اس لحاظ سے میری خواہش ہے کہ اس مقبرہ کے متصل ایک مسجد عالیشان تیار ہو۔ چونکہ چندے کا روپیہ بہت تھا اس نظر سے وہ مسجد بھی اسی روپیہ سے تعمیر ہوئی۔

ان کی وفات بروز پنجشنبہ ۱۰۸۱ھ میں واقع ہوئی حضرت کی تاریخ وفات جو مفتی غلام سرور صاحب نے بوقت تصنیف کتاب ہذا بھی درج کی جاتی ہے۔ قطعہ

عبدالرزاق آں شہ الامکان اہل کمال ۔۔۔ سید ابرار حق آگاہ مکی متقی،

سال وصل رحلتش سرور چو پرسید از خرد ۔۔۔ گفت ہادی سید دین شاہ مکی متقی

"ان کا مزار چوک نیلا گنبد انارکلی بازار میں مسجد نیلا گنبد کے متصل ایک بڑے نیلگوں گنبد کے نیچے ہے (اب صرف اس گنبد کا کچھ بالائی حصہ نیلگوں نظر آتا ہے) اس گنبد میں سات قبریں ہیں لیکن کسی قبر پر نام درج نہیں سب سے قدیم قبر شیخ عبدالرزاق مکی کی ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

شیخ جان محمد سہروردیؒ

آپ حضرت محمد اسمٰعیل المشہور میاں وڈا صاحبؒ کے خادم تھے اور بعہد شاہان سلف مسجد قصاب خانہ قدیم کے امام تھے۔

حال ان کا زبانی میاں احمد الدین صاحب سجادہ نشین خانقاہ میاں وڈاؒ یوں معلوم ہوا کہ عہد اکبر میں یہاں قصاب خانہ تھا۔ یہاں کے ساکنین نے یہ مسجد ۱۰۶۱ھ میں بنوائی۔ بعدازاں جب حضرت میاں وڈا صاحب کا چرچا پھیلا تو یہاں کے لوگ آکر ملتجی ہوئے کہ آپ ہماری مسجد میں تشریف لے چلیں اور وہاں چل کر درس پڑھائیں۔ آپ نے خود آنا قبول نہ کیا اور میاں جان محمد کو کہ وہ بھی ولی کامل تھے اور حضرت کے خلیفہ تھے یہاں مقرر کیا۔ چنانچہ وہ یہاں آکر مشغول امامت و ہدایت و تدریس ہوئے اور بعدازاں نہم ماہ صفر ۱۱۸۲ھ میں وفات پائی۔

یہ حضرت میاں جان محمد صاحب بڑے صاحب کمال اور عالم علوم ظاہری و باطنی تھے۔ تمام روز اس مسجد میں رہا کرتے اور عسرت کا یہ حال تھا کہ قوت لا یموت، وجہ حلال کے حصول کے لئے محنت آسیا سائی کرتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت میاں وڈا صاحب نے ان کو کسی کام کے لئے طلب فرمایا۔ جب آئے تو حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ اے جان محمد تم آسیا سائی کرکے اوقات بسری کرتے ہو۔ انہوں نے

عرض کی کہ ہاں صاحب اسی طرح اوقات بسری کرکے صابر وشاکر رہتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت نے ان کو دعائے خیر دی اور ایک تعویذ عنایت کیا کہ اپنے گھر میں لے جاؤ اور کسی برتن میں ایک دن رات رکھو اور دوسرے روز یہ تعویذ ہم کو واپس لا دو۔ حضرت اس تعویذ کو اپنے گھر لے آئے۔ قدرتِ الٰہی سے دوسرے روز ایسا معاملہ ہوا کہ ان کا گھر دولت سے بھر گیا اور امیر کبیر بن گئے اور کشائش و آسودگی تمام نصیب ہو گئی۔ اس کے بعد ان کا آوازۂ فیض خاص و عام میں مشتہر ہوا اور صدہا خدام جوق جوق ہر طرف سے حاضر ہونے لگے۔

میاں جان محمد صاحب کے نو بیٹے تھے جن کی قبریں ان کی قبر کے پاس موجود ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

"آپ کی قبر مسجد قصاب خانہ قدیم کے متصل ہے۔ قصاب خانہ ایک بہت بڑا محلہ شہر کے باہر محلہ گنج و تیلی پورہ کے شمال مغرب کی طرف آباد تھا جس کی حدود خانقاہ میاں وڈا سے ملتی تھیں۔ اب صرف یہ مسجد اس محلے کی یادگار باقی رہ گئی ہے۔" (مرتب نقوش)

شیخ سعدی بلخاری

کتاب تذکرہ مناقب سید آدم میں لکھا ہے کہ یہ حضرت یعنی شیخ سعدی بلخاری لاہوری حضرت سید آدم کے خلیفہ تھے جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے بڑے خلیفہ تھے۔ ابتدا میں شاہجہان بادشاہ کی فوج میں نوکر تھے۔ بعد ازاں شیخ سعد اللہ خلیفہ حضرت شیخ آدم بنوری کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ اُن کی توجہ سے آپ کے مزاج کو امتزاج میں بڑا استغراق ظاہر ہوا حتیٰ کہ رات دن مشغول بحق رہتے تھے۔

جب حضرت شیخ سعد اللہ نے آپ کو ایسا قابل مزاج پایا اور دیکھا کہ یہ شخص کچھ ہونے والا ہے تو وہ ان کو اپنے مرشد ارشد یعنی حضرت سید آدم بنوری کے حضور میں لے گئے اور بیعت کرائی پھر تو چند سال میں وہ اولیائے کاملین حق سے ہو گئے جب شیخ آدم بنوری براہ لاہور بیت اللہ روانہ ہوئے تو ان کو لاہور میں چھوڑ گئے کہ تو لاہور میں رہ اور خلق خدا کو دعوت بخدا کر۔ الغرض وہ اپنے مرشد کے حسب الارشاد لاہور میں رہے اور چالیس سال تک لاہور میں رہ کر خلق خدا کو ہدایت کرتے رہے۔

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ آسیب زدہ پر اُن کا توجہ کرنا نہایت موثر ثابت ہوتا تھا جب آسیب زدہ اُن کے رُوبرو لاتے تھے تو باثر نظر فیض اثر وہ آسیب وہ فی الفور اچھا ہو جاتا تھا۔ اور بعض دفعہ ایسا بھی فرمایا کرتے تھے کہ آسیب وہ کے کان میں جا کر کہدو کہ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ اگر خیریت مطلوب ہے تو یہاں سے چلا جا چنانچہ یہ عمل

کرتے ہی وہ آسیب زدہ اچھا ہو جاتا تھا۔ اور حلِ مشکل کے لیئے آپ کی دعا نہایت مؤثر ہوتی تھی یعنی جو کوئی اہلِ مشکل آتا تھا حضرت کی دعا سے اُس کی مشکل حل ہو جاتی تھی [1]

آپ کی وفات ۱۰۸۶ھ میں بعہد عالمگیر بادشاہ وقوع میں آئی اور تاریخِ وفات ان کی یہ ہے ۔ قطعہ

جنابِ سعدی بلخاری ولی بیدار لاہوری بود بر روحِ پاکِ او ہزاراں رحمتِ باری

چو از دنیائے دوں آخر بجنت رفت اے چشتی ندا آمد ز ہاتف "زندہ دل سعدی بلخاری" [3]

۱۰۸۶ھ

---

[1] شیخ محمد عمر پشاوری جو شیخ سعدی کے اصحاب واحباب میں سے ہیں انہوں نے شیخ کے احوال واقوال میں کتاب جواہر السرائر لکھی ہے جس میں آپ کے روز تولد سے یوم وفات تک کے حالات درج ہیں بیشمار خوارق وکرامات درج کیئے ہیں۔ اور شرف الدین کشمیری مجددی صاحبِ کتاب روضۃ السلام نے بھی اپنی کتاب میں حضرت کے بیشمار مناقب وخوارق بیان کیئے ہیں چنانچہ اس میں سے کچھ تحریر کیا جاتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے تھے میں آٹھ سال کا تھا کہ ایک روز اپنے گاؤں سے باہر آکر ایک کنوئیں پر وضو کر رہا تھا مولانا حاجی سعد اللہ وزیر آبادی جو شیخ آدم بنوری کے خلفاء میں سے تھے اور عازم بنور تھے اس راستے سے گذرے انہوں نے مجھے باحتیاطِ تمام وضو کرتے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اپنے یاروں سے فرمایا کہ دیکھو اس چھوٹی عمر میں یہ لڑکا کس قدر احتیاط سے وضو کرتا ہے۔ وہ ایک لمحہ میری طرف متوجہ ہو کر وہاں سے چل دیئے میں نے ان کے بعض ہمراہیوں سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں اور ان کا کیا نام ہے کہا کہ یہ حاجی سعد اللہ ہیں اور بنور کا قصد رکھتے ہیں کہ اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت میں حاضر ہوں۔ پس جاذبِ حقیقی کے جذب سے میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا اور راستے میں ان کے کسی فقیر سے اختلاط وہمنشینی نہ کی اور بے خور وخواب ان لوگوں سے علیحدہ مشغول رہتا تھا جب (باقی حاشیہ ص۱۹۹ پر)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۸

بنور پہنچے اور حضرت شیخ کے شرفِ ملازمت سے مشرف ہوئے تو شیخ نے مولانا حاجی سے ہر ایک فقیر کا حال جُدا جُدا دریافت فرمایا۔ آخر جب میری باری آئی تو مولانا نے عرض کیا کہ یہ بچہ ہمارے ہمراہ آیا ہے اور احوالِ غریبہ و معاش عجیبہ رکھتا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ ایسا کہو کہ یہ بچہ ہمارے ہمراہ آیا ہے بلکہ یوں کہو کہ ہم اس لڑکے کے ہمراہ آئے ہیں۔ یہ بچہ سعادتمند ازلی اور مقبول لم یزلی ہے اگر بروزِ حشر و نشر حق سبحانہٗ و تعالیٰ تم کو بخش دے تو اس بچے کے طفیل جاننا۔ بعد ازاں شیخ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے پسر تیرا کیا نام ہے۔ عرض کیا سعدی انہوں نے مبارکباد دے کر فرمایا کہ جہاں بھی ہو گے اور جس جگہ بھی جاؤ گے سعدی ہو گے، دنیا میں سعدی اور عقبیٰ میں بھی سعدی سے

چرخ تا سالِ عمر او شمرد   سعدِ اختر ز تو سعادت برد

پھر بہت عنایت و تلطف فرمایا اور اپنے ہمراہ حرم محترم کے پاس لے گئے اور اُن سے بھی مخاطب ہو کر فرمایا کہ آج ایک کمسن لڑکا صاحب کمال ہمارے پاس آیا ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور خیر النساء فاطمۃ الزہرا نے اس کو اپنی فرزندی میں قبول کیا ہے تب انہوں نے اپنی بیعت سے مشرف فرمایا اور خدمات خاص پر مامور فرمایا۔

مولینا محمد یحییٰ زنگی جو شیخ آدم کے خلفاء میں سے ہیں اور "سر الاعظم" کے خطاب سے مخاطب تھے۔ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ جب حضرت شیخ آدم نے مدینہ میں وفات پائی تو حضرت شیخ سعدی ایمائے ربانی سے لاہور تشریف لائے اور یہیں توطن اختیار کر کے ہدایتِ خلق میں مصروف ہو گئے اور ہزاروں طالبانِ خدا کو خدا تک پہنچایا، بلکہ خود فرماتے تھے کہ ہمارے مرید آسمان کے ستاروں کے مانند حیطۂ شمار میں نہیں آسکتے، ان میں سے سیکڑوں تکمیل کامل سے اجازت و ارشاد کے رتبہ پر پہنچ گئے اور حضرت کے چاروں فرزندانِ ارجمند خواجہ محمد سلیم خواجہ محمد غنی (باقی صفحہ ۲۰۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۹

خواجہ محمد یوسف اور خواجہ محمد عارف نے جو چار دں خانۂ دینِ متین کے چار ستون تھے الدبزرگوار کی دستگیری سے اس قدر کمالات ظاہری و باطنی حاصل کیئے کہ تمام مشائخ متاخرین سے گوئے سبقت لے گئے۔ (خزینۃ الاصفیا مفتی غلام سرور لاہوری)

مفتی غلام سرور لاہوری حدیقۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ " لاہور کے بزرگانِ نقشبندیہ میں سے یہ بزرگ صاحب کمال مشہور ہیں۔ آٹھ برس کی عمر میں ان کو شوقِ حق دامنگیر ہوا اور مولانا حاجی سعد اللہ وزیرآبادی کے ذریعہ سے بخدمت شیخ آدم بنوری جو بڑے بزرگ اور شیخ احمد مجدد الف ثانی کے خلیفہ تھے حاضر ہوئے اور تکمیل ظاہری و باطنی پائی اور پیر روشن ضمیر کے ہمراہ حرمین الشریفین کو گئے چند سال وہاں بسر کی جب شیخ آدم بمقام مدینہ فوت ہو گئے تو شیخ سعدی لاہور میں آئے اور قیام اختیار کیا حضرت کے خوارق و کرامات کتاب روضۃ السلام میں بہت درج ہیں۔ وفات حضرت کی تیسری ربیع الثانی روز چہارشنبہ ۱۱۰۸ھ میں واقع ہوئی اور مزار بیرون لاہور موضع مزنگ کے پاس ہے۔

اب آپکا مزار موضع مزنگ کے پاس سعدی پارک میں ترمذی سٹریٹ کے اندر واقع ہے۔ (مؤلف)

۲ھ : آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی قبر پر گنبد تو نہ بنایا گیا مگر احاطۂ مزار میں اور بہت سی مکلف عمارتیں تعمیر کرائی گئیں خصوصاً ایک وسیع باغ نے جو احاطۂ قبر کے گرد کافی دور تک پھیلا ہوا تھا اس جگہ کو بہت رونق دی۔ اب صرف مزار اور اس کی چار دیواری باقی رہ گئی ہے۔ (مآثر لاہور، فوق)

۳ھ مفتی غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیاء میں حضرت کی تاریخ وفات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ میں نے اس کتاب میں بعض معمر لوگوں کی زبانی حضرت سعدی کی تاریخ وفات ۱۱۰۸ھ درج کی تھی اور " زندہ دل سعدی بلخاری " مادۂ تاریخ نکالا تھا، لیکن (باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۱ پر دیکھیں)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۰

بعد ازاں جب کتاب روضۃ السلام مصنفہ شیخ شرف الدین محمد کشمیری نقشبندی میرے مطالعہ میں آئی تو اس میں اقوالِ صحیح اور دیگر کتابوں کے حوالہ سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ سعدیؒ بروز چہارشنبہ سوم ماہ ربیع الثانی ۱۱۰۸ھ میں رحمتِ حق سے پیوست ہوئے اور روضہ مزنگ کے متصل مدفون ہوئے الحمد للہ کہ وہ غلطی رفع ہو گئی اور پہلا قطعۂ تاریخ جو صاحب تحقیقاتِ چشتی نے بند سے لکھ اپنے نام پر درج کیا تھا اس سے دستکش ہوتا ہوں اور یہ قطعۂ تاریخ پیش کرتا ہوں۔ قطعہ

شد چو سعدی از جہان اندر بہشت — دل لبسالِ رحلتِ آں شیخ پیر

گفت سعدی تاج نعمت کُن رقم — نیز سعدی عارف اکبر فقیر
(۱۱۰۸ھ) — (۱۱۰۸ھ)

ہم شہنشاہِ ولایت شد عیاں — سالِ وصلِ آں شہ روشن ضمیر
(۱۱۰۸ھ)

شاہ محمد غوث قادریؒ

سلسلہ حضرت شاہ محمد غوث علیہ الرحمۃ کا قادریہ ہے اور اُن کا شجرہ علیہ یہ ہے سید محمد غوث بن سید حسن بن سید عبداللہ بن سید محمود بن سید عبدالقادر بن سید الیاس بن سید بدرالدین حسین بن سید شہاب الدین احمد بن سید علاؤالدین بن سید احمد بن سید شمس الدین قادری بن سید یحییٰ شہید ماما بن سید احمد منتقی بن سید صالح بن سید ابی نصر صالح بن سید عبدالرزاق بن غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ۔

یہ حضرت پشاور کے قدیمی ساکن تھے۔ آپ کے باپ سید حسن اور جدِ امجد سید عبداللہ گیلان سے آئے اور تمام ملکوں کی سیر کر کے پشاور میں سکونت اختیار کی۔ ان حضرت یعنی شاہ محمد غوث نے بھی تمام ہندوستان کی سیر فرمائی، اور حضرت شاہ دولہ اور شاہ بھیکہ چشتی اور حضرت سید عبدالغفور نقشبندی اور نیز صدہا بزرگان وقت کی خدمت سے فیض یاب ہوئے ان حضرت کو خاندانِ قادریہ کے علاوہ سلسلۂ عالیہ چشتیہ و نقشبندیہ میں بھی اجازت تلقین تھی اور ان کے صدہا کرامت و خوارق مشہور ہیں[1]۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ دو شخص ایک گونگا اور ایک اندھا اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نیاز مندانہ عرض کی کہ یا حضرت آپ سید ہیں اور ہم آپ کا نام سن کر خدمت

---

[1] صاحب خزینۃ الاصفیاء ان کو "جامع علوم ظاہرہ و باطن کاشف رموز طریقت و حقیقت" لکھتے ہیں۔

میں آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے لئے جناب الٰہی میں دعا کریں اور حق تعالیٰ سے طلب شفا کریں۔ یہ بات سن کر اوّل تو آپ متوجہ ہوئے اور بعد ازاں اپنا دستِ مبارک اندھے کی آنکھوں پر لگایا، وہ اندھا بینا ہو گیا۔ پھر گونگے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کلمہ پڑھ۔ اُس نے اسی وقت کلمہ شریف پڑھا۔

یہ حضرت اپنے تصنیف کیے ہوئے رسالہ غوثیہ میں لکھتے ہیں کہ جب میں لاہور میں آیا تو اوّل مقام مقبرہ عالیہ حضرت میاں میر شب باش ہوا۔ حضرت میاں میر مجھ پر ظاہر ہوئے یعنی خواب میں آئے اور متوجّہ ہونے کے بعد ایک شغل یعنی وظیفہ عطا کیا اور فرمایا کہ یہ وظیفہ کیا کر۔ دوسرے روز علی الصباح اُٹھ کر میں حضرت شیخ حامد لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے طلب استفادہ کیا۔ انہوں نے براہِ کشف فرمایا کہ آج رات کو حضرت میاں میر صاحب رح نے تم کو جو شغل عطا کیا ہے وہی کافی ہے کچھ اور ہماری توجّہ کی حاجت نہیں ہے۔ یہ حضرت شیخ حامد بھی بڑے صاحبِ کرامات بزرگ تھے اور ہمیشہ حضرت داتا گنج بخش رح کی خانقاہ کے متصل رہا کرتے تھے۔

تمام سکھانِ لاہور حضرت شاہ محمد غوث کو پیر اور بزرگ جانتے ہیں۔ ان حضرت کی ایک کرامت چشم دید تحریر کرتا ہوں کہ تمام پنجاب میں مشہور ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب بعہد سکھاں کنور نونہال سنگھ خلف کھڑک سنگھ ولی عہد مہاراجہ رنجیت سنگھ خود مختار ہوا تو اُس نے حکم دیا کہ شہر لاہور کے نواح کی صفائی کی جائے اور جس قدر درخت اور مکان ہیں سب،

لہ : رسالہ غوثیہ تصنیف حضرت شاہ محمد غوث کی اصل عبارت یہ ہے "چوں من بہ تلاش حق در لاہور رسیدم شب در مقبرۂ عالیہ میاں میر لاہوری کہ بر لاہور راست گذرانیدم۔ شبی حضرت میاں میر بر من ظاہر شدند و توجہ مصروف فرمودہ شغلے عطا کردند۔"

گرا دیئے جائیں۔ چنانچہ مسٹر الرڈ کی سرکردگی میں بہت سے قلی مزدور مقرر کر دیئے گئے کہ وہ اس کام کو انجام دیں اور اس صفائی کا آغاز دہلی دروازہ سے شروع ہوا جب الرڈ اور سرکاری قلی اس خانقاہ پر آئے اور درخت کاٹ ڈالے اور یہ نوبت آ پہنچی کہ دوسرے روز مزار پُرانوار کو بھی منہدم کر دیں گے بلکہ تھوڑا سا بیرونی چبوترہ گرایا بھی گیا تو اسی رات کھڑک سنگھ مر گیا۔ اُس روز حاکمِ وقت کے مر جانے کے سبب قلیوں کی مدد بھی نہ لگی کیونکہ سب کارِ سرکاری کی تعطیل تھی۔ مگر سب لوگ خوف کھاتے تھے کہ آج تو یہ خانقاہ بچ رہی ہے لیکن کل کو ضرور گرائی جائے گی۔ قضا کار جب کنور نونہال سنگھ مہاراجہ کھڑک سنگھ کی نعش کو جلا کر روشنائی دروازہ قلعہ سے داخل ہونے لگا تو بام دروازہ سے ایک سنگِ عظیم اور تھوڑی سی دیوار اُس کے سر پر گر پڑی اور اس کے صدمہ سے کنور نونہال اور اودھم سنگھ خلف راجہ گلاب سنگھ برادرِ حقیقی رنبیر سنگھ والیٔ جموں و کشمیر سخت زخمی ہوئے بلکہ اسی رات دونوں جہنم واصل ہوئے اور یہ خانقاہ صدمۂ انہدام سے بچ رہی[1]۔ سب لوگوں میں مشہور رہا کہ کنور نونہال سنگھ حضرت شاہ محمد غوث کی خفگی کے سبب سے مارا گیا کیونکہ باوجود اس کے کہ رعایا کے بہت لوگ اور سرداران وقت اُس کے پاس جا کر منت دار ہوئے اور عرض کی کہ اس خانقاہ کو جو ایک سید پیر کا مزار ہے مت گراؤ اُس نے کسی کے کہنے پر لحاظ نہ کیا اور براہِ غرور مزار گرانے کا حکم نافذ کیا۔ آخر خدا کے یہاں سے اپنے غرور کی سزا پائی۔ اُس روز سے زیادہ تر لوگ ان کا ادب کرتے ہیں۔

حضرت شاہ محمد غوث صاحب کی وفات ۱۱۵۲ھ میں واقع ہوئی چنانچہ مفتی

---

[1] حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ اس واقعہ سے نونہال سنگھ کی والدہ چند کور نہایت ڈری اور حکم دیا کہ حضرت کا مزار نہ گرایا جائے، چنانچہ گرا ہوا حصہ اُسی وقت تعمیر ہو گیا۔

غلام سرور صاحب نے ایک قطعہ تاریخ بامید اندراج کتاب ہذا میرے پاس بھیجا اور وہ یہ ہے[1]۔ قطعہ تاریخ

محمد غوث پیرے رہنما تے　　　که بود در بیدانِ دین مرتاض
بتاریخِ وصالِ آں شہِ دیں　　　ندا آمد که سید پیر فیاض
۱۱۵۲ھ

"آپ کا مزار شریف بیرون دہلی دروازہ دا کبری دروازہ سرکلر روڈ پر واقع ہے۔ اندرونی چبوترہ پر دو قبریں ہیں ایک تو خود حضرت کی اور بطرفِ مشرق حضرت کی اہلیہ مرحومہ کی۔ دونوں قبروں پر غلاف پڑے رہتے ہیں" مزار کے سرہانے یہ قطعہ تاریخ تحریر ہے۔

چو شد سید محمد غوث عارف　　　غریقِ رحمتِ غفار معبود
سرورشم گفت تاریخِ وفاتش　　　ہزار و یکصد و پنجاہ و دو بود

حضرت کے مزار کے متصل ایک چھوٹے سے احاطہ میں افغانی شہزادوں کی قبریں ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

[1]: مفتی غلام سرور صاحب نے اپنی کتاب خزینۃ الاصفیا میں حضرت شاہ محمد غوث کا سالِ وفات بقولِ صحیح واصح ۔ بروایت صاحب تشریف الشرفا ۱۱۵۲ھ لکھا ہے اور یہ تاریخ وفات کہی ہے۔

چوں محمد غوث رفت از دارِ دوں　　　سالِ وصلِ آں ولیٔ متقی
عارفِ مخدوم سالک کن رقم　　　ہم بفرما راہ بر سید سخی
۱۱۵۲ھ　　　۱۱۵۲ھ

حاجی محمد سعید لاہوریؒ

یہ حضرت اہلِ ولایت میں متوکل صاحب مشہور رہیں۔ عہد ان کا ابوالمظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی کا ہے[1]۔

حضرت کی کرامات مشہور ہیں مگر جو کرامت ان کی مشہوری کا باعث ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ یہاں بمقام چہار دیواری مزار محلہ عبداللہ واڑی[2] تھا اور ان کا گھر بھی یہاں تھا اس محلہ کے متصلہ محلہ کا نام لکھی محلہ تھا جب احمد شاہ درانی لاہور میں آیا تو لاہور کی تمام خلقت بسبب خوفِ جان و مال بھاگ گئی۔ لیکن لکھی محلہ کے رہنے والوں کو حضرت نے بلا کر فرمایا کہ تم کچھ غم نہ کرو اور مت بھاگو۔ ہم نے حق تعالےٰ سے عرض کر کے اس محلہ کے واسطے امان لی ہے۔ غرض وہ لوگ حسبِ فرمودۂ حضرت اپنے اپنے مکانوں میں

---

[1]: حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ یہ بزرگ "بزرگانِ لاہور میں سے صاحبِ شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت تھے۔ صاحبِ کتاب تشریف الشرفاء فرماتے ہیں کہ حاجی محمد سعید کو خلافت قادریہ سید محمود بن سید علی حسینی گردیزی سے ملی اور بمقام مدینہ منورہ ان سے بیعت ہوئی اور شیخ اشرف لاہوری سے سلسلہ ان کا شاہ محمد غوث گوالیاری کے ساتھ ملتا ہے اور اجازت سلسلہ نقشبندیہ کی ان کو حافظ سعداللہ مجددی سے حاصل تھی۔

[2]: بعہد شاہانِ سلف یہ مقام محلہ عبداللہ واڑی کا مشہور تھا چنانچہ ان حضرت کو اب بھی لوگ عبداللہ واڑی والے بزرگ کہتے ہیں۔ (تحقیقاتِ چشتی)

آباد رہے۔ جب احمد شاہ آیا تو حضرت کا خادم ہوا اور لکھی محلہ کو کچھ اذیت نہ پہنچی[1] اور اسی روز سے یہ حضرت "پیر افغاناں" مشہور ہو گئے اور متصل قبرستان صاحبان عالیشان نشان عمارت مع ایک مسجد کے موجود ہے اِس مسجد میں یہ حضرت درسِ درویشاں دیا کرتے تھے۔ چار گھڑی دن رہے تک درس پڑھاتے تھے پھر بعد نماز عصر خادمین کی تعلیم علمِ باطنی کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ کسی شخص نے جس کی دختر کو احمد شاہ کا کوئی امیر بندی کر کے ساتھ لے گیا تھا اور اس کی پیش نہ چلتی تھی، حاجی صاحب کا نام سنا اور اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا عرضِ حال کیا، آپ نے تسلی دی اور کہا کہ آنکھ بند کر۔ جب اُس نے آنکھ بند کی تو کیا دیکھتا ہے کہ اُس کی لڑکی اسکے پاس کھڑی ہے۔ اُس نے اُس لڑکی سے پوچھا کہ اے دختر تجھ پر کیا مصیبت گذری۔ اُس نے بیان کیا کہ جو امیر مجھ کو یہاں سے کابل لے گیا تھا اُس نے مجھ کو کنیزک بنا لیا تھا اب اس وقت میں بازار میں تیل لینے کو آئی تھی کہ یہ حضرت مجھ کو پکڑ کر فرمانے لگے کہ آنکھ بند کر، میں نے آنکھ بند کر لی، اسی وقت میں یہاں پہنچ گئی۔ خدا جانے کیا ہوا اور مجھ کو کون اٹھا کر یہاں لے آیا۔ اس کے بعد حضرت نے اس کو کہا کہ آنکھ کھول دے، جب اُس نے آنکھ کھولی تو اپنی لڑکی کو موجود پایا۔

حضرت حاجی محمد سعید لاہوری کے یہاں کوئی بیٹا نہ تھا فقط دو بیٹیاں تھیں ایک کا نام بیوی صاحب جان اور دوسری کا نام رحمت بیوی۔ صاحب جان صاحبہ تو حافظ محمد مقیم

[1] حدیقۃ الاولیاء کا بیان ہے کہ جب بادشاہ شاہدرہ کے مقام پر آ اترا تو پوچھا کہ اس شہر میں بزرگ صاحب طریقت کون ہے۔ لوگوں نے حضرت کا نام لیا۔ بادشاہ فی الفور باخلاصِ دل حضرت کی خدمت میں آیا اور بعد زیارت حکم دیا کہ یہ دونوں محلے غارت نہ ہوں اور چند سوار بادشاہی حفاظت کے لئے مقرر کر دیئے۔

لاہوری سے بیاہ دی اور رحمت بیوی حافظ محمد مراد صوفی کے ساتھ بیاہی گئی۔ ان دونوں صاحبزادیوں سے اولاد ہوئی

ان کی وفات بتاریخ پانچویں ربیع الاول ۱۱۸۱ھ واقع ہوئی۔ تاریخ وفات جو مفتی غلام سرور نے لطور یادگار فدوی کے پاس بھیجی درج ذیل کی جاتی ہے[۱] قطعہ تاریخ

محمد سعید آں سعید زماں — کہ بیرون است وصفش ز گفت و شنید

بتاریخ ترحیل آں شیخ دیں — ندا شُد ز دل واصل سعید ۱۱۸۱ھ

"حاجی محمد سعید لاہوری کا مزار کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے قریب نیپئر روڈ پر ایک احاطے میں واقع ہے جو گوروں کے قبرستان کے متصل ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

۱ : اسی مصنف نے حدیقۃ الاولیاء میں حضرت کی تاریخ وفات ۱۱۶۶ھ درج کی ہے۔ صاحب تحفۃ الابرار نے بھی یہی تاریخ لکھی ہے۔ (مؤلف)

شیخ اشرفؒ

ان کا حال اس طرح پر سنا گیا کہ یہ حضرت قوم کے ماچھی بڑے بھاری عامل تھے اور عملیات میں کارِ حاکمانہ کرتے تھے اور رشدہ شدہ عالمگیر بادشاہ کے مصاحب ہوگئے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص عبداللہ نام قوم کھوکھر کی لڑکی نہایت خوب صورت تھی۔ شیخ اشرف اس پر عاشق ہو کر طالب نکاح ہوئے۔ چونکہ زمیندارانِ قوم کھوکھر اپنی ذات کو بڑی شریف جانتے ہیں عبداللہ کو یہ بات منظورِ خاطر نہ ہوئی کہ اپنی لڑکی شیخ اشرف کو جو قوم کا ماہی گیر ہے دیدے۔ آخر اس نے یہ چاہا کہ اپنی لڑکی فی الفور کسی شریف خاندان سے منسوب کر کے شیخ اشرف کو جواب دیدے کہ میری لڑکی تیری درخواست کے قبل منسوب ہو چکی تھی۔ اس غرض سے پہلے وہ بخدمت گدی نشینانِ مزار حضرت فریدالدین گنج شکر قدس سرہ بمقام پاک پٹن گیا اور جو صاحب اس وقت وہاں کے گدی نشین تھے اُنکی خدمت میں عرض پرداز ہوا کہ وہ دختر عبداللہ کا ناطہ منظور فرمائیں۔ ان حضرت نے جواب دیا کہ بابا ہم درویش ہیں اور شیخ اشرف ان دنوں میں عالمگیر بادشاہ کا مصاحب ہے ہم نہیں چاہتے کہ شیخ اشرف سے دشمنی پیدا کریں۔ ازاں بعد عبداللہ کھوکھر بمقام حجرہ شاہ مقیم آیا۔ اِن دنوں میں روضہ حضرت شاہ مقیم کے سجادہ نشین حضرت سید شاہ میر تھے کہ بعد از وفات شاہ صفی اللہ بن حضرت شاہ محمد مقیم مسند نشینِ مسندِ ارشاد ہوئے تھے عبداللہ بیچارہ نے شاہ محمد امیر کی خدمت میں حاضر ہو کر ناطہ دختر کے لئے عرض کی اور

شیخ اشرف کا بھی سب حال مفصل کہہ سنایا۔ آپ نے ناطہ قبول فرمایا اور شگون نسبت کرا کے اس کو رخصت کیا۔ عبداللہ خوش ہو کر اپنے گھر آیا اور شیخ اشرف کو کہلا بھیجا کہ تمہاری درخواست سے قبل میری دختر کا ناطہ حضرت شاہ محمد امیر سے ہو چکا ہے۔ اس واسطے میں آپ کی درخواست قبول نہیں کر سکتا۔ یہ بات سن کر شیخ اشرف کے دل میں آتش غصہ شعلہ زن ہوئی اور عالمگیر کے پاس جا کر دادخواہ ہوا کہ میری دختر منسوبہ کو جو عبداللہ کھدکھر کی لڑکی تھی شاہ محمد امیر نے اپنی منسوبہ کر لیا ہے اور کچھ خوف نہیں کیا کہ بادشاہ دادگر ہم کو کیا کہے گا۔ بادشاہ نے اس مقدمہ کا رد برائے خود فیصل کرنا واجب تصور کر کے ایک خط درباب طلبی حضرت شاہ محمد امیر لکھا اور شیخ اشرف کو تسلی دی کہ خاطر جمع رکھو انصاف ہو گا۔

غرض جب شاہ امیر مقام حجرہ سے متصل دہلی پہنچے تو بادشاہ بلحاظ خاندان سادات عظام استقبال کو آیا۔ مگر آپ نے ملاقات نہ کی اور فرمایا کہ اس وقت ہم مدعی علیہ ہو کر مقدمہ شیخ اشرف کی جوابدہی کے لئے آئے ہیں ملاقات دوستانہ نہیں کر سکتے۔ بعد انفصال مقدمہ دیکھا جائے گا۔ دوسرے روز جب حضرت شاہ محمد امیر دربار شاہی میں تشریف لے گئے تو بحسب اتفاق اس روز ماہ رمضان کی اٹھائیسویں تاریخ تھی اور ہر شخص کو ہلال ماہ رمضان دیکھنے کی خواہش تھی بسبب اس کے کہ بروز ہلال ماہ شوال آسمان پر ابر محیط تھا اور کچھ اختلاف بھی وقوع میں آچکا تھا یعنی اس روز کوئی ۲۸ اور کوئی ۲۹ ماہ رمضان کی کہتا تھا۔ اس وقت عالمگیر نے شیخ اشرف سے پوچھا کہ ہلال عید کب ہو گا۔ اشرف نے جواب دیا کہ آج رات چاند ہو گا۔ حضرت شاہ محمد امیر یہ بات سن کر فرمانے لگے کہ آج چاند کی اٹھائیسویں تاریخ ہے آج ممکن نہیں کہ چاند نظر آئے البتہ کل کو چاند ہو گا۔ شیخ اشرف پھر دوبارہ بولا کہ بیشک

آج ہو گا۔ بادشاہ نے جو یہ تقاریر فریقین سنیں تو فرمایا کہ آپ دونوں اہلِ مقدمہ ہیں اوّل صدق و کذب مقدمہ اسی بات پر منحصر ہے۔ اگر آج چاند نظر آ گیا تو معلوم ہوا کہ شیخ اشرف سچّا ہے اور اگر چاند نہ ہوا تو فی الحقیقت شاہ محمد امیر راست پر ہیں اور جس کا معاملہ راست ہو گا اسی کو ناطہ ملے گا جب تمام دن گذر گیا اور ہلالِ عید کو دیکھنے کا وقت قریب پہنچا تو اشرف نے ایک برنجی چاند بنا کر اور صیقل کرا کر بزورِ عمل اسمائے الٰہی موکلوں کو دے کر بلندی پر چڑھا دیا اور سب اشخاص نے مع بادشاہ کے بچشم خود دیکھ لیا اور تو بخانہ شاہی سے شلّک سلامی ہلال سر ہوئی۔ لوگوں نے جا کر شاہ محمد امیر سے کہا کہ یا حضرت شیخ اشرف سچے ہوئے اور ہلالِ عید نظر آیا حضرت پالکی منگوا کر سوار ہوئے اور دربارِ شاہی میں پہنچے۔ عالمگیر نے بھی طنزاً کہا کہ یا حضرت شیخ اشرف کا کلام صادق ہوا۔ آپ یہ کلام سن کر طیش میں آئے اور تیز نظر سے اپنی پاپوش کی طرف دیکھا ہر دو پاپوش فی الفور اڑ گئیں۔ اور اس جعلی چاند پر لگنے لگیں حتّٰی کہ وہ چاند لبِ فرش دربارِ شاہی آ پڑا۔ شیخ اشرف نہایت شرمندہ ہوا اور اس کی طرف بادشاہ کا اعتقاد بالکل اٹھ گیا اور ناطہ حضرت شاہ محمد امیر کو ملا۔

شیخ اشرف دربارِ شاہی سے مہجور ہو کر لاہور میں آئے اور یہیں فوت ہوئے لیکن آخر عمر میں دعوتِ اسمار سے تائب ہو کر لعبادت الٰہی مصروف ہوئے اور سال ۱۱۰۴ھ میں جہان بحق تسلیم ہوئے۔ عہدِ وفات ان کا بھی عہدِ عالمگیری تھا، تاریخ وفات اُن کی جو مفتی غلام سرور نے بطورِ یادگار ندوی کے پاس بھیجی، درج ذیل کی جاتی ہے۔ قطعہ تاریخ

چو اشرف برفت از جہانِ فنا	نہاں شد یکے آفتابِ شرف
چو جستم ز دل سالِ ترحیلِ او	عیاں شد یکے آفتابِ شرف
	۱۱۰۴ھ

اوّل شیخ اشرف کا روضہ بھاٹی دروازہ کے باہر بڑا عالی شان تھا اور اس کے ساتھ ایک مسجد بھی بعمارتِ سنگین بہت عمدہ اور بڑی تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس مقبرہ اور مسجد کو مسمار کرا دیا اور اُن کا صندوق اس مدفن سے نکلوا کر فقیر نورالدین کی معرفت اس مقام پہ دفن کرا دیا اور چار دیواری بھی تعمیر کرا دی۔

" ان کا مزار نیپیر روڈ پر حاجی محمد سعید لاہوری کے احاطۂ مزار کے پاس ایک چھوٹی سی چار دیواری میں ہے "

رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہما

شاہ درگاہی قادریؒ

حال ان کا یہ ہے کہ یہ حضرت عہد جہانگیر میں حضرت شاہ چراغ صاحب کے ہمراہ لاہور میں تشریف لائے اور خاندان ان کا قادریہ ہے۔[1]

مزار درگاہی شاہ صاحب کے جنوب رویہ ایک چاہ پختہ موجود ہے۔[2] اس چاہ کا

---

[1] : حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ یہ بزرگ حضرت شاہ چراغ گیلانی لاہوری کے مرید صاحب کشف و کرامات و صدق و صفا و زہد و ریاضت تھے ان کی دعا حاجتمندوں کی حاجت روائی کیلئے اکسیر اعظم تھی دن رات حضرت کے دروازے پر اہل حاجت کا ہجوم رہتا تھا۔ ان کا مزار حضرت شاہ اسمٰعیل محدثؒ کے مزار کے دہلی طرف ہے۔ اور ایک چاہ جس کو لوگ پانی دانیاں والا چاہ کہتے ہیں حضرت کے مزار کے جنوب کی طرف ہے۔ اس چاہ کے زمیندار حضرت کے مرید تھے اتفاقاً اس زمیندار کے بیٹے کے بدن پر اس قسم کے پھوڑے نکل آئے جسکو پنجابی زبان کی اصطلاح میں پانی دانی کہتے ہیں۔ زمیندار لڑکے کو حضرت کی خدمت میں لے آیا اور التجا کی کہ اسکی شفا کیلئے دعا کریں حضرت نے فرمایا کہ اس مرض کے واسطے تیرے چاہ کا پانی دوا ہے اس کو اس چاہ کے پانی سے نہلاؤ چنانچہ اس نے نہلایا تو لڑکا فی الفور اچھا ہو گیا۔ اس روز سے آج تک تو ارکے روز تک اپنے بچوں کو جن کو یہ مرض ہوتا ہے اس چاہ پر لے جا کر نہلاتے ہیں خدا کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے۔

خزینۃ الاصفیاء میں شاہ درگاہیؒ کا سال وفات ۱۱۲۲ھ لکھا ہے اور یہ قطعہ تاریخ درج کیا ہے:

گشت روشن چو رفت از دنیا   درجہان ہمچو ماہ درگاہی

گفت تاریخ رحلتش سرور   قطب سردار شاہ درگاہی

[2] اب یہ مقام حضرت کے مزار کے متصل ایک کوٹھی (بقیہ حاشیہ ۲۱۴ پر دیکھیں)

نام پانی داتیاں والا چاہ مشہور ہے اور اس کا یہ شعبدہ ہے کہ جس طفلک کو بدن پر پھوڑے نکلیں اُس کو اس چاہ پر لا کر نہلاتے ہیں اور اس جگہ کا سنگریزہ جہاں آب چاہ نکل کر گرتا ہے گھس کر پھوڑوں پر لگاتے ہیں، وہ لڑکا اچھا ہو جاتا ہے اور لوگ بروز یکشنبہ اُن لڑکوں کو جن کے بدن پر پھوڑے ہوتے ہیں یہاں لاکر نہلاتے ہیں۔

مشہور ہے کہ حضرت درگاہی شاہ کی دعا سے اس چاہ میں یہ برکت ظاہر ہوئی ہے جب حضرت درگاہی شاہ یہاں آئے تو یہاں کے زمیندار آپ کی خدمت میں بطور خادم حاضر رہتے تھے۔ ایک روز انہوں نے خوش ہو کر زمینداروں سے فرمایا کہ تم نے ہماری بہت خدمت کی ہے کچھ دعا طلب کرو، اور پھر خوش ہو کر کہا کہ یا الٰہی جو پھوڑے والا اس چاہ پر آئے اور غسل کرے تو اچھا ہو جائے، چنانچہ اُس روز سے آپ کی یہ کرامت مشہور ہے اور اب تک جاری ہے، اور یہ چاہ پانی داتیاں والا اس لئے مشہور ہے کہ" پانی داتہ" پھوڑوں کی ایک قسم ہے جو خاص کر لڑکوں کے بدن پر پیدا ہوتے ہیں اور ان پھوڑوں میں صرف پانی ہوتا ہے۔

" حضرت شاہ درگاہی قادری کا مزار ہال روڈ پر واقع ہے۔ ہال روڈ پر سر راہ ایک اونچے تھڑے پر ان کے خلیفہ ماہی شاہ کی قبر ہے اور اندر کی طرف ایک چھوٹی سی مسجد میں حضرت درگاہی شاہ کی خانقاہ ہے۔" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

بقیہ حاشیہ صفحہ — ۲۱۳

(جس میں اس وقت انسپکٹر آف سکولز لاہور ڈویژن کا دفتر ہے) سے ملحقہ ایک چار دیواری (مزار شاہ عبد المنان حضوری برقع پوش نقشبندی) کے اندر واقع ہے۔ بچوں کو نہلانے کے لئے کنوئیں پر پمپ لگا ہوا ہے۔ (مؤلف)

شاہ عنایت قادری[1] رح

آپ حضرت شاہ رضا قادری شطاری لاہوری[2] کے خلفائے اعظم سے ہیں اور صاحب مراتب عظیم جامع علوم ظاہری و باطنی و مظہر انوار صوری و معنوی تھے حضرت قوم کے باغبان یعنی زمیندار تھے۔ مدت مدید تک پیر روشن ضمیر کی خدمت میں حاضر رہ کر تکمیل کو پہنچے اور خرقۂ خلافت حاصل کر کے قصور میں مامور ہوئے قصور جا کر آپ ہدایت خلق میں مشغول ہوئے اور قبول عظیم پائی سیکڑوں لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

آخر کار ایسا اتفاق ہوا کہ قصور کی ایک مطربہ جس کا شوہر فوت ہو گیا تھا عسرت و افلاس سے تنگ آ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ مجھے کنیزوں میں داخل ہونے کی اجازت ہو، لیکن چونکہ مجھ کو متوفی شوہر سے اولاد کی امیدواری ہے اس لئے چند روز خدمت سے قاصر رہوں گی۔ چونکہ خانقاہ والا جاہ میں لنگر عظیم جاری تھا لہٰذا مطربہ کو محلِ زنانہ میں خدمت گزاری کا حکم ہوا۔ چھ ماہ بعد اس کے ایک حسین و جمیل دختر متولد ہوئی۔ بعدِ تربیت جب یہ دختر بلوغ کو پہنچی تو اس میں وضعِ اشرافانہ پیدا ہوئی۔ اس نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔

---

[1]: اصل کتاب میں ان کا تذکرہ موجود نہیں یہ حالات خزینۃ الاصفیا و حدائق الاولیا مفتی غلام سرور لاہوری کی مدد سے مرتب کئے گئے ہیں۔ (مؤلف)

[2]: ان کا سلسلۂ طریقت شاہ محمد گوالیاری کے ساتھ منتہی ہوتا ہے۔ وفات ۱۱۱۸ھ میں ہوئی (حدیقۃ الاولیاء)

حدائق الحنفیہ میں ہے کہ آپ جامع علوم ظاہر و باطن، فقیہ فاضل صوفی کامل تھے۔ شرح وقایہ کے حواشی المسمیٰ بہ غایۃ الحواشی دو جلدوں میں تصنیف کیے اور کنز الدقائق کی شرح ملتقط الحقائق نام تصنیف کی "فخر وطن" (۱۱۴۱ھ) تاریخ وفات ہے۔

اور مسائلِ دینی کا علم حاصل کیا۔ ایک روز یہ دُختر محلِ زنانہ سے حضرت کے لئے خوانِ طعام لے کر حاضر ہوئی۔ حضرت کی نظر کیمیا اثر اس پر پڑی تو فرمایا کہ آج سے بعد یہ دختر کبھی محلِ زنانہ سے باہر نہ آئے۔ چنانچہ حضرت کے حکم کے مطابق وہ مستور ہو گئی۔ کچھ مدت کے بعد مطربہ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میری لڑکی بالغ ہو گئی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ حضرت کے خدام والا مقام میں سے کسی کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو، شاہ عنایت تمہاری دُختر کا خواستگار ہو گا۔ مطربہ نے اپنی سعادت جان کر قبول کیا اور اُس دُختر کا حضرت کے ساتھ نکاح ہو گیا۔ مطربہ کے لواحقین نے جب یہ خبر سنی تو انہوں نے بہت شور مچایا اور حاکمِ قصور نواب حسین خان افغان کی خدمت میں صورتِ حال بیان کی۔ نواب نے حضرت کو طلب کیا اور کہا کہ آنجناب کے شایانِ شان نہ تھا کہ اپنی خادمہ مطربہ کی لڑکی کو نکاح میں لاتے۔ حضرت شاہ نے جواب دیا کہ جو کام عنداللہ و عندالرسول و عندالشرع درست ہو اس کے فاعل پر الزام لازم نہیں آتا۔ حاکم و حامیٔ شرع ہونے کے باوجود تمہارے لئے واجب نہ تھا کہ ایسے کام میں مجھے طلب کرتے۔ ہم فقیروں کو شاہانِ دنیا سے کیا کام اور اہلِ دنیا کی بدنامی و اعتراض سے کیا خوف ہے۔ خیر اس بات کی سزا اپنے خدا سے پاؤ گے۔

حسین خان یہ بات سن کر برافروختہ ہوا اور کہنے لگا کہ اب آپ کے لئے قصور میں رہنا مناسب نہیں لاہور تشریف لے جائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ارض اللہ واسعۃ ہم قصور سے جاتے ہیں۔ چنانچہ اُسی دن اہل و عیال سمیت قصور سے لاہور کی طرف چل پڑے۔ خلقتِ کثیر اور خادم و مرید و معتقد حضرت کے ہمراہ تھے اور نالہ و فریاد کرتے تھے۔ آپ نے سب کو رخصت کر کے تسلی دی کہ حسین خان نے ہم کو قصور سے باہر نکالا ہے مگر ہم نے اُس کی جڑ کو دنیا سے باہر پھینک دیا ہے۔

شاہ عنایت کے لاہور پہنچنے کے بعد نواب حسین خان نے ایک شخص رنگو نام برہمن کو مسلمان کیا۔ اُس کے متعلقین بیساکھی کے روز امرتسر میں سکھوں کے سردار گلاب سنگھ کے پاس داد خواہ ہوئے اور سکھوں نے آپس میں اتفاق کر کے قصور پر حملہ کر دیا سخت لڑائی کے بعد سکھ بھاگ گئے۔ گلاب سنگھ نے دو غیر مسلم ماہی گیروں کو دو ہزار کا طمع دے کر حسین خان کے قتل پر آمادہ کیا۔ ادھر حسین خان سکھوں پر فتح پانے کے بعد قصور جا رہا تھا تو راستے میں گھوڑے کو تیز دوڑا کر فوج سے علحدہ ہو گیا اور اُن ماہی گیروں کی کمین گاہ کے سامنے جا پہنچا۔ ماہی گیر کمین گاہ سے باہر نکل کر حسین خان کو بندوق کا نشانہ بنانا ہی چاہتے تھے کہ حسین خان کی نظر ان پر پڑ گئی۔ اس نے تلوار سونت کر دونوں کو ہلاک کرنا چاہا کہ ماہی گیروں نے فریاد کی اور کہا کہ ہم سید ہیں حسین خان چونکہ سادات عظام کا بہت ادب کرتا تھا اُس نے دونوں ہاتھوں سے ان کو سلام کیا۔ حسین خان کے ہاتھ پیشانی کی طرف اُٹھے تو ماہی گیروں نے گولی چلادی۔ گولی حسین خان کی پیشانی پر لگی اور اُس نے شہادت پائی۔

حضرت شاہ عنایت نے ۱۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ ہزاروں طالبانِ خدا حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مراتب تکمیل کو پہنچے اور ہنگامہ مشیخت ان کی زندگی تک گرم رہا، ان کے بہت سے خلفاء کامل و مکمل ہوئے ہیں۔ قطعہ تاریخ وفات یہ ہے۔

چو از فضل و عنایات الٰہی — عنایت رفت از دُنیا بجنت

زمشتاقی مکرم جو وصالش — دگر تاج یقین اہلِ عنایت

"حضرت کا مزار شریف چڑیا گھر کے قریب کوئینز روڈ پر واقع ہے۔ مزار ایک بلند چبوترے پر ہے اور پہلو میں دو صاحبزادوں کی قبریں ہیں۔ سنگِ مزار پر تاریخ وفات ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۴۷ھ لکھی ہے۔" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

صابر شاہ مجذوب لاہوریؒ

حضرت صابر شاہ فقیر مجذوب قدیم سے لاہوری تھے اور احمد شاہ ابدالی کے پیر تھے[1]۔ جب احمد شاہ ابدالی نادر شاہ کو قتل کر کے لاہور پر آیا تو حضرت بھی اس کے ہمراہ آ گئے، جب شاہدرہ میں پہنچے تو انہوں نے احمد شاہ سے فرمایا کہ یہ میرا شہر ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس میں قتل ہو اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے وکیل کر کے شہنواز خاں بن خان بہادر ناظم لاہور کے پاس روانہ کر۔ احمد شاہ نے بجان قبول کیا اور حضرت کو اس کے پاس بھیجا چونکہ یہ فقیر بے پروا مجذوب تھے نواب کی خدمت میں پہنچتے ہی فرمانے لگے کہ اوبد ذات بیوقوف، احمد شاہ ابدالی تشریف لائے ہیں، تجھے لازم ہے کہ تو ان کی خدمت میں حاضر ہو،

---

[1] : صابر شاہ ایک نیم مجذوب درویش تھا۔ لاہور اس کا آبائی وطن تھا۔ اس کا دادا جس کا نام یا غالباً لقب استاحلال خور بیان کیا جاتا ہے۔ کابل میں گھوڑوں کے امراض کا طبیب تھا بعد ازاں اُس نے ترکِ دنیا کر کے درویشی اختیار کر لی۔ اس کا لڑکا یعنی صابر شاہ کا باپ حسین شاہ بھی فقیر تھا۔ صابر شاہ نے اسی ماحول میں پرورش پائی۔ اس پر سُکر غالب تھا۔ نادر شاہ کی زندگی ہی میں مشہد میں حضرت امام رضا کے صاحبزادے حضرت سلطان ابو الحسن علی کے روضہ پر صابر شاہ کی احمد شاہ سے ملاقات ہوئی اور اس درویش نے احمد شاہ کو بادشاہت کی بشارت دی۔ صاحبِ تخت و تاج بننے کے بعد بادشاہ صابر شاہ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا اور بکمالِ احترام پیش آتا تھا (مقالہ "سیاسی اور ثقافتی تاریخ" از پروفیسر محمد شجاع الدین مطبوعہ ماہنامہ نقوش لاہور نمبر)

اور آداب بجالا اور امان مانگ کہ تو اور خلقِ خدا ہلاک نہ ہو، ماسوائے اس کے کچھ اور بھی بُرا بھلا کہا۔ وہ سنتے ہی آگ بگولا بن گیا اور حکم دیا کہ اگرچہ وکیلوں کو مارنا ممنوع ہے مگر ایسے بے ادب کو چھوڑنا بھی مناسب نہیں ہے چنانچہ حاضرینِ دربار نے اُسی وقت ان کو قتل کر ڈالا، اور یہ حال کسی کو معلوم نہ تھا کہ آپ فقیر باخدا ہیں[1]۔

جب یہ خبر احمد شاہ ابدالی کو پہنچی تو اسی وقت دریائے غم و غصہ میں ڈوب کر دریائے راوی کو عبور کیا اور قتلِ عام کا حکم دیتا ہوا شہر کے پاس آ پہنچا، اور علاقہ حضرت الیشان ؒ میں خوب قتل ہوئے کہتے ہیں کہ ناظمِ لاہور کے پاس ایک لاکھ مغل لوکر تھے، ان کو ایسی ہیبت آئی کہ مسجد بادشاہی کے میناروں سے گر کر ہزارہا فوت ہو گئے۔ ازانجا کہ مزارِ فقیری کی ہو تاریخی نہیں ہے لہٰذا مختصر کر کے عرض کرتا ہوں کہ جب شاہ نواز خاں اسیرِ پنجۂ ملازمانِ احمد شاہی ہوا تو اُس وقت احمد شاہ ابدالی نخاس کے دروازہ[2] پر بیٹھ کر تماشا قتل کر رہا تھا کہ خواجہ شاہ نواز کو پنجرۂ آہنی میں قید کر کے اس کے رُوبرو لائے۔ اس کے دل میں قتلِ پیر کے سبب بہت غصہ بھرا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی اس کو کہنے لگا کہ اے ظالم بیوقوف تو نے میرے پیر کو قتل کیا، بول اب تیری کیا سزا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ اگر جلاد ہے تو

---

[1] : شاہ نواز خاں نے صابر شاہ کی لاش بے گور و کفن پھنکوا دی جسے بعد ازاں افغانوں نے شاہی مسجد کے عقب میں دفن کیا۔ (مقالہ سیاسی اور ثقافتی تاریخ)

[2] : شمال رویہ مزار حضرت شاہ کاکو چشتیؒ (واقع مسجد شہید گنج) بلب راہ، دروازہ نخاس چینی کے نام والا بڑا بلند عالیشان بنا ہوا تھا اور اس دروازہ کی شکل بعینہٖ مسجد وزیر خاں کے دروازہ جیسی تھی بہت اچھا کاشی کا کام کیا ہوا تھا۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۰ پر دیکھیں)

مار ڈال، اور اگر تاجر ہے تو بیچ ڈال، اور اگر ظالم ہے تو قید کر دے اور اگر بادشاہ ہے تو معاف کر۔ واللہ غفور الرحیم۔

احمد شاہ کو اس کی بات نہایت پسند آئی اور اس کی جان و تاج بخشی کر کے روانہ ہندوستان ہوا۔

حضرت صابر شاہ مجذوب نے ۱۱۶۱ھ میں شہادت پائی۔ ان کا مزار شاہی مسجد کے غربی جانب لیڈی ولنگڈن ہسپتال کے متصل ایک تکیہ میں بلند چبوترے پر واقع ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۔۔۔ ۲۱۹

بادشاہان چغتہ کے وقت میں وہاں خرید و فروخت اسپاں ہوتی تھی۔ وہ دروازہ دو منزلہ تھا۔ (تحقیقات چشتی)

شاہ شرف لاہوری رح

اصلی نام اِن کا شیخ سعادت مند تھا۔ یہ قانون گو سے قصبہ بٹالہ قوم پوری سے تھے[1]
شیخ سعادت مند فن منشی گری میں بہت اچھا خوشنویس حساب دان تھا۔ اِن کی حقیقی بھاوجہ
مسماۃ بیگم زوجہ عبدالرحیم بیوہ تھی۔ یہ شیخ سعادت مند اس کو عاجزہ اور بیوہ جان کر اسکی خدمت
کرتے تھے۔ چونکہ شیخ سعادت مند آدمی بانکا ترچھا رہا کرتا تھا اس کی زوجہ مسماۃ بھوباد شاہ بی بی
نے ایک روز اُس کو کہا کہ تو اپنی بھاوجہ سے آشنائی رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے
کہا کہ وہ بھاوجہ مجھے بجائے لڑکی کے ہے تُو کیا بدگمانی کرتی ہے باوجودیکہ قسم غلیظ بھی کھائی۔
مگر اس کو اعتبار نہ آیا اور اسی پر تکرار ہوتا رہا۔ الغرض کہ تین چار دفعہ ایسا ہی مخمصہ
درمیان میں آیا۔ آخر جب وہ تنگ ہوا تو اُس نے کپڑے پھاڑ ڈالے اور فقیر بن کر لاہور
چلا آیا اور یہاں محمد فاضل لاہوری کی خدمت میں آکر خادم ہوا جو صاحب کمال اور مدرس اور
نامی کاتب خوشنویس تھے اور جن کے لکھے ہوئے قطعے اب تک لوگ بحصول فوائد کتابت
بجانِ تلاش کرکے خریدتے ہیں (چنانچہ وہ قطعات معرفت راقم سنہ ۱۸۶۴ء میں عجائب گاہ
پنجاب میں داخل ہوئے تھے) انہوں نے اِس کا نام شاہ شرف رکھا اور چند سال میں کامل کیا[2]

---

[1]: پوری ہندوؤں میں ایک ذات کھتریوں کی ہے۔ یہ صاحب بھی اولاد شیخان نومسلم سے تھے اور شیخان نومسلم میں دستور ہے کہ جس قوم ہنود سے وہ مسلمان ہوتے ہیں وہی نام قوم قائم رکھتے ہیں (جیسے چشتی)

[2]: خزینۃ الاصفیاء میں ان کو "از اکمل اولیاء و مکمل مشائخ زمانہ" لکھا ہے۔ (مؤلف)

اس کے بعد اُن کا وہی قبیلہ مع اُن کی دختر صلبی کے بٹالہ سے انکی خدمت میں پہنچے، انہوں نے صاحبزادی کو گود میں بٹھا لیا، اور اُس کو کہا کہ اے بہو بادشاہی تو مجھے اب بجائے والدہ ہے تو یہاں کیوں آئی تجھے کس نے بلایا ہے اوّل تو نے مجھے وہ بات سُنائی جس نے مجھ سے دنیا چھڑائی اور میں نے صرف اس باعث سے دنیا کی اپنی تمام کمائی گنوائی اور دولت ننگ و ناموس لٹوائی، اب میں تارک الدنیا ہوں اب مجھ کو تجھ سے کوئی علاقہ نہیں جہاں سے آئی ہے چلی جا۔ وہ یہ سُن کر دُتی پیٹتی بٹالہ کو چلی گئی۔

ان کا مزار ایک چبوترہ خشتی پر واقع ہے اور اس چبوترہ پر تین قبریں ہیں۔ ایک تو حضرت شاہ شرف کی اور دوسرے انکے مرشد محمد فاضل صاحب کی اور تیسرے انکے مرید محمد عزیز اللہ کی ہے محمد فاضل تو بعہد شاہجہان بادشاہ زندہ تھے سلسلہ ان کا قادریہ رزاق شاہی ہے اور بڑے زاہد مشہور تھے۔ ان کی عمر ایک سو سال کی تھی تاریخ وفات سبز دہم صفر ۱۱۳۱ھ ہے۔ ان کے مرید شاہ شرف صاحب نے بڑی عمر پائی یعنی انکی عمر ایک سو بیس سال کی تھی حضرت شاہ شرف کی وفات دوم رجب ۱۱۶۰ھ میں بعہد محمد شاہ وقوع میں آئی[۲] مرزا محمد عزیز اللہ ان کا خادم ۱۲۳۰ھ میں فوت ہوا۔

ان مزارات کی چار دیواری میزنگ روڈ پر باغ جناح کے قریب ٹونی مسجد جامع حنفیہ کے بالمقابل ایک گلی کے اندر ہے۔ گلی کے دروازے پر ایک پتھر پر ان تینوں حضرات کے نام لکھے ہوئے ہیں، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

---

[۱] ان کی قبر کے جنوب رویہ ایک مسجد کلاں تھی اس میں حضرت محمد فاضل صاحب مدرس درس پڑھاتے تھے اور بادشاہ سے ان کو مدد ملتی تھی۔ بہت لوگ مفت تعلیم پاتے تھے اور فی سبیل اللہ درس جاری تھا۔ (تحقیقات چشتی)

[۲] صاحب خزینۃ الاصفیاء نے انکی تاریخ وفات بقول معتبر ۱۱۳۷ھ لکھی ہے اور یہ قطعہ تاریخ درج کیا ہے ؎

رفت از دنیا چو در خلد بریں — شہ شرف شیخ یقین تاج الشرف

سال تاریخ وصال آں جناب — شد عیاں محبوب دین تاج الشرف

۱۱۳۷ھ

فتح شاہ مستؒ

یہ حضرت اکثر اوقات دریا میں مشغول عبادت رہا کرتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ روشن شاہ کوتوال لاہور سیر کرتے ہوئے دریا پر گیا۔ وہاں فتا شاہ کو دیکھتے ہی اُس کے دل میں شوقِ الٰہی پیدا ہوا اور حضرت کے قدموں پر گر پڑا۔ حضرت مہربانی سے اُس کی طرف متوجہ ہوئے۔ بعدازاں وہ تمام کاروبار چھوڑ کر ان کی خدمت میں عرصہ تیس سال تک خدمت گذار رہا۔ بعد اُس کے حضرت نے حکم دیا کہ تم شاہجہان آباد جاؤ۔ وہ سات برس وہاں رہ کر پھر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر شب و روز مشغولِ عبادت رہنے لگا۔ بوقتِ وفات حضرت نے اسی کو سجادہ نشین مقرر فرمایا۔

ان کے والد اوّل تجارتِ اسپاں کیا کرتے تھے نقل ہے کہ ان کے ہاں فرزند نہ ہوتا تھا، ایک دن وہ بخدمتِ برہان شاہ سرّالٰہی کے حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ میرے حال پر رحم کریں کہ جنابِ الٰہی سے مجھ کو فرزند عطا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ فرزند تو ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ اُس کو فقرا کی صحبت میں رہنے دینا۔ انہوں نے منظور کیا۔ اسی سال حضرت فتا شاہ تولّد ہوئے اور بعمرِ ہفت سالگی حضرت برہان شاہ کی خدمت میں مشرف ہوئے انہوں نے ان کو فرزندی میں قبول کیا اور اپنے خلیفہ شاہ عبداللطیف کی خدمت میں برائے تربیت سپرد کیا۔ ان کی توجّہ سے سلسلہ شطاریہ میں ولیِ کامل ہوئے۔

ان کی کرامات بہت مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب روشن شاہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت فنا شاہ نے سجی اور صابون گھول کر ان کے سر پر ڈالا بمجرد اس کے اُن کے بدن کا تمام پوست اکھڑ گیا، وہ حیران ہوئے، شیخ فنا شاہ نے ان کا اضطراب دیکھا تو ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ نظر پڑتے ہی ان کا بدن سالم ہو گیا۔ پھر ان کو ایک چوب خشک دی اور فرمایا کہ اس کو گاڑ دے۔ بمجرد گاڑنے کے وہ سرسبز ہو کر بڑھنے لگی۔ یہ صاحب ہمیشہ مست رہتے اور کلام کم کیا کرتے تھے۔ بعالم مستی اکثر "برہانپور برہانپور" فرمایا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت برہانپوری تھے۔

خانقاہ ان حضرت کی جنوب رویہ آوہ بدھو (واقع جی ٹی روڈ) موجود ہے۔

وفات سنہ ۱۱۵۰ھ میں واقع ہوئی، عمر ان کی ایک سو گیارہ سال کی تھی۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ حامد قاریؒ

شیخ حامد قاری صاحب بن حسن عالم عامل، فقیر کامل اور شیخ متدین تھے، چنانچہ کتاب ملفوظات اور رسالہ حرمتِ حقہ[1] جو ان کی تصنیف ہے اس پر دال ہے۔ یہ حضرت بچین میاں مسجد موجودہ خانقاہ میں تدریس فرمایا کرتے تھے[2]۔ قرآن خوانی میں بڑے استاد اور اپنے وقت میں یگانۂ آفاق تھے۔ چنانچہ ان کی قرأتِ قرآن شہرت رکھتی اور اس کے علاوہ اور علوم ظاہری و باطنی میں سلسلۂ عالیہ سہروردیہ بڑے فقیر کامل اور شیخ مکمل تھے۔ اب تک لوگ ان کو بزرگ جانتے اور پیر کرکے مانتے ہیں۔ انہوں نے سلسلۂ سہروردیہ مولوی تیمور صاحب کی خدمت میں بیعت کی تھی۔

حضرت حامد قاری کا مولد شہر لاہور ۱۰۷۱ھ بعہدِ عالمگیر بادشاہ اور وفاتِ عہدِ محمد شاہی میں بتاریخ ۲۴ جمادی الثانی ۱۱۲۶ھ واقع ہوئی۔ ان کے بعد ان کے خادم مولوی جان محمد صاحب سجادہ نشین ہوئے اور بدستور اس جگہ مدرس رہے اور امامت مسجد کرتے رہے۔

---

[1] : اس کتاب کا ایک نادر قلمی نسخہ سید وزیر الحسن عابدی صاحب ریڈر شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔ (مؤلف)

[2] یہ مسجد قاری صاحب موصوف نے ۱۱۴۱ھ میں بعہدِ نصیر الدین محمد بادشاہ بنوائی تھی۔ (تاریخ جلیلہ)

قطعہ تاریخ جو مفتی غلام سرور نے بامید اندراج بھیجا بجنسہ تحریر ہے، قطعہ تاریخ

حامد آں قاری قرآن العظیم　　بود شیخے عالم و حامد حسن

بہر تاریخ وصال آں جناب　　گفت سرور حافظ و حامد حسن

۱۱۶۶ھ

حضرت کا مزار شہر لاہور کے بجانب شرق آوہ بدھو کے شرق رویہ اور مقبرہ علی مردان خان کے جنوب رویہ واقع ہے[1]۔ چاردیواری خانقاہ کے غرب رویہ ایک مسجد ہے جس کے دہن جنوبی پر یہ بیت تحریر ہے۔ بیت

خرد گفت از سال تاریخ آں،

"ز آفات دوراں زدانش مباد"

۱۱۴۱ھ

---

[1] : آپ کا مزار وہیٹ مین روڈ (مغلپورہ) پر ریلوے جنرل سٹور کے متصل واقع ہے۔ (مؤلف)

معصوم شاہ مجذوب لاہوری رح

یہ حضرت ابھی زمانہ قریب میں گزرے ہیں۔ حال ان کا یہ ہے کہ حضرت کا نام
معصوم شاہ ہے۔ روایات کشیرہ سے لاہور میں ان کی ایک مشہور کرامت یہ ہے کہ
کوچہ چٹا فاں دالا میں جو معصوم شاہ کی تھڑیاں مشہور ہیں ایک مکان کی چوبی چوکھٹ پر
آپ بحین حیات بارہ برس تک آگ جلاتے رہے مگر اس چوبی چوکھٹ کو آگ کا داغ تک
نہ لگا۔ اس لئے وہ کوچہ "حضرت معصوم زیان تھڑیاں" مشہور ہو گیا۔[1]

شیخ وہاب الدین بچشم خود دیدہ بیان کرتا ہے کہ جب حضرت لاہور کے اس
کوچہ میں رہتے تھے تو ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک ہندو بڑھیا اس کوچہ میں سے باہر کو جارہی تھی
اتفاقاً اس کے ہاتھ میں ایک کپڑا تھا جو وہ اجرت پر شاید رنگانے کے لئے لے جاتی تھی
معصوم شاہ صاحب نے اس کو بلایا اور اس کے ہاتھ میں سے وہ کپڑا لے کر آگ میں
جو ہمیشہ ان کے آگے چوبی چوکھٹ پر جلا کرتی تھی ڈال دیا۔ چونکہ یہ فقیر مجذوب تھے وہ
بیچاری کچھ بول نہ سکی اور روتی ہوئی چلی گئی اور وہ کپڑا جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔
تھوڑی دیر بعد نور محمد خواجہ مقدم محلہ یہ حال سن کر حضرت کے پاس آیا اور عرض کی کہ یا مولا

---

[1] حدیقۃ الاولیاء کا بیان ہے کہ یہ مجذوب صاحب جذب استغراق و بیہوشی و بیخودی جامع خوارق و کرامت
لاہور کا رہنے والا تھا۔ محلہ سید مٹھا میں ایک پرانی حویلی کے دروازے میں اس کا قیام تھا۔ اپنے دو بھٹیاں آگ ہمیشہ
رکھتا تھا۔ اگرچہ اس نے اس گھر کی چوبی دہلیز پر بارہ برس تک آگ جلائی مگر اس دہلیز کی لکڑی نہ جلی۔

وہ عاجزہ بڑھیا بیوہ ہے آپ نے کیا غضب کیا کہ اس کا کپڑا جلا دیا یہ بیچاری مزدوری کے لئے کپڑا اسے چلی تھی۔ آپ نے اس کو فرمایا کہ آگے آؤ اور کپڑا نکال لو۔ اور پھر جذبہ میں آ کر اسی وقت وہ کپڑا آگ کی خاکستر سے نکال کر دے دیا۔ قدرتِ الٰہی سے وہ کپڑا کہ سادہ تھا کشیدہ شدہ نکل آیا اور وہ بڑھیا لے کر چلی گئی۔[1]

حضرت معصوم شاہ ۱۲۰۸ھ میں فوت ہوئے۔[2] ان کا مزار لوہاری دروازہ کے باہر انارکلی بازار میں کی مسجد کے اندر واقع ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

[1] حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ معصوم شاہ نے وہ کپڑا عورت کے حوالے کیا تو کہا مائی جو کام تم نے کئی روز میں کرنا تھا، وہ ہم نے ایک روز میں کر دیا۔ خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ سوزن کاری کا وہ نمونہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔

[2] صاحب حدیقۃ الاولیاء و خزینۃ الاصفیاء نے ان کی وفات ۱۲۰۸ھ میں لکھی ہے اور یہ قطعۂ تاریخ درج کیا ہے ؎

آں شہِ کون و مکاں معصوم شاہ — بود ذاتش طالب و مطلوبِ عشق
سالِ وصلِ او چو جستم از خرد — گفت ای سرور بگو مجذوبِ عشق
۱۲۰۸ھ

شیخ عبداللہ شاہ بلوچ قادریؒ

یہ حضرت قدیم سے ساکن موضع مزنگ اور قوم کے بلوچ تھے۔ عمر ان کی اسی برس کی ہوئی سلسلہ عالیہ قادریہ کے پیر ہیں اور ان کے عارفانہ پنجابی اشعار مشہور ہیں۔ یہ حضرت اس زمانہ میں جب زمان شاہ پشاور کی طرف سے لاہور آیا تھا زندہ تھے آں حضرت کی بہت عمارتیں بنائی ہوئی موجود ہیں۔ کوٹ عبداللہ شاہ متصل مزنگ، نواں کوٹ نیاز بیگ قلعہ غوث متصل گوبندپورا اور گوجر سنگھ کا قلعہ مختاری ان کے بنا ہوا ہے۔ گوجر سنگھ تین حاکمان شہر لاہور میں سے ایک حصہ لاہور کا حاکم تھا اور یہ بھی حضرت کو بزرگ کر کے مانتا تھا۔

میرے قدیمی مشفق مفتی غلام سرور صاحب جو اپنے والد مرحوم کے عہد سے ساکن موضع مزنگ ہیں اور جن کے نانا شیخ امام بخش حضرت عبداللہ شاہ کے مرید خاص حاضر باش شیخ فیض بخش لاہوری کے بیٹے تھے۔ حضرت کی کرامت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک روز شیخ فیض عبداللہ شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ لاہور کا ایک ساہوکار آن کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ یا حضرت میں آپ کی خدمت میں ایک مشکل عرض کر کے امیدوار جواب ہوں، کہ یہ عام و خاص لوگ کیمیا کہتے ہیں اور کرتے ہیں یہ سچ ہے یا غلط۔ آپ نے فرمایا کہ جا اور ایک پیسے کی سم الفار اور گوگرد

---

[1] حدیقۃ الاولیاء کا بیان ہے کہ "یہ بزرگ خاندانِ قادریہ اعظمیہ میں مرید و خلیفہ شیخ شرف الدین قادری پانی پتی کے تھے اور سلسلہ ان کا چار واسطوں کے ساتھ حضرت میاں میر (باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۰ پر دیکھیں)

اور ایک روپیہ کے پیسے لے آؤ۔ چنانچہ وہ لے آیا۔ آپ نے شیخ فیض کو فرمایا کہ ہمارا مٹی کا پیالہ اُٹھا لاؤ اور یہ پیسے پیالہ میں ڈال کر اور ہم الفار گوگرد پیس کر پیسوں پر چھڑک دے اور اس کے بعد ان پر کوئلہ سلگا تا کہ پیسے سُرخ ہو جائیں۔ شیخ فیض نے ایسا ہی کیا۔ دو تین لمحہ کے بعد فرمایا کہ اگر پیسے سُرخ ہو گئے ہیں تو ان میں سے ایک پیسہ نکال کر دیکھو۔ جب اُس نے ایک پیسہ نکالا تو دیکھا کہ سیاہ ہوا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس پر ایک ضرب مار۔ چنانچہ اُس نے اینٹ اٹھا کر اس پر ماری۔ چوٹ لگنے سے پیسہ کے اوپر سے ایک پردہ سیاہ دُور ہو گیا اور بیچ میں سے زرِ سُرخ خالص سونا نکل آیا۔ بعد ازاں سب پیسے نکلوائے اور اس شخص سے فرمایا کہ یہ سب پیسے اب زرِ خالص ہو گئے ان کو لے جا۔ اس نے عرض کی کہ مجھ کو اس سونے کی حاجت نہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو سکھلا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کیمیا بہت آسان ہے۔ اپنے خدا کی عبادت کر کہ اگر تو سچے دل سے خدا کی عبادت کرے گا تو اگر مٹی کو ہاتھ لگائے گا تو سونا بن جائے گا کہ عارف لوگ نظر سے لوہے کو سونا بنا دیتے ہیں۔ اُس نے مایوس ہو کر کہا کہ مجھے یہ حرام ہے آپ خود ہی رکھیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم بھی اس کو حرام سمجھتے ہیں۔ آخر الامر شیخ فیض نے عرض کی کہ اب اس باب میں کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے شیخ اس کو بازار میں لے جا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۹) بالا پیر لاہوری کے ساتھ ملتا ہے۔ یہ بزرگ ذات کے بلوچ تھے اور ساربانی کے پیشہ سے بہت مال جمع کیا تھا۔ پھر جب جاذبِ حقیقی نے ان کو اپنی طرف کھینچا تو مالِ دنیا کو ترک کر کے فقیر ہوئے اور با جازت پیر روشن ضمیر عبادت و ریاضت پر پیر باندھی اور کمیٔ پائی۔ حضرت نے تمام عمر تلقینِ خدام میں گذاری اور ان کے ذریعے سیکڑوں لوگ مراتبِ قُرب تک پہنچے۔ ان کے بڑے خلفا میں سے ایک حافظ غلام محمد المشہور امام گاموں امام مسجد وزیر خاں تھے جو اپنے وقت میں یگانۂ آفاق تھے۔ دوسرے شیخ فیض بخش قریشی لاہوری پدر شیخ امام بخش جدِّ مادری مؤلفِ کتاب تھے جنہوں نے حضرت کی خدمت میں حاضر رہ کر قربِ الٰہی حاصل کیا۔"

اور فروخت کر کے جو روپیہ حاصل ہو اُس کے بورے اور رسیاں لیکر مسجدوں میں تقسیم کر دے۔

چنانچہ شیخ فیض نے ایسا ہی کیا اور یہ کرامت حضرت کی ہوئی کہ وہ بورے اور رسیاں سب بے کم و کاست فی مسجد ایک ایک برابر آئیں اور تمام شہر میں کوئی مسجد باقی نہ رہی جس میں رسی اور بورا کا نہ پہنچا ہو۔

بعد ازاں شیخ فیض کو ہوس دامنگیر ہوئی اور انہوں نے اپنے گھر میں جا کر سم الفار اور گندھک لاکر پیسوں پر ڈالی اور اُن کو آگ میں سرخ کیا۔ جب پیسوں کو آگ سے نکالا تو دیکھا کہ کیمیا تو کجا پیسوں کا بھی نقصان ہو گیا ہے اور پیسے کام سے جاتے رہے ہیں۔ دوسرے روز اس ارادہ سے کہ حضرت سے جا کر تعلیم علم کیمیا کی التماس کروں گا میاں شیخ فیض حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اُن کو دیکھتے ہی حضرت عبداللہ شاہ نے فرمایا کہ کیوں جی شیخ صاحب خود بخود گھر میں کیمیا بناتے ہو، اگر ایسے ایسے تعلقات کی طرف متوجہ ہوگے تو خدا کو کب پاؤگے صرف محروم رہ جاؤ گے اور یہ شعر زبانِ گوہر فشاں سے فرمایا۔ شعر

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

حضرت کی وفات ہفتم ماہ جمادی الاُولیٰ ۱۲۱۲ھ میں واقع ہوئی، قطعہ تاریخ

لہ حدیقۃ الاولیاء اور خزینۃ الاصفیاء میں یہ دونوں واقعات شیخ فیض بخش کے بجائے شیخ مراد بخش پسر شیخ فیض بخش کی طرف منسوب ہیں۔ شیخ مراد بخش اس وقت دس سال کے تھے۔

(مؤلف)

وفاتِ حضرت جو کسی شخص نے اُن کے بوقتِ فوت لکھا تھا بزبانی مفتی غلام سرور صاحب درج کیا جاتا ہے[1] قطعہ

چونکہ عبداللہ شاہ مردِ عجیب | شد زدُنیا بسوئے دوست قریب
جستم از دل چو سالِ تاریخش | گفت ہاتف بگوش ہدیٰ "غریب"

اور قطعۂ تاریخ وفاتِ عبداللہ شاہ مصنّفہ مفتی غلام سرور یہ ہے ۔ قطعہ

آں جناب پیر عبداللہ شاہ دہ جہاں | اختر برج ولایت مہرِ دیں ماہ بہشت
سالِ ترحیلش چو سر در رحمت از رضوانِ خلد | گفت عبداللہ ولی ہدا شاہِ بہشت

"حضرت کا مزار موضع مزنگ کے اندر محلّہ چاہ جنڈی میں مسجد چاہ جنڈی کے متصل واقع ہے۔" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

[1] صاحب خزینۃ الاصفیاء کے بیان کے مطابق یہ قطعۂ تاریخ شیخ فیض بخش کی تصنیف ہے (مؤلف)

فقیر تاجے شاہ مجذوب رح

یہ تاجے شاہ فقیر سرمست تھے اور عمر ان کی ایک سو دس برس کی ہوئی ہے[1] مفتی غلام سرور نے جو تاریخ وفات ان کی لکھی ہے سو بجنسہ درج کتاب ہذا ہوتی ہے۔ قطعہ

بود تاجے شاہ تاجِ عارفاں — مشتہر شد جا بجا سرمستِ عشق
سالِ ترحیلش چو جستم از خرد — گفت ہادی ہذا سرمستِ عشقی
۱۲۴۰ھ

---

[1] : حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ یہ شخص ایک فقیر سرمست مجذوب تھا کبھی شہر میں اور کبھی جنگل میں پھرا کرتا۔ مستانہ باتیں اکثر اس کی زبان سے نکلتیں کبھی حاضرین کے دل کی باتیں بھی بیان کر دیتا۔ لاہور کے اکثر لوگ اس کے معتقد تھے سکھوں کی سلطنت کی خرابی کا حال اس نے پہلے ہی بیان کر دیا تھا یعنی جس روز رنجیت سنگھ مرا تھا اسی روز کہہ دیا تھا کہ نو برس اور یہ سلطنت رہے گی پھر پنجاب کے مالک فرنگی ہو جائیں گے۔ اور بھی بہت تذکرے مشہور ہیں چنانچہ ایک شخص نورا قوم نجار جس کی اولاد نہ زندہ رہتی تھی ان کے پاس آ کر مستدعی ہوا۔ فرمایا کہ اب کے تیرے گھر عمر دراز بیٹا ہوگا۔ اس کا نام بوڑا رکھنا، چنانچہ وہ لڑکا پیدا ہوا اور اب تئیس برس کی عمر کو پہنچ گیا ہے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بحالتِ بیماری وقت آخر ان کو بلایا۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ ۲۴۲ ملاحظہ ہو)

وفات ان کی روز دوشنبہ ۱۲۶۱ھ کی ہے[۱] حضرت کی قبر کے تعویذ پر یہ شعر تحریر ہیں۔

شرق رویہ قبر کے یہ شعر ہیں : ؎

تاجے شاہ تاجِ ولایت داشت بر سر زیب در — عارفِ کامل بود و کشّافِ سرِّ کردگار

سالکاں را پیشوا و واصلاں را رہنما — عارفاں را بادشاہ و کاملاں را افتخار

مست در عشقِ محمدؐ محو در حبِّ خُدا

عشق و حبّ ربِّ جہاں . . . . .

اِس مقام پر شعر پڑھا نہیں جاتا[۲]۔ اور غرب رویہ قبر کے یہ لکھا ہے ؎

بقیہ حاشیہ ص ۲۲۳ اور اپنی صحت کے لیے عرض کی۔ جواب دیا کہ مرنا سب کے واسطے ہے جس طرح تیرا اور میرا باپ مر گیا ہے تو بھی مرنے والا ہے۔ چندن کی لکڑی تیرے جلانے کے لیے لانی چاہیئے۔ یہ سن کر وہ نا امید ہوا۔ جب تاجے شاہ قلعہ سے نکلا رنجیت سنگھ نے جان دے دی۔ خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے کہ بعض اوقات ان سے خوارقِ عادات کا ظہور ہوتا تھا۔ اور براہِ کشفِ غیب کی خبر بھی دیتے تھے۔ غایتِ مستی و استغراق سے ان کو کھانے پینے کا ہوش نہ رہتا تھا۔

حاشیہ صفحہ ہذا ۱ : مفتی غلام سرور لاہوری صاحبِ حدیقۃ الاولیا و خزینۃ الاصفیا نے ان کا سالِ وفات ۱۲۶۱ھ دیا ہے اور یہ قطعۂ تاریخ درج کیا ہے ؎

رفت از دُنیا چو در خلد بریں — شیخ تاجے شاہ پیرِ رہنما

مست مجذوبی بگو تاریخ او — نیز عاشق مست کاملِ حق نُما

۱۲۶۱ھ — ۱۲۶۱ھ

(خزینۃ الاصفیاء)

۲ : اصل کتاب میں اس سے آگے ایک شعر کا مصرعۂ ثانی اس طرح دیا ہے ۔

"داشت در دہر و مانی افتخار و اقتدار"

(مؤلف)

زآب و نان و جامہ و حرص و ہوا بیزار بود

داشت در ہر دم بعشق با خدا لیل و نہار

شیخ فانی بود در عمر و ولی در زاہدی

نوجوانِ نوجواناں بود دستار نامدار (۱۲)

اس مقام پر صرف بارہ کا ہندسہ دکھائی دیتا ہے شاید سنہ لکھا ہو گا کہ باقی ہندسے مِٹ گئے ہیں[1]

حضرت تاجے شاہ فقیر کا مزار چوک گوالمنڈی کے پاس سبز مناری کے متصل مسجد تاجے شاہ کے اندر واقع ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] : اب کسی شعر یا ہندسے وغیرہ کا نشان تک موجود نہیں ہے۔ (مؤلف)

نظام شاہ مجذوب لاہوری رح

حال سائیں نظام شاہ کا یہ ہے کہ یہ حضرت فقیر مست مجذوب تھے[1] اور تمام ہندو مسلمان بہجان ان کا ادب آداب کرتے تھے۔ یہ حضرت مختلف مکانات میں سکونت پذیر رہتے تھے۔ چنانچہ مدت مدید تک مکان تکیہ شرقی رویہ قلعہ گوجر سنگھ میں رہے اور بعد ازاں شہر میں کبھی کہیں اور کبھی کہیں۔ آخر گورستانِ میانی میں آ رہے پہلے یہاں ایک مسجد قدیمی تھی پھر آپ نے یہاں عمارت بنوائی۔ اکثر اشخاص عام و خاص ان کی زیارت کے واسطے یہاں حاضر ہوتے تھے اور ان کی صدہا کرامات مشہور و معروف ہیں۔ چنانچہ راجہ ہیرا سنگھ کے یوم قتل کا ذکر ہے کہ اس روز علی الصبح یہ حضرت تکیہ سادھواں میں تشریف لائے۔ اس روز عیدِ اضحیٰ کا دن تھا۔ آپ وہاں آ کر فرمانے لگے کہ نئی صفیں لاؤ اگلی صف اُٹھ گئی ہے۔ اسی وقت لوگوں نے جانا کہ آج سلطنت میں ضرور کچھ فرق آئے گا۔ چنانچہ دو گھنٹہ

---

[1] خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ یہ حضرت فقیر مست و مجذوب صاحبِ حال و ذوق و سکر و استغراق لاہور میں سکونت رکھتے تھے اور خلقِ کثیر کو ان کی ولایت و کرامت پر اعتقادِ کامل تھا۔ ہمیشہ شہر اور جنگل میں پھرا کرتے اور کبھی کبھی خیاطی کا کام کرتے تھے۔ ہر وقت شراب کے نشہ میں مستغرق رہتے تھے۔ آپ کشفِ قلوب اور علم باطن میں ایک آیت تھے اور دنیا اور اہلِ دنیا سے بے نیاز تھے۔ جو کچھ فتوح آتیں حاضرین میں تقسیم کر دیتے۔

کے بعد راجہ ہیرا سنگھ (وزیر دلیپ سنگھ والیٔ لاہور) جو اپنی حویلی میں محصور تھا چند ہمراہیوں کے ساتھ زیر کینٹرے کر ٹکسالی دروازہ سے بہ بہانۂ شکار بھاگ نکلا۔ سکھوں نے اس کا تعاقب کر کے اس کو مار ڈالا اور جواہر سنگھ کو وزیر بنایا۔ قس علیٰ ہذا۔ اور بہت سی کرامتیں ان کی مشہور ہیں۔

عہدِ سلطنت انگریزی میں انھوں نے ایک کاٹھ[۵۱] لے اس مکان پہ بنوایا اور جس پر خفا ہوتے تھے اس کو کاٹھ میں بند کر دیتے تھے۔ جب ایک دو ساعت گزر جاتی پھر چھوڑ دیتے۔ چنانچہ حسب العادت ایک روز ایک شخص مسلمان قوم جوگی کو اپنے کاٹھ میں بند کیا اور ایک گھڑی کے بعد خود ہی چھوڑ دیا۔[۵۲] دوسرے روز اس جوگی نے بجناب میکر مگر صاحب حاکم ضلع لاہور استغاثہ کیا۔ وہاں سے حسب ضابطہ ثبوتِ مدعی لینے کے بعد خدا بخش کوتوال کی معرفت اس کی طلبی عمل میں آئی۔ کوتوال حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ حضرت آپ کو حاکم نے طلب کیا ہے، تشریف لے چلیے، آپ نے فرمایا کہ چلو بھائی فقراء تو حکموں میں گرفتار نہیں ہوتے، تجھ کو لازم ہے کہ اس بات میں ہم کو دق نہ کر۔ کوتوال نے اپنی مجبوری بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ آج تو جا، کل ہم خود سرکار کے محکمہ میں چلے چلیں گے۔ جب وہ دن گزرا تو رات کو آپ رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے اور بوقتِ مرگ حاضرین سے کہتے تھے کہ کوتوال ہم کو عدالت سرکارِ انگریزی میں لے جاتا تھا ہم اپنی سرکار کے محکمہ میں جاتے ہیں۔[۵۳]

---

۵۱ : ایک آلہ ہوتا ہے جو لیبھا شاہانِ سلف مجرموں کو بطورِ شکنجہ پابند کرنے کے لیے مستعمل ہوتا تھا (چشتی)۔

۵۲ : اس جوگی نے ان کے پہنے کا گلی کوزہ توڑ ڈالا تھا۔ (حدیقۃ الاولیاء)

۵۳ : حدیقۃ الاولیا میں ہے کہ جب کوتوال نے کہا کہ میں نوکر و محکوم سرکار انگریزہ ہوں اور حکم کی تعمیل میں معذور ہوں تو یہ بات سن کر نظام شاہ ہنسا اور کہا ہم کو کل اپنے (باقی حاشیہ برصفحہ ۲۳۸)

جب آپ فوت ہوئے تو تمام شہر میں غل ہو گیا اور ہر ایک یہی کہتا تھا کہ انہوں نے فقیری کی عزت رکھ لی۔ ہزارہا زن و مرد ہندو مسلمان آپ کے جنازہ پر حاضر ہوئے اور بڑی دھوم دھام سے دفن ہوئے۔ بعد وفات ان کا مزار نواب شیخ امام الدین خاں نے بنوایا۔

سائیں نظام شاہ صاحب ۱۲۶۹ھ میں فوت ہوئے، وہ قطعۂ تاریخ وفات جو مفتی غلام سرور نے تصنیف کیے ہیں درج ذیل ہیں۔ قطعہ:

آں ولی نظام شاہ جہاں ، آخر الامر با خدا پیوست
سالِ تاریخ رحلتش سرور شد ندا عاشقِ ازل سرمست
۱۲۶۹ھ

ایضاً

نظام جہاں و از جہاں بے نیاز ولی خدا بود محبوب پیر
چو جستم ز دل سالِ ترحیل او ندا شد بگو شاہِ مجذوب پیر
۱۲۶۹ھ

حضرت بابا نظام شاہ کا مزار پُرانوار گورستانِ میانی میں دل افروز سٹریٹ پر تکیہ نظام شاہ میں واقع ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۷

حاکم کی کچہری میں حاضر ہونا ہے ہم کو فرنگی کی کچہری میں کون لے جا سکتا ہے، پس اس رات قوالوں کو بلا کر تمام رات سماع میں مشغول رہا، علی الصبح قوالوں کو رخصت کیا اور خود بستر پر استراحت کی اور جان بحق تسلیم کی۔

مستان شاہ مجذوب لاہوریؒ[1]

مجذوبانِ اہلِ کمال و سرمستانِ اہلِ حال سے تھے مستغنی المزاج، اور دُنیا سے کمال بیزار تھے کسی سے ہم کلام نہ ہوتے تھے البتہ اپنے منہ میں کچھ کہتے رہتے جو کسی کی سمجھ میں نہ آتا۔ خورد و نوش اور لباس سے کمال استغنا تھا، اکثر اوقات سر و پا برہنہ لاہور کے بازاروں میں پھرا کرتے اور کبھی ویرانوں میں نکل جاتے۔ گاہ گاہ موسم سرما میں بھورا اوڑھ لیتے تھے۔ یہ حضرت کبھی کسی سے سوال نہ کرتے تھے۔ لوگ ہزاروں قسم کے کھانے اور لباس و زرِ نقد ان کے سامنے لا کر رکھتے لیکن یہ نظر اُٹھا کر ان کی طرف نہ دیکھتے، کوئی رکھ جاتا اور کوئی اُٹھا کر لے جاتا اور کبھی کسی کو خود اُٹھا کر دے دیتے۔ کمہاروں اور جولاہوں وغیرہ کے کارخانوں میں ان کا گذر ہوتا تو ان کا کام نہایت خوبی کے ساتھ کرنے لگتے۔ جب بھوک غالب ہوتی تو درختوں کے پتے کھا کر پیٹ بھر لیتے۔

رنجیت سنگھ والی پنجاب کو ان کی نسبت کمال اعتقاد تھا باوجودیکہ وہ ان کے پیچھے پھرا کرتا اور ہزاروں روپیہ نذر کرتا مگر یہ مطلق توجہ نہ کرتے اور گالیاں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ رنجیت سنگھ ان کو اپنے ہاتھی پر بٹھلا کر قلعہ کو لیے جاتا تھا تو یہ ہاتھی کے اوپر سے کود پڑے۔

شیخ وہاب الدین لاہوری بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے دو دوستوں کے ہمراہ

---

[1] : تحقیقاتِ چشتی میں ان کا تذکرہ نہیں آیا۔ یہ حالات حدیقۃ الاولیا اور خزینۃ الاصفیاء کی مدد سے قلمبند کیے گئے ہیں۔ (مؤلف)

شہر سے باہر ایک ٹیلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم پر بھوک کا غلبہ ہوا تو کچھ کھانے کو جی چاہا۔ اس اثنا میں مستان شاہ آ نکلا۔ میں نے کہا اب مستان شاہ آگیا ہے ہمیں ضرور کچھ کھلائے گا۔ یہ سن کر اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کی طرف کیا اور غیب سے گندمی روٹی نکال کر ہمارے حوالے کی ہم نے کھائی تو معلوم ہوا کہ روغنی ہے۔

مستان شاہ سے ہزاروں خوارق وکرامت سرزد ہوئیں جن کا تذکرہ مخلوق کی زبان پر ہے۔ جب کوئی اہلِ حاجت ان کے روبرو جاتا تو باتوں باتوں میں اس کے مافی الضمیر کا حال کہہ دیتے۔ ان کی وفات ۱۲۷۳ھ میں واقع ہوئی اور گورستانِ میانی میں مدفون ہوئے۔

قطعات تاریخ یہ ہیں ؎

چو از دنیا بجنت در بریں رفت | شہ مستانِ حق دیوانۂ عشق
بسالِ ارتحالِ آں شہِ دیں | بگو عاقل ولی مستانۂ عشق

۱ ۲ ۷ ۳ ھ

ایضاً

سفر کرد در جنتِ دائمی | چو رفت از جہاں آہ مستان شاہ
بتاریخِ ترحیل آں مستِ عشق | بخواں ماہِ دین شاہ مستان شاہ

"آپ کا مزار تکیہ نظام شاہ (دل افروز سٹریٹ، گورستانِ میانی) میں حضرت نظام شاہ مجذوب لاہوری کے مزار کی چار دیواری کے باہر ہے"

رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی جَمِیْعِ عِبَادِہِ الصّٰلِحِیْنَ ط

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ط

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون
اولیائے لاہور
مؤلفہ
محمد لطیف ملک (ایم اے)
سید علی مخدوم ہجویری
شاہ اسمٰعیل محدث
سید یعقوب زنجانی
شاہ ابوالمعالی قادری
سید میراں بادشاہ
شیخ طاہر بندگی
شیخ موسیٰ آہن گر
حضرت میاں میر لاہوری
حضرت ایشاں
شاہ جمال لاہوری
شاہ بلاول
سید مٹھا لاہوری
بی بی پاک داماں
پیر مکی
شاہ چراغ گیلانی
شاہ ابواسحاق قادری
شاہ شمس الدین قادری
شاہ گدا لاہوری
رحمۃ اللہ علیہم اجمعین